ابنِ صفی

جلد نمبر
9

جاسوسی دنیا

27- چار شکاری

28- بے گناہ مجرم

29- لاشوں کا آبشار



پیشرس

جو داستان پیش کی گئی ہے اپنی دلچسپی کے اعتبار سے ابن صفی کے دوسرے کارناموں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں۔ اس ناول میں سرجنٹ حمید نے صحیح معنوں میں خود کو فریدی کا جانشین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایک خوفناک سازش کا شکار ہو کر قانون کی نظروں میں مجرم بن جاتا ہے اور اُسے روپوشی اختیار کرنی پڑتی ہے.... ایک ایسی لڑکی قتل کر دی جاتی ہے، جو سرجنٹ حمید کو کسی ریاست کا شہزادہ سمجھتی ہے.... کیوں سمجھتی تھی؟.... اس پر خود حمید کو بھی حیرت تھی.... ایک بینک کا ڈیڑھ من سونا خاک ہو جاتا ہے.... ایسے شکاری جو کوؤں کا شکار کھیلتے تھے.... بھلا سونے کی خاک اور کوؤں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے.... لیکن فریدی اپنی حیرت انگیز معلومات کی بناء پر دونوں کا تعلق ڈھونڈ ہی نکالتا ہے.... حمید تنہا مجرموں کا مقابلہ کرتا ہے اور ایک جگہ شراب پی کر وہ کتوں کی طرح بھونکتا ہے.... مجبوراً فریدی کو اس پر ٹھنڈا پانی ڈالنا پڑتا ہے.... چاروں شکاری کیا کر رہے تھے.... انہوں نے جو ڈھونگ پھیلایا تھا اس کے لئے پس منظر میں کیا تھا؟

میرا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو بار بار پڑھیں گے۔

(پبلشر)

شامت

تین موٹر سائیکلیں برابر سے سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ سرجنٹ حمید نے کئی بار کوشش کی کہ اپنی موٹر سائیکل ان کے درمیان سے نکال لے جائے لیکن کامیاب نہ ہوا۔ وہ تینوں رہ رہ کر ایک ساتھ اس طرح لہریں لیتی تھیں کہ سڑک کی پوری چوڑائی اُن کے حیطۂ عمل میں آجاتی تھی۔ حمید ہارن پر ہارن دیتا رہا لیکن اُن تینوں سواروں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ حمید کو تاؤ آگیا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو شاید اُسے تاؤ نہ آتا لیکن بات دراصل یہ تھی کہ پچھلی سیٹ پر اُس نے ایک خوبصورت سی لڑکی کو بھی لاد رکھا تھا اور وہ راستے بھر اُسے طرح طرح کے کرتب دکھا کر اُس کی سریلی چیخیں سنتا آیا تھا۔ ایک بار تو اس بیچاری کو بالکل یقین ہو گیا تھا کہ وہ دونوں موٹر سائیکل سمیت چکنا چور ہو جائیں گے۔ ہوا یہ کہ حمید نے ایک سائیکل سوار کے قریب سے گذرتے وقت اُس کی ٹوپی اچک لی۔ توازن جو گڑبڑایا تو موٹر سائیکل سڑک کے نیچے اُتر گئی۔ اگر حمید نے فوراً ہی ہینڈل نہ سنبھال لیا ہوتا تو موٹر سائیکل دس پندرہ فٹ گہری کھائی میں چلی گئی ہوتی۔

اس نے تو وہیں سے واپسی کے لئے ہلڑ مچانا شروع کر دیا تھا لیکن حمید پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ بالی کیمپ کے اکلوتی ریسٹوران میں اسٹیک کھائے بغیر واپسی کا سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ اس لڑکی کا نام سارہ تھا۔ یہ اینگلو انڈین تھی لیکن اردو اتنی صاف بولتی تھی کہ اہل زبان کا دھوکا ہوتا تھا۔ البتہ بعض اوقات باتوں کی رو میں لہجہ نہ سنبھال پاتی تھی۔ اس کے اور حمید کے تعلقات کے متعلق

صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اس کی نئی دریافت تھی۔ ایک رقص گاہ میں ان کی ملاقات ہوئی اور پھر دونوں میں گاڑھی چھننے لگی۔

آج اتوار تھا۔ حمید فریدی سے کٹ کر سارہ کے ٹھکانے پر پہنچا اور اسے بالی کیمپ کی طرف لے اڑا۔ بالی کیمپ جنگ کے زمانے میں یقیناً کیمپ رہا ہوگا لیکن اب تو وہاں لوہے کے کئی کارخانے قائم ہو گئے تھے اور ان بارکوں میں مزدور رہنے لگے ہیں جن میں کبھی فوج رہا کرتی ہوگی۔ بہر حال پُر فضا جگہ ہونے کی بناء پر اب اُسے تفریح گاہ کی حیثیت سے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تار جام جانے والی سڑک کی ایک شاخ مشرق کی طرف مڑ گئی ہے۔ یہی بالی کیمپ کا راستہ ہے۔ اس سڑک کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں؟ یہ اب تک صرف "بالی کیمپ والی سڑک" کہلاتی ہے اس کے شروع پر ایک کھمبے پر ایک تیر نصب ہے جس پر "بالی کیمپ" لکھا ہے اور بس! سڑک کے دونوں طرف سر سبز ٹیلے ہیں جن پر اکثر بھیڑوں کے ریوڑ دکھائی دیتے ہیں۔ تار جام کی سڑک سے کٹنے کے بعد بالی کیمپ تک درمیان میں کوئی آبادی نہیں ملتی۔

"سارہ ڈارلنگ....!" حمید گنگنایا۔ "ٹکرا دوں.... کسی سے۔"

"میں نہیں جانتی۔" سارہ کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "میری نس نس ٹوٹ گئی ہے۔"

"سارہ ڈارلنگ! اس وقت زندگی کا حسن بڑھ گیا ہے۔"

"تم سور ہو.... اب میں کبھی تمہارے ساتھ نہ نکلوں گی۔"

"اوہو.... تو تمہیں یقین ہے کہ تم آج زندہ جاؤ گی۔"

سارہ نے جھلا کر اُس کی پشت پر مکے جھاڑنے شروع کر دیئے۔ حمید نے موٹر سائیکل کو ایک گہری لہر دی اور آگے جانے والی موٹر سائیکلوں کے درمیان سے صاف نکال لے گیا لیکن وہ اپنے پیچھے بیٹھی ہوئی سارہ کی حرکات و سکنات سے قطعی لاعلم تھا۔ اُس نے اس سے اپنے کمال کی داد ضرور چاہی مگر یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ ان تینوں کو کسی قسم کا اشارہ کر کے پھر اس کی پیٹھ پر دھولیں جمانے لگی تھی۔

"روکو! ارے روکو.... میں مری....!" دفعتاً اُس نے چیخنا شروع کر دیا۔

حمید نے رفتار کم کر کے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے لگا دی۔

"ہائے....!" سارا سڑک کے کنارے بے تحاشہ گر کر کراہی۔

"کیا ہوا....؟" حمید اس پر جھک پڑا۔

"ہائے....!" سارہ سڑک کے کنارے بے تحاشہ گر کر کراہی۔

"کیا ہوا....؟" حمید اس پر جھک پڑا۔

"ہائے....!" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اینٹھ گئی۔ "پتہ نہیں.... کیا ہو گیا.... اُف.... ہائے۔"

تینوں موٹر سائیکلیں نظر سے اوجھل ہو گئی تھیں اور سڑک بالکل سنسان تھی۔

حمید اسے سہارا دے کر ٹیلوں کی طرف لے گیا۔

وہ گھاس پر لیٹ گئی۔

"آخر بتاؤ نا....!"

"پسلیوں میں.... نہ جانے کیا ہو گیا.... ہائے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے بوکھلا کر کہا۔ "اب یہاں کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے دفن کیا جا سکتا ہے۔" سارہ جھلا کر بولی۔

"یہ بھی مجھ اکیلے کے بس کا روگ نہیں۔"

"سور ہو تم.... چپ رہو.... ہائے.... ہائے۔"

"اچھا تو چلو.... اب کیمپ تھوڑی دور ہے.... وہاں ڈسپنسری بھی ہے۔"

"چھوڑ دو مجھے.... چلے جاؤ یہاں سے۔ اُس نے گھاس پر لوٹ لگائی۔"

"یعنی تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں۔"

"اُف.... ہائے.... چپ رہو۔"

"اچھا چپ ہوں.... مگر....!"

"ہائے.... چپ....!"

"ارے.... پھر چپ۔"

حمید نے کئی بار جھنجھلا کر اپنا سر پیٹ لینے کا ارادہ کیا لیکن.... کامیاب نہ ہوا۔ سارا برابر کراہے جا رہی تھی۔ نہ وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بقیہ راستہ طے کرنے پر رضامند ہوتی تھی اور نہ یہی بتاتی تھی کہ تکلیف کی نوعیت کیا ہے۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹیلے کی دوسری جانب سے ایک آدمی اُن کی طرف آتا نظر آیا۔ سارہ کو زمین پر تڑپتے دیکھ کر وہ

رک گیا۔ پھر اُس نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ وضع قطع سے کسی اچھی سوسائٹی کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"اچانک دونوں پسلیوں میں کچھ.... نہیں بلکہ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"افوہ.... مطلب ہی پر تو میں بھی غور کر رہا ہوں۔"

"خیر! میرے لائق کوئی خدمت۔" اُس نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید پر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔

"میرے خیال سے انہیں ادھر لے چلئے۔" اُس نے ٹیلے کی دوسری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ہمارے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی ہے۔"

ٹیلے کے دوسری طرف والے نشیب میں تین چار آدمی مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول تھے۔ اُن کے ساز و سامان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس طرف پکنک کی غرض سے نکل آئے ہیں۔

تھوڑے فاصلے پر ایک خوبصورت سی کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔

حمید اور سارہ کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ سارہ ہولے ہولے کراہتی ہوئی حمید کے سہارے چل نہیں بلکہ رینگ رہی تھی۔ ان کے ساتھ والے آدمی نے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر بچھا دیا اور سارا کروٹ کے بل گر کر ہانپنے لگی۔

"ڈاکٹر....!" حمید کے ساتھ والے نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ "اچانک ان کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"اوہ....!"

"ڈاکٹر....!" حمید نے اپنے ذہن میں دہرایا اور بغور اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

خدوخال کچھ جانے پہچانے سے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ آخر اُس نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔ جب کچھ یاد نہ آیا تو اُس نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوالیہ نشان کو تاریک گوشوں میں دھکیل دیا۔

ڈاکٹر سارہ پر جھکا ہوا اُس سے تکلیف کی نوعیت معلوم کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر

اٹھا کر کہا۔

"کوئی تشویش ناک بات نہیں! اکثر اچانک جھٹکوں کی بناء پر رگوں اور پٹھوں میں اس قسم کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ میرے خیال سے تھوڑی سی برانڈی مناسب رہے گی۔"

"برانڈی....!" حمید نے سارہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہمارے پاس موجود ہے۔" ایک آدمی باسکٹ میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

اُس نے گلاس میں تھوڑی سی برانڈی انڈیل کر سارہ کی طرف بڑھا دی۔ سارہ نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے زمین پر لڑھکا دیا اور پھر لیٹ گئی۔

سورج غروب ہونے میں ابھی دیر تھی۔ حمید شدت سے بور ہو رہا تھا۔ ساری تفریح کرکری ہو کر رہ گئی تھی۔ اب بالی کیمپ پہنچنے سے زیادہ اُسے واپسی کی فکر تھی۔ لیکن سارہ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کم از کم ایک آدھ گھنٹے سے قبل واپسی کے لئے تیار نہ ہو سکے گی۔

حمید مجبوراً موٹر سائیکل بھی اسی طرف دھکیل لایا۔

"شاید آپ اسٹوڈنٹ ہیں۔" ڈاکٹر نے حمید کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں۔" حمید نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی تفریح میں خلل پڑا۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" ڈاکٹر ہنس کر بولا اور اپنے آگے رکھے ہوئے گلاس میں برانڈی انڈیلنے لگا۔

بقیہ لوگوں نے بھی اپنے گلاس سنبھال رکھے تھے۔

"آپ بھی لیجئے۔" ڈاکٹر نے اپنا گلاس حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی.... شکریہ.... میں نہیں پیتا۔"

"مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔

"حقیقت عرض کر رہا ہوں۔"

"کیا آپ نے کبھی نہیں پی۔"

"یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"دیکھئے میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا۔" ڈاکٹر نے پھر قہقہہ لگایا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ عادی نہیں۔ لیکن خیر جانے دیجئے بعض کمزور دماغ کے آدمی بہکنے کے خوف سے پینے سے گریز کرتے ہیں۔"

اس جملے پر حمید کو تاؤ آگیا اور پھر اُس نے یہ ثابت کرنے کے لئے گلاس اٹھالیا کہ وہ اعصابی کمزوری کا شکار نہیں ہے۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسے ایک ہی سانس میں خالی بھی کر دیا۔

اس نے فاتحانہ انداز میں سارہ کی طرف دیکھا اور وہ ڈاکٹر کو مخاطب کر کے بولی۔

"کیا آپ کی برانڈی مفت کی ہے۔"

"نہیں تو.... کیوں؟"

"آپ نے بہت بُرے آدمی کو دعوت دی ہے۔" اُس نے ہنس کر کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ کو پوری بوتل کی یاد میں آنسو بہانے پڑیں گے۔"

"نہیں.... خیر.... اتنے پکڑ نہیں معلوم ہوتے۔" ڈاکٹر حمید کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

حمید نے انتہائی بے تکلفی سے بوتل اٹھائی اور کافی مقدار میں برانڈی انڈیل کر سوڈے کی بوتل کھولنے لگا۔ ڈاکٹر حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کو دعوت دے کر سچ مچ حماقت کر بیٹھا ہو۔

"معاف کیجئے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "دو تین پگ میں تو میرے کان بھی گرم نہیں ہوتے۔"

اُس نے دوسرا گلاس بھی پیا نہیں بلکہ پیٹ میں انڈیل لیا۔ شیخی میں آکر اُس نے یہ حرکت کر ڈالی لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ سینے کی خراش عرصے تک تکلیف کا باعث بنی رہے گی۔ برانڈی کافی تیز اور پرانی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے آدمیوں کے چہروں پر تحیر کے آثار دیکھ کر اُس نے تیسرے گلاس کے لئے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور سارہ ہنسنے لگی۔

"معاف کیجئے گا۔" ڈاکٹر نے بوتل اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بڑی بے دردی سے پی رہے ہیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

اس نے بوتل باسکٹ میں ڈال دی۔

"دیکھئے آپ مہمان نوازی کی روایات کو پانی پلا رہے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ پھر دفعتاً اُسے احساس ہوا کہ واقعی چڑھ رہی ہے۔ وہ "پانی پھیرنے" کے محاورے کو غلط بول گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ نشے میں اُس نے روایات کو پانی پلا دیا۔ اس نے دوبارہ اپنے جملے پر غور کیا تو اُسے بڑے زور سے ہنسی آگئی۔

وہ لوگ بھی ہنسنے لگے اور حمید اپنے ذہن سے کشتی لڑنے میں مشغول ہو گیا۔ شراب واقعی بہت تیز تھی۔ اُسے اپنا جسم ہوا میں پینگیں لیتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔ اُسے اپنی حماقت پر غصہ آیا اور نشے کی تیزی کچھ اور بڑھ گئی.... اور پھر جب شام کی ٹھنڈی ہوا نے اُس کے کان سہلائے تو مزہ ہی آگیا۔

"اب چلو اٹھو۔" اُس نے سارہ کو اس طرح ڈانٹا جیسے وہ اس کی بیوی ہو۔

"میری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔" سارہ جھلا کر بولی۔

"ایسی جلدی بھی کیا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "ابھی بہت وقت ہے۔ پانچ ہی تو بجے ہیں۔"

پھر وہ سب سارہ اور حمید کو لڑتے چھوڑ کر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ یہ گفتگو سیاسی معاملات پر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حمید وغیرہ کی آمد سے قبل بھی اُن کا موضوع گفتگو سیاست ہی رہا ہو۔

ڈاکٹر شاید اپنے ساتھیوں کی کٹ حجتی سے عاجز آگیا تھا۔ اُس نے زچ ہو جانے والے انداز میں کہا۔ "بھئی جیسے بعض سرکاری معاملات کا علم بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے اب تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔ اچھا اسے یوں سمجھ لو! بہتیرے آدمیوں کو معلوم ہے کہ دلاور نگر سے سونے کی بھاری مقدار یہاں آنے والی ہے۔ لیکن شاید انہیں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس تاریخ کو اور کس ٹرین سے آئے گی۔"

"معلوم کیوں نہ ہوگا۔" ایک آدمی بولا۔

"قطعی نہیں۔" ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔ "عوام کو ایسی باتیں نہیں معلوم ہونے پاتیں۔"

دفعتاً حمید فاتحانہ انداز میں ان کی طرف مڑا۔ اس کا دماغ اس وقت اس کی کھوپڑی کے اوپر لہرا رہا تھا۔

"کیا.... فر.... مایا آپ نے! عوام کو.... یہ باتیں نہیں معلوم.... ہا.... ہا.... پھس میں بھی عوام ہوں.... لیکن.... پھس.... میں جانتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

"اس وقت تو آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ خلیل خاں آج کل شتر مرغ اڑاتے ہیں۔"

"ہاں.... آپ.... اڑاتے تو ہیں۔ خلیل خاں میرے چچا ہیں۔" حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار

کر بولا۔

"واقعی چڑھ گئی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا اور سب ہنسنے لگے۔ حمید کو غصہ آ گیا۔

"تم پر چھاڑ گئی ہے۔" وہ گرج کر بولا۔ "میں بتا سکتا ہوں کہ سونا کب آ رہا ہے۔"

"یار مت کان کھاؤ۔" ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہیں پلا کر میں نے اپنے سر عذاب مول لے لیا۔"

"خدا قسم.... وہ تیرہ تاریخ کو سترہ ڈاؤن سے آئے گا۔"

وہ سب حلق پھاڑ کر ہنسنے لگے۔ حمید نے غصے میں اپنے ہی منہ پر تھپڑ مار لیا اور اتنا زوردار کہ اُسے لڑکھڑا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

"شکر کرو کہ یہ تھپڑ میرے ہی منہ پر پڑا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"یار کیا آفت مول لی ہے۔" ڈاکٹر نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "اب اگر ان حضرت نے اس وقت موٹر سائیکل استعمال فرمائی تو سیدھے ملک الموت سے بغل گیر ہو جائیں گے۔"

"چوپ راؤ۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔ "آؤ سارہ ڈارلنگ چالیں۔"

"ہرگز نہیں ایسی غلطی بھی نہ کیجئے گا۔" ڈاکٹر نے سارہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہائیں.... تم میری محبوبہ پر.... عاشق ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" حمید ڈاکٹر کو مکا دکھا کر بولا۔ "ہڈیاں چور کر دوں گا۔"

"صاحب زادے ہوش میں آؤ.... ورنہ....!"

"معاف کر دیجئے....!" سارہ گھبرا کر بولی۔ "یہ نشے میں ہیں۔"

"ڈارلنگ.... ڈارلنگ.... تم میری توہین کر رہی ہو۔"

"چپ رہو۔" سارہ نے اُسے ڈانٹا۔

"ہائے تم بھی ڈاکٹر ہو گئیں۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

"میں کہتی ہوں، بالکل زبان بند رکھو۔"

"ارے تو بتاؤ نا کہاں بند رکھوں۔"

"آپ واپس کس طرح جائیں گی۔" ڈاکٹر نے سارہ سے پوچھا۔ "یہ تو بالکل بیکار ہیں۔"

"اگر میں بیکار ہوں تو تم واہیات ہو۔" حمید حلق کے بل چیخا۔

"اگر آپ انہیں اور مجھے اپنی کار میں شہر تک پہنچا دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔" سارہ نے کہا۔

"اور آپ میں سے کوئی ان کی موٹر سائیکل پر بیٹھ لیں۔"

"ٹٹو پر بیٹھ لیں۔" حمید مکا تان کر سارہ کی طرف بڑھا۔

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" ڈاکٹر نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہٹ.... جاؤ.... میں اسے مار ڈالوں گا۔"

ان سب نے حمید کو پکڑ کر بٹھا لیا۔ سارہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"ہانستی ہو.... گویا میں کتے کا پلا ہوں۔"

"چپ رہئے جناب.... آپ تو واقعی....!" ڈاکٹر بے بسی سے بولا۔

"نائیں چپ رہتا جناب.... آپ خود جناب۔"

ڈاکٹر کے ساتھی بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے اُن سے کہا بھی کہ ان دونوں کو اُن کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے لیکن انہوں نے دھیان نہ دیا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب!"

"کبھی نہیں.... بتاؤں گا.... تم لوگ مجھ کو الو سمجھتے ہو۔"

"نہیں نہیں.... ہم آپ کو الو سے بھی بڑی چیز سمجھتے ہیں۔"

"میں چیز ہوں....؟" حمید بگڑ کر بولا۔ "آپ خود چیز ہیں.... چیز.... چیزیں.... چیزوں.... چوزوں۔"

"میرے خیال سے آپ انہیں چھوڑیئے اور چلئے ہمارے ساتھ۔" ایک نے سارہ سے کہا۔

"نہیں یہ ناممکن ہے۔" سارہ بولی۔

"دیکھا تم نے.... دیکھا۔" حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر ہنسا۔ تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ حمید زمین پر داہنی کہنی ٹیک کر سارا کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کیا کہتی ہیں آپ۔" ڈاکٹر نے سارہ سے پوچھا۔

"کچھ ناہیں کہتی.... جاؤ.... چلے جاؤ۔" حمید نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"مان جاؤ ڈارلنگ۔" سارہ اس کا سر سہلا کر بولی۔

"ہائے.... ایسے بولو نا.... مان گیا.... چالو۔"

حمید لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہ سب زمین پر بکھرا ہوا سامان سمیٹنے لگے۔

کار میں بیٹھتے ہی حمید کا نشہ ہرن ہونے لگا کہ سارہ اُسے اس حالت میں اپنے کوارٹر میں تو ہرگز نہ لے جائے گی۔ سارہ نرس تھی اور ہسپتال کے سرکاری کوارٹر میں رہتی تھی اور حمید نے اُسے اپنی جائے رہائش کے متعلق آج تک کچھ نہ بتایا تھا۔ پھر فریدی اور اس کی باز پرس کا خیال آتے ہی اُس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی! وہ شروع ہی سے اس جدوجہد میں مصروف تھا کہ نشے کو اپنے ذہن پر غالب نہ آنے دے مگر رہ رہ کر اٹھنے والی اس لہر کو کیا کرتا، جو اُسے بہکنے پر مجبور کر رہی تھی اچانک ذہن نے پھر پلٹا کھایا اور اُسے اپنے اوپر غصہ آنے لگا کہ آخر وہ فریدی سے اتنا ڈرتا کیوں ہے، یہ بزدلی ہے۔ کمزوری ہے۔۔۔۔ بالکل کمزوری ہے۔

"میں پیوں گا۔۔۔۔ اور پیوں گا۔۔۔۔!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کسی کے باپ کا ساجھا۔"

"خرید کر پینا۔۔۔۔ برخوردار۔۔۔۔!" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

"خرید کر پیوں گا۔۔۔۔ پرید کر خیوں گا۔ سمجھتے ہو۔ میں بزدل نہیں ہوں۔"

مرمت

کمپاؤنڈ میں شور سن کر فریدی باہر نکل آیا۔ دو تین نوکر کتے خانے کے قریب کھڑے ہنس رہے تھے۔ وہ اُس طرف اندھیرا ہونے کی بناء پر اُن کے چہرے نہ دیکھ سکا لیکن ہر ایک کی آواز وہ بخوبی پہچان رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔!" اُس نے بلند آواز میں پوچھا۔

سناٹا چھا گیا۔ نوکر خاموش ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے کسی آدمی کو کتوں کی طرح بھونکتے سنا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ تینوں نوکر وہاں سے ہٹ کر پورٹیکو میں آ گئے۔ بھونکنے کی آواز بدستور جاری تھی۔

"کیا ہے۔۔۔۔؟" فریدی کو غصہ آ گیا۔

"حمید صاحب۔" ایک نوکر نے کہا اور بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اندر جاؤ۔" فریدی انہیں گھور کر بولا۔ پھر اُس نے حمید کو آواز دی لیکن وہ برابر بھونکتا رہا۔

ریدی جھنجھلاہٹ میں آگے بڑھا۔

حمید کتے خانے کے کٹہرے سے منہ ملائے زمین پر بیٹھا بھونک رہا تھا۔

"یہ کیا حرکت۔۔۔۔!"

"بھوں۔۔۔۔!" حمید نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔

فریدی نے اُس کی گردن پکڑ کر اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کر دیا۔

"چیاؤں۔۔۔۔ چیاؤں۔۔۔۔ چیاؤں۔" حمید اس طرح چلایا جیسے کوئی کتا پتھر کھا کر بھاگتے وقت آوازیں نکالتا ہے۔

"یہ بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ حمید کے منہ سے بو آ رہی تھی۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ س کے کوٹ کی جیب سے ٹکرا گیا جس میں حمید نے بوتل ٹھونس رکھی تھی۔

ہوا یہ کہ شہر پہنچ کر حمید نے موٹر سائیکل تو دولت گنج کے تھانے میں چھوڑ دیا اور وہاں سے ٹیکسی کر کے ہوٹل ڈی فرانس میں آیا۔ یہاں اُس نے ڈرائی جن کی ایک بوتل خریدلی۔ چوتھائی بوتل وہیں صاف کر دی اور بقیہ جیب میں ڈال کر پھر ٹیکسی پر بیٹھا اور گھر آ گیا۔

"کیوں سور۔۔۔۔ یہ کیا حرکت۔" فریدی نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچی اور دوسرے سے بوتل نکال کر زمین پر پٹخ دی۔

"میں بزدل نائیں ہوں۔" حمید پوری قوت سے چیخا۔

"نائیں کے بچے ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اسے کھینچتا ہوا اندر لے چلا۔

"او۔۔۔۔ سارہ۔۔۔۔ ڈارلنگ۔" حمید دردناک آواز میں چلایا۔

فریدی نے اُسے برآمدے کے فرش پر دھکیل دیا۔ سارے نوکر اکٹھا تھے۔

"اپنے اپنے کمروں میں جاؤ۔" فریدی ان کی طرف مڑ کر بولا۔

وہ سب چپ چاپ چلے گئے۔

"کیوں سور۔۔۔۔ تم نے پھر شراب پی۔" فریدی نے اُس کے دونوں کان جھنجھوڑ کر کہا۔

"اُکھڑ گئے۔۔۔۔ ہائے اُکھڑ گئے۔" حمید گالوں پر کان ڈھونڈ رہا تھا۔

"میں آج تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"سارہ ڈارلنگ.... او ہو ہو ہو۔"

فریدی اُسے دوبارہ اٹھا کر دھکے دیتا ہوا اندر لے جا رہا تھا۔

"اپنے ساتھ مجھے بھی بدنام کرتے ہو۔"

"میں پیئوں گا.... پھر پیئوں گا.... مجھے کوئی نہیں روخ سکتا۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔

"میں اپنے باپ کی گود میں بیٹھ کر پیئوں گا۔" پھر اُس نے کان پر ہاتھ رکھ کر ہانک لگائی۔

"پینے کے دن آئے پیئے جا۔"

اس کے بعد شائد وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر ناچنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فریدی نے اُس کی ٹانگوں میں اپنا پیر اڑا دیا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

"مار ڈالوں گا۔" حمید اٹھ کر فریدی کی طرف جھپٹا اور فریدی کو ہنسی آ گئی اس نے پھر اپنی ٹانگ آگے بڑھا دی اور حمید پھر گر پڑا۔

اس بار وہ خود سے نہ اٹھ سکا فریدی نے کھینچ کھانچ کر اُسے سیدھا کیا۔

"کس نے پلائی ہے تمہیں۔" اُس نے حمید کو جھنجھوڑا۔

"بوتل نے.... بوتل میں مے ہے، مے میں نشہ.... ارے ہاں۔"

"تم نے پچھلی بار قسم کھائی تھی نا۔" فریدی نے پھر اس کا کان پکڑا۔

"مچھلی کب کھائی تھی۔"

"سارہ کون ہے؟"

"سارہ.... سارہ ہے! بارہ بارہ ہے۔ تیرہ چودہ ہے.... چودہ سہی ایک بٹا دو ہے۔"

فریدی نے اُسے دھکے مار مار کر ڈرائنگ روم سے بھی نکالا اور اب وہ اسے غسل خانے کی طرف لئے جا رہا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے حمید کی گردن پکڑی اور دوسرے سے نل کھول دیا۔ پانی کی تیز دھار حمید کے سر پر گر رہی تھی۔

"ارے.... ہوق.... ہوق.... پھو.... پھو.... ارے مرا.... پھو....!"

"پھر پیو گے۔"

"نہیں.... ارے.... پھو.... پھو.... مرا....!"

تھوڑی دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

پھر وہ اُس کے سونے کے کمرے میں لے آیا۔ حمید کا نشہ تو خاک اترتا البتہ اُس کا سر آہستہ آہستہ بھاری ہوتا جا رہا تھا اور وہ خاموشی سے فریدی کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے وہ اُس کے لئے کوئی اجنبی ہو۔ فریدی نے اس کا سر تولئے سے خشک کیا اور بھیگے ہوئے کپڑے اتارنے لگا۔

"تمہاری حرکتیں اب ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دراصل فریدی کا یہ جملہ ایک بے معنی بے ربطی کے ساتھ اس کے ذہن میں اترا تھا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ذہن کا بوجھ اس کی زبان پر بھی حاوی ہو گیا اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اب چپ چاپ سو جائے۔

دوسری صبح وہ دونوں ایک دوسرے سے اینٹھے ہوئے تھے۔ حمید کو پچھلی رات کی ساری باتیں ایک بے ربط خواب کی طرح یاد تھیں۔ حمید شرمندہ بھی تھا اور وہ حقیقتاً فریدی کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی دونوں خاموش ہی رہے حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اس کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کر رہا ہے۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد حمید ٹیکسی کر کے دولت گنج چلا گیا تھا۔ تھانے سے موٹر سائیکل لینی تھی۔ تھانے کا سیکنڈ آفیسر اس کا گہرا دوست تھا اس نے حمید کو چھیڑا۔ لیکن حمید کا موڈ اس قابل ہی نہیں تھا کہ وہ تھوڑی دیر رک کر اس سے گپ لڑاتا۔

وہ دولت گنج سے سیدھا آفس پہنچا۔ فریدی کی کیڈیلاک تو کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ سرجنٹ رمیش اپنی ڈسک پر سر جھکائے کسی فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر چونک پڑا۔

حمید اپنی ڈسک کی طرف بڑھا۔

"سننا تو یار ذرا۔" رمیش نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"سن رہا ہوں۔" حمید نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"آج صاحب کا موڈ اتنا بگڑا ہوا کیوں ہے۔"

"رات زیادہ پی گئے ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تو کیا پینے بھی لگے ہو۔"

"کب نہیں پیتا تھا۔"

حمید اپنی ڈسک پر آبیٹھا۔ اُس کی طبیعت بھاری ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ کرسی ہی پر بیٹھے بیٹھے سو جائے۔ رہ رہ کر سارے جسم میں کچھ ایسی لہریں دوڑتی معلوم ہو رہی تھیں جو کبھی گرم جان پڑتیں اور کبھی ٹھنڈی! نتھنوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔

"آج انسپکٹر صاحب بھی کچھ جھنجھلائے ہوئے ہیں۔" رمیش بولا۔

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے اپنی ڈسک آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے لگا۔ رمیش چند لمحے اس کی طرف مضحکانہ انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر فائیل کی ورق گردانی میں مشغول ہو گیا۔

حمید ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ ایک عجیب قسم کی اکتاہٹ اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے زندگی کا سارا حسن ختم ہو گیا ہو۔ کائنات کی رگیں ٹوٹ رہی ہوں اور انہیں کے ساتھ رجائیت کا وہ تانا بانا بھی ٹوٹ رہا ہو۔ جو اس نے اپنی شخصیت کے گرد پھیلا رکھا تھا۔ ایک بے نام سی خلش اُس کے سینے میں رہ رہ کر چبھ رہی تھی۔

دفعتاً اُس کی نظریں یوں ہی غیر ارادی طور پر اُس فائیل کی طرف اٹھ گئیں۔ جسے سرجنٹ رمیش الٹ پلٹ رہا تھا۔

"ذرا ٹھہرو تو....!" اس نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر رمیش کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے وہ صفحہ چٹکی سے پکڑ لیا جسے رمیش الٹنے جا رہا تھا۔

اس کی نظریں اسی صفحے پر چپکی ہوئی ایک تصویر پر جم گئی تھیں۔ اچانک اسی کی طبیعت کا اضمحلال غائب ہو گیا اور سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔

اتنے میں فریدی آ گیا۔ اُس نے ایک اچٹتی سی نظر حمید پر ڈالی اور اپنے میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

حمید پھر اپنی ڈسک پر آبیٹھا۔ رمیش کو اس کے رویے پر حیرت تھی۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا اور حمید یہ بھول گیا تھا کہ وہ آفس کے کمرے میں بیٹھا ہے اور وہاں اس کے علاوہ دو آدمی اور بھی ہیں۔ رمیش تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

حمید کا ذہن ایک بھورے رنگ کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال چن رہا تھا۔ اور پھر جب وہ ڈاڑھی غائب ہو گئی تو حمید بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کل ہی اُسے یہ یاد آ گیا ہوتا کہ

سے ڈاکٹر کا چہرہ جانا پہچانا سا کیوں معلوم ہو رہا تھا تو اس وقت فریدی اُسے اینٹھنے کی بجائے اس کی پیٹھ ٹھونک رہا ہوتا۔

فریدی کے میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"یس.... فریدی اسپیکنگ .... اوہ جگدیش.... کیا بات ہے.... ہاں.... ہاں.... اچھا.... تو پھر.... یار مجھے ناحق تکلیف دیتے ہو.... کچھ رقابت.... وقابت کا سلسلہ رہا ہوگا۔ ان لوگوں کو اکثر اسی قسم کے حادثات سے دوچار ہونا پڑتا ہے.... کیونکہ.... یہ درجنوں چاہنے والے رکھتی ہیں.... چھوڑو.... چھوڑو.... میں بہت مصروف ہوں.... تھوڑی پوچھ گچھ کرو.... سب معلوم ہو جائے گا.... اس کے عاشقوں کی فہرست تیار کرنا زیادہ مفید ہوگا.... اماں بچے ہی رہو گے ہمیشہ.... اسکے ساتھ والیوں سے پوچھو.... اگر کوئی خاص دشواری ہو تو بتانا....!"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا رمیش سے مخاطب ہو گیا۔

"سول ہسپتال کی.... کوئی نرس تھی سارہ.... کسی نے اُسے قتل کر دیا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی اس کا نوٹس لئے بغیر سگار پیتا رہا۔ حمید بیٹھ گیا۔ اُس کا سر چکرانے لگا تھا۔ سارہ قتل کر دی گئی کیوں؟ کس لئے؟ کس نے قتل کیا؟ مگر ممکن ہے کوئی اور سارہ ہو! لیکن پھر بھی اس کی الجھن رفع نہ ہوئی۔ وہ اٹھ کر تیزی سے فون کے قریب آیا۔

"ہیلو....!" اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔ اُس کا اندازہ پہلے ہی سے تھا کہ جگدیش سول ہسپتال ہی سے بولا ہوگا اس لئے اس نے وہیں کے لئے رنگ کیا۔ "سول ہسپتال.... ذرا انسپکٹر جگدیش کو فون پر بلا دیجئے۔"

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑتا۔ دوسری طرف سے جگدیش کی آواز آئی اور حمید بولنے لگا۔

"ہیلو.... میں فریدی بول رہا ہوں۔"

اس پر فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن حمید بولتا ہی رہا۔ "کیا وہ کوارٹر ہی میں پائی گئی ہے.... اوہ.... کوارٹر کا نمبر کیا ہے.... سولہ.... اوہ.... اچھا۔"

حمید ریسیور رکھ کر اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگا۔

فریدی پہلے سمجھا تھا کہ شاید حمید اُسے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ حمید کی آنکھوں میں سراسیمگی تھی۔

"کیوں....؟" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

حمید اُسے باہر چلنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

فریدی متحیرانہ انداز میں اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں لان پر نکل آئے۔

حمید چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کل میں سارہ کے ساتھ تھا۔"

"تم....!"

"جی ہاں۔" اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی موت رقابت کے سلسلے میں واقع ہوئی۔

"کیوں....؟"

"کل میں نادانستہ طور پر.... جہاں تک میرا خیال ہے ایک بہت بڑے مجرم سے جا ٹکرایا تھا۔"

"یعنی....!"

"سردار صفدر سے۔"

"کس سے....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سردار صفدر سے۔" حمید نے کہا اور پچھلی شام کی پوری روداد سنا کر بولا۔ "میں دولت گنج کے تھانے میں اتر گیا تھا اور وہ لوگ اسے اس کے کوارٹر تک پہنچانے چلے گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ڈاکٹر.... سردار صفدر ہی تھا۔"

"ہو سکتا ہے تمہیں دھوکا ہوا ہو۔" فریدی بولا۔ "تم نے فائیل میں صرف تصویر دیکھی تھی یا رپورٹ پڑھنے کی بھی زحمت گوارا کی تھی۔"

"نہیں میں نے رپورٹ نہیں پڑھی۔"

"آج سے چھ ماہ قبل سردار صفدر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر چکا ہے۔"

"ہوگا! لیکن ان معاملات میں میری نظریں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر اس تصویر سے ڈاڑھی نکال دی جائے تو اسی ڈاکٹر کا چہرہ برآمد ہوگا۔"

"ہوں.... لیکن وہ نرس...." فریدی آہستہ سے بولا۔ "کیا تم کل اُسے اس کے کوارٹر سے

لے گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"ظاہر ہے کہ وہاں کچھ لوگوں نے تمہیں اس کے ساتھ ضرور دیکھا ہوگا۔"

"یقیناً....!"

"چلو یہی اچھا ہوا کہ تم دولت گنج ہی میں اُتر گئے تھے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ تمہارے متعلق سب کچھ جانتی رہی ہوگی۔"

"نہیں.... میں نے اُسے اپنا نام شاہد بتایا تھا۔"

"ہوں.... مگر تمہیں کبھی عقل نہ آئے گی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

اگر تمہاری بات تسلیم کر بھی لی جائے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ سارہ کے قتل میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"کسی طرح نہیں۔"

"پھر....؟"

"پھر یہ کہ.... میں سول ہسپتال جا رہا ہوں۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے پہچان لیا تو زحمت میں پڑو گے۔"

"تو پھر آپ جائیے۔ میں نے اپنی زندگی کے چند بہترین لمحے اسکے ساتھ گذارے ہیں۔"

"آخری لمحہ بھی اُسی کے ساتھ گذارتے تو بہتر تھا۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

شہزادہ

تھوڑی دیر تک حمید پر بگڑتے رہنے کے بعد فریدی سول ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اُسے اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ سارہ کے کوارٹر کے سامنے خاصی بھیڑ تھی اور وہاں کھڑے ہوئے کانسٹیبل بڑی دیر سے مجمع ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

"بہت اچھا ہوا کہ آپ آگئے۔" انسپکٹر جگدیش فریدی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"بہت ہی خاص.... قتل تو زیادہ الجھا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ٹھہریئے! میرے ساتھ آیئے.... لاش اس کمرے میں ہے۔"

جگدیش اُسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ اینگلو انڈین نرس فرش پر چت پڑی تھی۔ کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر خاتمہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر ابھی تک لاش کے قریب ہی موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ موت پچھلی رات کو دس اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔

"دروازہ باہر سے بند تھا۔" جگدیش نے فریدی کو بتایا۔

"ہوں....!" فریدی نے بے خیالی میں سر ہلا دیا۔ اُس کی نظریں اُس میز پر جمی ہوئی تھیں جس پر پچھلی رات کا کھانا چنا گیا تھا.... دو کرسیاں آمنے سامنے پڑی تھیں کھانا دو آدمیوں کا معلوم ہوتا تھا اور شاید اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا گیا تھا۔

"تمہارا اندازہ کیا ہے۔" فریدی نے جگدیش کو مخاطب کیا۔

"قاتل .... مقتولہ کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں پچھلی رات کو غیر متوقع طور پر نہیں آیا تھا کیونکہ میز پر دو آدمیوں کا کھانا جیوں کا تیوں موجود ہے۔"

"قیاس غلط نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"لیکن کھانے سے قبل ہی قاتل اس پر حملہ کر بیٹھا۔" جگدیش نے کہا "اور اسے ختم کرنے کے بعد چپ چاپ نکل گیا۔ مگر میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔"

"کیوں....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ادھر آیئے۔" رمیش نے اُسے دوسرے کمرے میں چلنے کو کہا۔

اور پھر فریدی کو ایک حیرت خیز بات سے دوچار ہونا پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں دو ٹائپ کئے ہوئے خطوط اور ایک تصویر تھی اور تصویر بھی کس کی؟ میاں حمید کی۔

"یہ ساری چیزیں مقتولہ کے بکس سے برآمد ہوئی ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

فریدی اُن دونوں خطوط کو پڑھ رہا تھا۔ ان میں حمید نے سارہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔ خطوط کے نیچے اُس نے اپنے پورے دستخط

نٹین پن سے کئے تھے اور نام کے ساتھ سرجنٹ بھی لکھا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ دونوں ط خود فریدی ہی کے رائٹنگ پیڈ کے کاغذوں پر ٹائپ کئے گئے تھے۔

"اور سنیئے۔" جگدیش آہستہ سے بولا۔ "کل دن کو یہ ایک آدمی کے ساتھ موٹر سائیکل پر ں گئی تھی۔ دیکھنے والوں نے اس آدمی کا جو حلیہ....!"

"وہ حلیہ بھی حمید ہی کا ہے۔" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔

"جی ہاں.... میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں لیکن مقتولہ کی ساتھ والی نرسوں نے اس آدمی ام شاہد بتایا تھا۔"

"ہوں.... کیا اُن میں سے کسی کو یہ تصویر بھی دکھائی ہے۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... ان خطوط اور اس تصویر کا علم میرے علاوہ کسی اور کو نہیں۔"

"ٹھیک....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہاں تم نے مجھے کیا اسی لئے فون کیا تھا۔"

"جی نہیں! یہ چیزیں تو فون کرنے کے بعد برآمد ہوئی ہیں۔ دوبارہ آپ کو فون کرنے ہی رہا تھا کہ آپ آگئے۔"

"میں ذرا اُن نرسوں سے الگ الگ ملنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے اس کا نام شاہد بتایا ہے۔"

"میں بلواتا ہوں۔ سب میٹرن کے کوارٹر میں موجود ہیں۔"

فریدی وہیں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جگدیش باہر جا چکا تھا اور فریدی متجسس نظروں سے روں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی یا الجھن کے آثار قطعی نہ تھے اور نہ اُسے حمید غصہ ہی آ رہا تھا۔ اسے اس پر بھی جھلاہٹ نہیں تھی کہ حمید نے اُن خطوط کے لئے اُس کے پیڈ کے کاغذ کیوں استعمال کیا جس پر اُس کا نام چھپا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جگدیش ایک نرس کے ساتھ واپس آیا۔

"تمہارا نام....!" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"تھیوڈورا۔"

"سارہ کو کب سے جانتی تھیں۔"

"جب سے یہاں آئی تھی۔"

"کب سے تھیں....!"

"چھ ماہ قبل....!"

"اس کے ملنے والوں سے بھی کچھ واقفیت رکھتی ہو۔"

"ہسپتال والوں کے علاوہ صرف ایک آدمی سے اس کے تعلقات تھے وہ بھی ابھی حال ہی کے تھے۔"

"کس سے۔"

"شاہد سے۔"

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں نے آج تک شاہد کے علاوہ اسے اور کسی بیرونی آدمی کے ساتھ نہیں دیکھا۔"

"کیا وہ کل شاہد ہی کے ساتھ کہیں گئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"تم نے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اور پھر وہ دونوں واپس آئے تھے۔"

"ان کی واپسی کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔"

پھر فریدی نے حمید کی تصویر جیب سے نکال کر اُس کے سامنے ڈال دی۔

"اسے پہچانتی ہو۔" اس نے پوچھا۔

"اوہ! یہی تو وہ ہے شاہد۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"تمہیں کس نے بتایا تھا کہ اس کا نام شاہد ہے۔"

"خود سارہ نے۔"

فریدی نے یکے بعد دیگرے اُن ساری نرسوں سے گفتگو کی جو حمید کو بحیثیت شاہد جانتی تھیں۔ بہر حال اس کے علاوہ کوئی اور بات معلوم نہ ہو سکی کہ وہ شاہد کے متعلق صرف اتنا ہی جانتی تھیں کہ اس کا نام شاہد ہے اور نام انہیں سارہ ہی سے معلوم ہوا تھا۔

"سارہ اُن کے متعلق کچھ اور بھی کہا کرتی تھی۔" فریدی نے ان سے پوچھا۔

پہلے اس نے انہیں فرداً فرداً الگ بلا کر سوالات کئے تھے اور اب وہ سب ایک ہی جگہ پر تھیں۔ اس کی اس بات کا جواب فوراً ہی نہیں ملا۔ اُن میں سے سبھی کے چہرے سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

"ایک بات....!" ایک نرس بولی۔ "عجیب ہونے کی بناء پر مجھے اب تک یاد رہ گئی ہے ویسے اور کسی کا دھیان نہیں۔"

"کیا....؟"

ایک بار وہ باتوں کی رو میں کہہ گئی تھی کہ شاہد کی شخصیت پُر اسرار ہے جس دن اُس پر سے پردہ اٹھے گا دنیا حیرت زدہ رہ جائے گی۔

"اوہ....!" فریدی پُر خیال انداز میں اُسے دیکھنے لگا۔ "کچھ اور۔"

"اور.... کوئی خاص بات نہیں۔ ویسے وہ زیادہ تر اسی کی باتیں کیا کرتی تھی۔ بڑا خوش مزاج ہے۔ انتہائی ذہین، خوش سلیقہ اور مہذب وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی نے انہیں رخصت کر دیا.... پھر وہ جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔ "بُرے پھنسے میاں حمید۔"

"تو کیا حمید نے.... واقعی....!" جگدیش چونک کر بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں کہ حمید نے اسے قتل کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا حمید اور رقابت! یار اس کی محبت رقابت والی ہوتی ہی نہیں۔ وہ تو بس لڑکیوں کا ساتھ چاہتا ہے۔ افلاطونی عشق پر یقین نہیں رکھتا۔"

"اور یہ خطوط۔"

"خطوط....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا یہ تو سوچو کہ جب اس نے مقتولہ کو اپنا نام شاہد بتایا تھا تو پھر خطوط میں سرجنٹ حمید لکھنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر خطوط بھی کیسے قتل کی دھمکی والے۔ نہیں جگدیش صاحب! اگر وہ ایسا کرتا بھی تو کم از کم میرے رائیٹنگ پیڈ کا کاغذ نہ استعمال کرتا۔"

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ حمید صاحب قاتل ہیں۔" جگدیش جلدی سے بولا۔

"نہیں شبہ تو کرنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں یہ بھی سنو کہ یہ دستخط حمید ہی کے ہیں یا یوں سمجھو کہ بالکل ویسے ہی ہیں۔"

"تب تو..."

"نہیں اس بناء پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حمید ہی کی حرکت ہے۔ کیونکہ ہم آئے دن ایسے نقلی دستخطوں سے دوچار ہوتے رہتے ہیں کہ اصل اور نقل میں تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔"

"لیکن ابھی اس نرس نے کہا تھا کہ سارہ نے شاہد کی پُر اسرار شخصیت کی طرف اشارہ کیا تھا۔" جگدیش نے کہا۔

"ہاں یہ بات ضرور تشویش ناک ہے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاہد کی اصلیت سے واقف تھی بہرحال معاملہ پیچیدہ ہے۔"

"حمید صاحب ہیں کہاں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"آفس میں۔"

جگدیش خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آپ نے ان لوگوں کو تصویر کیوں دکھادی۔"

"میں یہ بات چھپانا نہیں چاہتا کہ حمید بھی اس کیس میں مشتبہ حیثیت رکھتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر تم تو ایک بار یہاں کی تلاشی لے ہی چکے ہو! ذرا میں بھی دیکھ لوں۔"

فریدی ایک ایک چیز کو بنظر غائر دیکھ رہا تھا۔ ایسے نشانات کی طرف سے تو اسے پہلے ہی "سی ہو چکی تھی، جو قاتل نے چھوڑے ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ قاتل نے ہاتھوں میں دستانے ن کر سارہ کا گلا گھونٹا تھا لیکن اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ پاس پڑوس والوں کو بھی اس ادثے کی خبر نہ ہوئی۔ سارہ ایک تندرست لڑکی تھی آسانی سے تو نہ مری ہوگی۔

اُس کی کتابوں کی الماری دیکھتے وقت فریدی کو اعتراف کرنا پڑا کہ وہ ایک ستھرے مذاق کی لڑکی تھی الماری میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں تھی جو کسی گھٹیا مصنف کی ہوتی فحش قسم کا امریکی لٹریچر بھی نہیں دکھائی دیا۔

اس تلاشی کے دوران میں صرف ایک چیز کام کی مل سکی۔ یہ سارہ کی ڈائری تھی اور پھر وہ اس کے اوراق الٹ پلٹ رہا تھا ایک جگہ شاہد کا نام دیکھ کر اُس کی دلچسپی بڑھ گئی۔

مقتولہ نے خالص رومانی انداز میں لکھا تھا۔

"کیا سچ مچ میرے خواب حقیقت بن جائیں گے۔ میں بچپن ہی سے ایک ایسے شہزادے کے متعلق سوچتی آرہی ہوں جو مجھے اچانک مل جائے، مجھے چاہنے لگے لیکن ایک معمولی آدمی کی

حیثیت سے اور پھر اچانک یہ راز کھل جائے کہ وہ ایک شہزادہ ہے ہم دونوں حسین مرغزاروں میں ٹہلتے پھریں۔ بیکراں وسعتوں میں اکیلے ہوں۔ نیلا آسمان دور کی پہاڑیوں پر جھکا ہوا معلوم ہو اور پہاڑوں پر ڈوبتے ہوئے سورج کی قرمزی کرنیں ہولے ہولے رینگ رہی ہوں۔ ہمارے سروں پر قازوں کی لمبی سی قطار پرواز کر رہی ہو اور ہمارے پیروں کے نیچے ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس ہو۔ شہزادے کی پُر خواب آنکھیں میری روح کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہوں۔ پھر وہ میرے زانو پر سر رکھ کر سو جائے۔ کاش میرے خوابوں کی تعبیر سچ مچ مجھے مل گئی ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ شاہد شہزادہ ہے۔ اُس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے کچھ چھپانا چاہتا ہے۔ مجھے اس کی شخصیت پُر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ میرا شہزادہ مجھے مل گیا ہے۔ میری حسین آرزو! شاہد شہزادہ ہے۔ ایک دن یہ راز ضرور کھلے گا۔"

فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا حمید اُسے بیوقوف بنا رہا تھا۔ وہ کچھ بھی رہا ہو لیکن اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سارہ اسے حمید کے نام سے نہیں جانتی تھی۔ فریدی نے پوری ڈائری دیکھ ڈالی۔ اس میں شاہد کا تذکرہ کئی جگہ کیا گیا تھا لیکن حمید کی اصل حیثیت کے متعلق کہیں ہلکا سا اشارہ بھی نہ ملا۔

"اسے بھی دیکھو....!" فریدی نے وہ ڈائری جگدیش کی طرف بڑھادی۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ تک سکوت رہا.... اس دوران میں جگدیش ڈائری کی ورق گردانی کرتا رہا اور فریدی کمروں کی دوسری چیزیں الٹتا پلٹتا رہا۔

"بھئی کمال کر دیا حمید نے بھی۔" جگدیش آہستہ سے بڑبڑایا۔ "شہزادے صاحب۔"

"تمہاری کھوپڑی الٹ گئی ہے۔" فریدی بولا۔

جگدیش استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ڈائری کی کسی تحریر سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ شاہد نے خود کو کسی شہزادے کی حیثیت سے پیش کیا ہو۔ مقتولہ خود اسے شہزادہ سمجھنے پر مصر دکھائی دیتی ہے کس بناء پر؟ ڈائری اس کا جواب نہیں دیتی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" جگدیش سر ہلا کر بولا۔

فریدی نے وہ ڈائری اُس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ تصویر اور خطوط بھی اُسی کے

پاس تھے۔

"بڑی دلچسپ سازش ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"سازش....؟" جگدیش چونک کر بولا۔

فریدی خاموش ہی رہا۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"رپورٹ میں کیا لکھ رہے ہو!"

"یہی تو سوچ رہا ہوں۔" جگدیش فکر مندانہ انداز میں بولا۔ "اس تصویر اور خطوط نے بڑ الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"نہایت آسان طریقہ۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تصویر اور خطوط کا تذکرہ سرے سے ہی نہیں۔"

"اور شاہد....؟"

"شاہد کا تذکرہ ضروری ہے اور اس کا بیان کیا ہوا حلیہ بھی لکھو۔"

"آپ نے تصویر انہیں ناحق دکھائی۔"

"اوہ.... چھوڑو.... یہ سب دیکھا جائے گا۔"

فریدی آفس واپس آ گیا۔ حمید کمرے میں نہیں تھا وہ اور رمیش شاید چائے پینے کے کینٹین میں چلے گئے تھے۔ فریدی اپنی میز پر بیٹھ کر کام میں مشغول ہو گیا اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خاص بات ہوئی نہ ہو۔ کچھ دیر بعد حمید اور رمیش واپس آ گئے۔

"اوہ شہزادے صاحب۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر شرا آمیز مسکراہٹ تھی۔ حمید نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔

"کسی نے گلا گھونٹ کر اُسے مار ڈالا۔" فریدی نے رمیش سے کہا۔

"اچھا....!"

"کل وہ شاہد نامی ایک آدمی کے ساتھ کہیں گئی تھی۔ پولیس کا شبہ اسی پر ہے۔"

حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاہد کے متعلق خیال کیا جا رہا ہے کہ اس نے سارہ کو اپنے متعلق دھوکے میں رکھا تھا۔

"وہ کس طرح....!" رمیش نے پوچھا۔

"اس نے مقتولہ سے کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی ریاست کا شہزادہ ہے۔"

حمید کچھ بولنے کے لئے بے چین نظر آ رہا تھا۔ لیکن فریدی اُسے الجھن میں چھوڑ کر پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

جیسے ہی رمیش باہر گیا حمید فریدی کے پاس آ بیٹھا۔ لیکن فریدی نے سر اٹھا کر دیکھنے تک کی زحمت گوارہ نہ کی۔

سونے کی خاک

"شہزادے والی بات کیا تھی۔" حمید نے اکتا کر پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "عورتوں کے پیچھے دوڑنے والے عموماً اسی قسم کی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔"

"دیکھئے مجھے زیادہ الجھن میں نہ ڈالئے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اور میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اپنے چہرے پر قبرستانی فضا پیدا کرنے کی بجائے قہقہے لگایئے ورنہ.... یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شام کے اخبارات میں شاہد کا حلیہ شائع ہو جائے گا۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "شہزادے والی بات۔"

"بتا تو چکا کہ شاہد نے خود کو شہزادہ ظاہر کیا تھا۔"

"قطعی.... غلط ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن شہزادے والی بات میں خود آج تک نہ سمجھ سکا۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ خود ہی اکثر مجھے پرنس کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھی.... اور قطعی سنجیدگی سے.... اکثر جھنجھلا کر یہ بھی کہہ بیٹھتی تھی کہ تم آخر خود کو چھپاتے کیوں ہو۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اس سے شہزادہ سمجھنے کی وجہ نہیں پوچھی؟"

"اس کا اُس نے کبھی کوئی تشفی بخش جواب ہی نہیں دیا اور میں حقیقتاً یہی سمجھتا رہا کہ وہ مجھے بیوقوف بنا رہی ہے لیکن آپ کو اس کا علم کیونکر ہوا....؟"

"اس کی ڈائری سے.... لیکن اُس میں بھی اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مگر بیٹے خاں تمہیں ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔"

"کیا....!" حمید چونک کر بولا۔

"اُسے خط لکھنے کے لئے تمہیں میرے رائٹنگ پیڈ کا کاغذ نہ استعمال کرنا چاہئے تھا۔"

"خط....! میں نے آج تک اُسے کوئی خط لکھا ہی نہیں۔"

"تصویر دی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے اُسے اپنی کوئی تصویر بھی نہیں دی۔"

"لیکن یہ دونوں چیزیں اس کے یہاں سے برآمد ہوئی ہیں۔" فریدی نے تصویر اور خطوط اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"خدا کی قسم....!" حمید خطوط پڑھ کر بوکھلا گیا۔ "مگر.... یہ دستخط بالکل ایسے ہی ہیں جو میں کرتا ہوں۔"

"ممکن ہے شراب کے نشے میں کبھی لکھ کر بھول گئے ہو۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"کہہ لیجئے! اب تو اُلو بن ہی گیا ہوں۔"

فریدی چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اس سے تم ملے کس طرح تھے؟"

"ہوٹل ڈی فرانس کے ایک رقص کے دوران میں وہ خود ہی میری طرف جھکی تھی۔"

"اس کے دوسرے دوست بھی رہے ہوں گے۔"

"مجھے اُن کے متعلق علم نہیں۔ اُس نے کبھی کسی کا تذکرہ نہیں کیا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"اچھا گھامڑ خاں! مجھے ان لوگوں کے متعلق بتاؤ۔ جنہوں نے تمہیں شراب پلائی تھی۔"

"ان کے متعلق بھی آپ کو سب کچھ بتا چکا ہوں۔"

"تم نے اچانک ہی بالی کیمپ کا پروگرام بنالیا تھا یا یہ بات پہلے ہی سے طے تھی۔"

"میں نے دو دن پہلے ہی سے طے کر رکھا تھا۔"

"خوب....!" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "بہر حال وہ خود ہی تم پر عاشق ہو گئی تھی۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر آہستہ سے بولا۔ "قصور تمہارا نہیں تمہارے کٹیلے پن کا ہے۔"

حمید بھنا کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو پیارے بیٹھو! اس وقت تم میری مٹھی میں ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں نہایت آسانی سے پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"ہونہہ.... پھانسی....!" حمید ہذیانی انداز میں ہنس پڑا۔

"اس ہنسی میں دلیری کا اظہار ضرور ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن آج رات شاید ہی تمہیں سونا نصیب ہو سکے۔"

"سونا....!" حمید زیر لب بڑبڑایا اور دفعتاً اس کے ذہن نے پچھلی شام کی دھندلی یادوں کی طرف جست لگائی۔ برانڈی کی بو شعور کی تہوں کو کلبلانے لگی اور پھر ذہن کے تاریک گوشوں میں سونے کا تصور جھلکیاں مارتا ہوا ابھرنے اور ڈوبنے لگا۔

"سونا.... سونا۔" وہ مضطربانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

فریدی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔"

"شاید کچھ سونے کی بات تھی۔" حمید اس طرح بولا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔

"ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ "لیکن اس سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے۔"

"بخدا سونے کی کچھ بات تھی۔"

"بکومت....!" فریدی بگڑ کر بولا۔

"میں نے کیا کیا.... میں نے کیا کیا۔" حمید بے چینی سے ہاتھ مل رہا تھا۔

"تو کیا سچ مچ تمہیں نے۔" دفعتاً فریدی کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا ہو گئے۔

"کیا سچ مچ....؟" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"خراب نہیں ہوا تو اب ہو جائے گا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔"

"ابے او گدھے کچھ بولے گا بھی یا پہیلیاں ہی بجھاتا رہے گا۔"

"میں نے نشے میں دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے کا راز ظاہر کر دیا ہے۔"

"کیوں....؟ کس طرح....!"

"میں نشے میں تھا۔"

"کتنی بار کہو گے کہ تم نشے میں تھے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"سنئے تو سہی.... نشے کی ترنگ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

"ابے اچھی طرح جانتا ہوں.... تم بک بھی چکو۔"

"وہ غالباً گورنمنٹ کی پالیسیوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں مثال کے طور پر یہ بات بتائی کہ دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے کی روانگی کی تاریخ سے عوام واقف نہیں ہوں گے۔ لیکن بہتوں کو یہ بات ضرور معلوم ہو گی کہ دلاور نگر سے سونا آنے والا ہے۔ میں نشے میں تو تھا ہی۔ اس بات پر میں نے ڈاکٹر کو للکار دیا کہ میں تاریخ ہی نہیں بلکہ اس گاڑی کے متعلق بھی بتا سکتا ہوں جس سے سونا لایا جائے گا۔"

"خوب....!" فریدی توجہ سے سن رہا تھا۔

"پھر میں نے انہیں اُس کے متعلق بتا دیا۔"

"کیا بتایا۔"

"تیرہ تاریخ کو سترہ ڈاؤن سے۔"

"تمہیں سو فیصدی یقین ہے کہ تم نے یہی بتایا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... کیا میں نے غلط بتایا۔"

"قطعی غلط بتا دیا۔ وہ سترہ تاریخ اور تیرہ ڈاؤن ہے۔"

"تب تو بڑا اچھا ہوا۔"

"کیا اچھا ہوا؟"

"یہی کہ سچ مچ میں نے انہیں دھوکا دے دیا۔"

"اپنی خیر مناؤ بیٹے۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "بلکہ خیر منانے سے بہتر تو یہ ہو گا کہ تم اُن لوگوں کو تلاش کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا اور فریدی بھی خیالات میں ڈوب گیا۔ اُس کا ذہن بڑی تیزی سے مختلف وقوعوں پر جست لگا رہا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ سردار صفدر ہی تھا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے پوچھا۔

"مجھے سو فیصدی یقین ہے لیکن اب اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں ہے۔"

"ہوں....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "حمید صاحب! اچھا ہی ہوا کہ یہ بات آپ کو یاد آ گئی ورنہ بہت سا وقت بیکار ضائع ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اگر واقعی تم نے اُسے قتل نہیں کیا تو کوئی اور کسی دوسرے اہم مسئلے سے وقتی طور پر ہماری توجہ ہٹانا چاہئے۔"

"سازش....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"یا پھر یہ کہ ہمارا کوئی دشمن ہی ہمیں تنگ کرنا چاہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"لیکن نہیں! مجھے پہلے ہی خیال پر زور دینا چاہئے کیونکہ سونے والی بات محض اتفاقیہ نہیں معلوم ہوتی۔"

"تو آپ کا یہ خیال ہے کہ تیرہ ڈاؤن پر ڈاکہ پڑے گا۔"

"ڈاکہ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا تمہیں وہ ڈاکہ یاد نہیں جو آج سے دو ماہ قبل نو ڈاؤن پر پڑا تھا۔"

"مگر! میرے خیال سے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... لیکن اُس ٹرین سے بھی وافر مقدار میں سونا آ رہا تھا۔"

"ہاں.... مجھے یاد ہے! ڈاکہ ڈالنے والے ناکام رہے تھے۔"

"تم انہیں ناکام سمجھتے ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں؟ کیا سونا محفوظ نہیں رہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ مسافروں کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔"

"لیکن فرزند تم نے کب سے اخبار نہیں دیکھا....؟"

"کیوں....؟"

"وہ سارا سونا خاک ہو گیا۔"

"کب؟ کس طرح؟"

"کل کا اخبار دیکھا تھا۔"

"نہیں....!"

"ہاں کل تو تم بالی کیمپ کی سیر کر رہے تھے۔"

"سونا خاک کس طرح ہو گیا۔"

"آزاد بینک کا ڈیڑھ من سونا خاک ہو گیا اور یہ وہی سونا تھا جو اُسی ٹوڈاؤن سے آیا تھا جس پر ڈاکہ پڑا تھا۔"

"رکھے ہی رکھے خاک ہو گیا۔"

"نہیں! اُسے اینٹوں کی شکل میں ڈھالنے کے لئے پگھلانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن پگھلنے کی بجائے خاک ہو گیا۔"

"ڈیڑھ من سونا۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جناب! اور آپ نے ولاور نگر سے آنے والے سونے کی بھی مٹی پلید فرمانے کی کوشش فرمائی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں آپ کو مطلب سمجھانے کے لئے نہیں پیدا ہوا۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔"

"لیکن خواہ مخواہ بچہ بننے کی خواہش بھی پریشان کئے رہتی ہے۔"

"یہ بات نہیں جب آپ کوئی بات سمجھانے لگتے ہیں تو مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔"

"چاپلوسی بند حمید صاحب! میں آپ کو پھانسی سے نہیں بچا سکوں گا۔"

"پھانسی کی....!" حمید جھنجھلا کر گالی بکتے بکتے رہ گیا۔

"پھانسی کی توہین نہ کرو کہیں اُسے سچ مچ غصہ نہ آجائے۔"

"فریدی صاحب! میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

"جیتے رہو فرزند! کسی عورت کو قتل کر دینے کے بعد جوانمرد ہی ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔"

حمید نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا اور اُٹھ کر اپنی ڈسک پر چلا گیا۔

"بیکار! تمہاری جھلاہٹ تمہیں بے گناہ نہیں ثابت کر سکتی۔ شہزادے صاحب۔" فریدی ہنس کر بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست لکھو۔"

"کیوں....؟"

"جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

حمید درخواست لکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے وہ کاغذ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے درخواست لے کر رکھ لی اور بولا۔

"اب چپ چاپ گھر چلے جاؤ۔"

حمید چند لمحے کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

"کیا تم نے سنا نہیں۔" فریدی سر جھکائے ہوئے بولا۔

"حمید نے بے چوں وچرا موٹر سائیکل اٹھائی اور گھر کی طرف چل پڑا۔ اُس کے ذہن پر سارہ چھائی ہوئی تھی۔ حالانکہ اُس نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی لیکن پھر بھی تصور کی آنکھ اُس کے شوخ چہرے پر غبار آلود چادر دیکھ رہی تھی۔ خفیف سے کھلے ہوئے نرم و نازک ہونٹ جو عموماً خاموشی کی حالت میں کھل جاتے تھے۔ دھندلائی ہوئی آنکھیں۔ وہ آنکھیں، جو سرور کی ہلکی سی لہر پر بھی جگمگا اٹھتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ.... اگر وہ لوگ سازشی ہی تھے تو انہوں نے اُسے کیوں مار ڈالا۔ اگر وہ اُس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی تب بھی اُسے مار ڈالنے کی وجہ؟ پھر اُسے پچھلی باتیں یاد آگئیں.... آخر وہ اُسے کسی ریاست کا پرنس سمجھنے پر کیوں مصر تھی.... ممکن ہے یہ بھی چال رہی ہو! لیکن.... اگر چال تھی تو اُس نے اس کے متعلق ڈائری میں کیوں لکھا؟"

وہ اُن دونوں خطوط کے متعلق بھی سوچ رہا تھا آخر فریدی کے پیڈ کے کاغذ کیونکر حاصل کئے گئے ہوں گے۔ کیا کوئی نوکر بھی اس سازش میں شریک ہے؟ پھر اس کے خیال کی رو سونے

والے معاملے کی طرف مڑ گئی۔ فریدی کے گفتگو کے انداز سے اس نے یہ مطلب اخذ کیا تھا کہ ٹرین پر ڈاکہ ڈالنے والوں نے شاید اصل سونے کی جگہ ایسا سونا رکھ دیا تھا جو حدت سے پگھلنے کی بجائے خاک ہو جانے کی خاصیت رکھتا تھا۔

پھر ایک نیا خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ کہیں یہ سب کچھ اسی لئے تو نہیں کیا گیا کہ فریدی اس قتل میں الجھ جائے اور سازشی اپنی مقصد برازی میں مصروف رہیں.... وہ سوچتا رہا لیکن شہزادے والا معاملہ اس ڈھانچے کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس کیس میں بُری طرح پھنس گیا۔ البتہ ان دونوں خطوط کی موجودگی اُسے تھوڑا بہت اطمینان دلا رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ دستخطوں کے ماہر اصل اور نقل میں بہ آسانی فرق ڈھونڈ لیں گے۔ اس کی دانست میں سازشیوں نے خطوط کا اضافہ کر کے ایک زبردست غلطی کی تھی! اگر کہیں انہوں نے صرف تصویر ہی پر قناعت کی ہوتی تو اس کی گلو خلاصی مشکل ہی تھی۔ حمید کی موٹر سائیکل سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔ بس وہ غیر ارادی طور پر مختلف موڑوں پر اُس کا رخ پھیرتا جا رہا تھا۔ ویسے وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُسے گھر جانا ہے یا کہیں اور.....!

کوؤں کے شکاری

اُسی شام کو کرنل فریدی حمید کے ہونٹوں اور ناک کے نتھنوں کی مرمت کر رہا تھا۔ حمید نے بڑی دیر سے اپنی کھانسی تک روک رکھی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک عمل جاری رہا۔ پھر فریدی نے اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا اور حمید اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔ ہونٹ کافی موٹے نظر آ رہے تھے اور نتھنے پھولے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اُس پر سرخی بھی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شدید نزلے کی شکایت کی بناء پر اُس نے بار بار رومال استعمال کیا ہو۔

"بس اب بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "ہونٹوں اور نتھنوں پر تیل کی قسم کی کوئی چیز نہ لگنے دینا۔ یہ میک اپ مہینوں کے لئے کافی ہے۔"

"بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔"

"اسی لئے کہتا ہوں فرزند کہ عورت کا چکر بُرا ہوتا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"واقعی بُرا ہوتا ہے.... اب دیکھئے نا کہ عورت ہی کے چکروں میں پڑ کر ہم دونوں پیدا ہو گئے۔"

فریدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ یہ نہیں کہ وہ اس جملے پر جھینپ گیا تھا یا اس تذکرہ ہی کو ٹالنا چاہتا تھا۔

"لیکن مجھے کب تک اس طرح رہنا ہو گا۔" حمید نے پوچھا۔

"جب تک کہ معاملات صاف نہ ہو جائیں۔"

"مگر اس طرح تو میں اور زیادہ مشکوک ہو جاؤں گا۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" فریدی شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ تم حشر تک نہ پہچانے جا سکو گے۔ اک ذرا تاریک شیشوں کی عینک لگائے رہا کرنا۔"

"لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری بے عزتی ہو۔" اس نے کہا۔

"بے عزتی کیوں؟"

"اگر تمہیں ایک گھنٹے کے لئے بھی حوالات دیکھنی پڑی تو میرے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔"

"آخر آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ میں پکڑ ہی لیا جاؤں گا۔"

"یہ بھی کوئی پیچیدہ بات ہے؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔ "تم نہایت آسانی سے پکڑ لئے جاؤ گے؟ کیا تم یہ بھول گئے کہ تم نے واقعی اسے قتل نہیں کیا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں پھنسانے ہی کے لئے کیا گیا ہے جو لوگ میرے رائیٹنگ پیڈ کا کاغذ حاصل کر سکتے ہیں، جو تمہارے دستخط بنا سکتے ہیں کیا وہ تمہیں حوالات تک پہنچانے کے لئے کوئی چال نہ چلیں گے۔ شام کے ایک اخبار میں مقتولہ کی تصویر شائع ہوئی ہے۔ اگر فرض کرو اُن آدمیوں میں سے کوئی پولیس کو یہ اطلاع دے دیتا ہے کہ اس نے پچھلی شام کو اسی شکل و صورت کی لڑکی کو تمہارے حلئے کے ایک آدمی کے ساتھ دیکھا تھا تو پھر تم کہاں ہو گے۔ مزید شہادت کے لئے وہ کسی نہ کسی سارہ کے ساتھ والی نرسوں کو بھی پیش کرا سکتے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ میں کہوں چپ چاپ

کرتے چلو! تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈی۔ایس۔پی سٹی سے میرے تعلقات اچھے نہیں۔"

ابھی شاید فریدی نے اپنی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ بیرونی برآمدے میں کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور دوسرے ہی لمحے میں ڈی۔ایس۔پی سٹی دو سب انسپکٹروں اور تین کانسٹیبلوں سمیت ان دونوں کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ ڈی۔ایس۔پی نے چاروں طرف دیکھا۔

"سرجنٹ حمید کہاں ہے۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"وہ تو بعد کو بتاؤں گا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "آپ یہ بتائیے کہ اس کمرے تک کس طرح پہنچے۔"

"میں سرجنٹ حمید کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

"میں آپ کو شریفوں کی طرح رہنے کا سلیقہ سکھانے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"کسی کے گھر داخل ہونے کا یہ طریقہ نہیں۔"

"آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟" ڈی۔ایس۔پی بگڑ کر بولا۔

"ایک قانون شکن سے جو خود کو قانون کا محافظ کہتا ہے۔"

ڈی۔ایس۔پی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ غصے کی بات بھی تھی۔ فریدی نے اُس کے ماتحتوں کے سامنے اُسے اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا وہ اندر ہی اندر بُری طرح کھول رہا تھا اور فریدی یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی محنت جو اس نے حمید کے میک اپ پر صرف کی ہے بیکار نہیں گئی۔ حمید نے بھی اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کر لئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس غیر متوقع گفتگو پر شدت سے متحیر ہو۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ سرجنٹ حمید کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم! لیکن یہ طریقہ....!"

"طریقے وریقے کو فی الحال الگ رکھئے۔" ڈی۔ایس۔پی سرد لہجے میں بولا۔ "میرے پاس اس کا وارنٹ گرفتاری ہے۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔ "کیوں؟"

"ایک نرس کے سلسلے میں اُسے مشتبہ سمجھا گیا ہے۔"

"اوہ.... لیکن....؟" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا! آہستہ آہستہ اس کے چہرے سے

جھنجھلاہٹ کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے اور ڈی۔ایس۔پی کے ہونٹوں پر ایک تنفر آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"کیا آپ صبح موقع واردات پر نہیں تھے؟"

"تھا کیوں نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن حمید....!"

"کیا نرسوں نے آپ ہی کے سامنے شاہد کا حلیہ نہیں بیان کیا تھا۔"

"کیا تو تھا.... لیکن.... محض اس بناء پر حمید ہی کیوں.... لیکن ٹھہرئیے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اُس کے ماتھے پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں ہو۔ ڈی۔ایس۔پی اُسے گھورتا رہا پھر چند لمحوں کے بعد بولا۔

"میرے پاس وقت کم ہے۔"

"بات یہ ہے کہ میں بھی فکر میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آج دوپہر کو ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست میرے حوالے کر کے سعید آباد چلا گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"اس نے تو مجھ سے یہ کہا تھا کہ وہاں اس کا کوئی قریبی عزیز سخت بیمار ہے۔"

"ہوں.... عزیز کا پتہ۔"

"پتہ اُس نے نہیں بتایا۔"

ڈی۔ایس۔پی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"میں اس گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"شوق سے.... لیکن ہر کام قانون کے اندر رہ کر ہو گا۔" فریدی بولا۔

"یعنی....!"

"تلاشی کا وارنٹ دکھائیے۔ دو گواہوں کی بھی ضرورت پیش آئے گی.... اور آپ تو خیر اپنی جامہ تلاشی کی اجازت تو دے ہی دیں گے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" ڈی۔ایس۔پی غرایا۔

ایک سب انسپکٹر فریدی کے دو پڑوسیوں کو بلا لایا۔ پھر دوسری کاروائیوں کے بعد ڈی۔ایس۔پی تلاشی شروع کرنے ہی جا رہا تھا تو فریدی نے اُسے روک کر کہا۔

"ٹھہریئے! ایک بنیادی غلطی کی تلافی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس وقت تلاشی قطعی غیر قانونی سمجھی جائے گی۔"

"کیا مطلب....!"

"آپ لوگ میری نادانستگی میں اندر داخل ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے آتے وقت خود ہی کوئی مشتبہ چیز کہیں ڈال دی ہو تو۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

"قاعدے کی بات میں نے کہہ دی۔ اب جیسا آپ کا دل چاہے.....!"

"آپ سرکاری کام میں حارج ہو رہے ہیں۔"

"جی نہیں! میں نے صرف ایک قانونی نکتہ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں ضرور تلاشی لوں گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی پیر پٹخ کر بولا۔

"یوں تو آپ اس عمارت میں آگ بھی لگا سکتے ہیں.... حاکم ٹھہرے۔"

"مسٹر فریدی آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"جی نہیں میں آپ کو بھی حد ہی میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تلاشی لی جائے گی۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں آپ کو روکتا تو نہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور سگار سلگانے لگا۔

دو گھنٹے کی عرق ریزیوں کے باوجود بھی ڈی۔ ایس۔ پی کوئی ایسی چیز برآمد نہ کر سکا جس کی بناء پر حمید قانون کی مزید گرفت میں آ سکتا۔

وہ تھک ہار کر پھر اُسی کمرے میں آ گیا جس میں اُس نے فریدی اور حمید کو چھوڑا تھا۔

"اگر آپ رات کو کھانا میرے ہی ساتھ کھائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور عمارت میں اپنے وزنی جوتوں کی گونج پیدا کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ دونوں گواہ بھی پولیس والوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے تھے۔

"کیوں! حمید صاحب! اب کیا خیال ہے۔" فریدی اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"خدا کی قسم اگر آپ کا تعلق سٹیج سے ہوتا تو سارے ملک میں آپ کی اداکاری کا ڈنکا بج جاتا۔"

"اسٹیج پر ڈنکا نہیں طبلہ بجتا ہے.... اب چھوڑو یہ باتیں۔ ہوٹل ڈی فرانس میں تمہارے انتظام کر دیا گیا ہے.... دفع ہو جاؤ۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن....!"

"عجیب آدمی ہو.... میں کہتا ہوں اب چپ چاپ چل دو۔ ہوٹل ڈی فرانس میں کمرہ نمبر
تمہارا نام سعید جو ہے اور تم ایک کشمیری سیاح ہو۔ کشمیر میں تمہاری جاگیر ہے۔"

"اور میں عموماً جاگیر ہی میں انڈے دے دیا کرتا ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تم یہ مت سمجھو کہ تمہیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس ایک
چھٹی کے منٹ منٹ کا حساب لے لوں گا۔"

"یعنی....!"

"تمہیں اُن چار شکاریوں پر نظر رکھنی ہے۔"

"کون سے چار شکاری۔"

"وہی، جو شہر میں کوے مارتے پھرتے ہیں۔"

"اور میں اُن کے پیچھے مکھیاں مارتا پھروں گا۔"

"اگر نہیں پھرو گے تو پھر پھانسی کا تختہ.....!"

"کیا مطلب.... بھلا ان کا اس معاملے سے کیا سروکار۔"

"ایک شبہ ہے۔"

"کیا....!"

"تم جانتے ہو کہ ابھی میں اس کا اظہار نہیں کروں گا۔"

"چلئے! میں پوچھتا ہی نہیں۔" حمید بولا۔ "ویسے میں خود انہیں اور ان کی کمپنی کو سرے سے
سمجھتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"اگر میں فی الحال بتانا مناسب نہ سمجھوں تو!" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"انہوں نے شہر میں کوے مارنے کا اجازت نامہ بلدیہ سے حاصل کیا ہے۔" فریدی بولا۔

"مجھے ایسے اجازت ناموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حکومت نے ایک بار ان دو ڈاکٹروں کی

بھی تو مدد کی تھی جو آدمی کو کتوں کی سی قوت عطا کر دینے کا دعویٰ کرتے تھے[1]۔ کیا یہ نیا ڈھونگ بھی اسی قسم کا نہیں ہے۔ ہو نہ ہو کوے کے پروں سے کاغذ بنائیں گے۔ بھلا وہ کاغذ کس کام آئے گا۔"

"وہ بیک وقت کاغذ بھی ہوگا اور کپڑا بھی۔ اُس سے نہایت عمدہ قسم کے پیراشوٹ بنائے جاسکیں گے۔"

"اور وہ پیراشوٹ!" حمید ہنس کر بولا۔ "ہوا بازوں کو نیچے لانے کی بجائے اوپر لے جائیں گے۔"

"اچھا تو تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو۔"

"جی نہیں! میں نہایت سنجیدگی سے عرض کر رہا ہوں۔"

اسے سارہ کی موت یاد آگئی اور اس پر پھر پہلی سی دل گرفتگی کے آثار طاری ہونے لگے۔ مگر سوال اب بھی اُس کے ذہن میں چبھ رہا تھا کہ ان شکاریوں سے اس معاملے کا کیا تعلق؟ فریدی سے اُس کی توقع نہیں تھی کہ وہ بات کو اسی وقت صاف کر دے گا۔ بہر حال اُس نے سنجیدگی سے اس مسئلے کو کریدنا شروع کر دیا۔

"ذرا یہ تو سوچئے کہ وہ کاغذ یا کپڑا مہنگا کس قدر پڑے گا۔"

"مہنگا.... بھلا مہنگا کیوں پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی، کیا آپ کی نظر کارتوسوں کی گرانی پر نہیں۔ یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ ایک ہی فائر میں ایک کوا بھی مار لیں! لہٰذا یہ کتنا مہنگا پڑے گا یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

فریدی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

حمید اس مسئلے پر اپنے نکتہ نظر سے کچھ اور بھی روشنی ڈالنا چاہتا تھا فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کوے کا شکار آسان نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں کوشش کروں تو پانچ کارتوس برباد کرنے کے بعد بھی شاید کامیاب نہ ہو سکوں۔"

"خیر وہ تمہاری طرح احمق نہیں ہیں۔ اگر وہ بندوق ہی سے کووں کا شکار کرتے ہوتے تو انہیں پاگل خانے بھجوا دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"پھر....؟"

"کیا کبھی شکار کے دوران میں تمہیں کووں کے جھنڈ کا سامنا کرنا پڑا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "احمقوں کا چکر" جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

"میاں صاحب زادے! جہاں تم نے ایک فائر کیا! کوے تمہارے ساتھ ہو لئے وہ آگے آگے اور تم ان کے پیچھے بعض اوقات تو کم بخت چیخ چیخ کر شکار کا سارا مزا کر کرا دیتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل کووں کی اسی عادت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جہاں انہوں نے بستی میں دو ایک فائر کئے ان کے ساتھ ہو لئے۔ اس طرح یہ لوگ ان کووں کو بستی کے باہر ایک جگہ ہنکا لے جاتے ہیں جہاں انہوں نے پہلے ہی سے بڑے بڑے جال لگائے ہیں وہ دراصل کوے پھنساتے ہیں مارتے نہیں! میونسپل ایریا میں بندوق چلانا منع ہے اسلئے انہوں نے خاص طور پر اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔"

"لیکن سارہ کے قتل سے ان کا کیا تعلق ہے۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔ مگر اسے مایوسی ہوئی۔ وہ سمجھتا تھا شاید فریدی باتوں کی رو میں کچھ نہ کچھ ضرور اگل دے گا۔

"ایک بار کہہ دیا کہ میں ابھی اسے واضح نہیں کرنا چاہتا کیونکہ فی الحال میں قیاسات ہی کے اسٹیج میں ہوں۔"

"چلئے قیاس ہی سہی۔" حمید بولا۔

"فضول ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اب جاؤ۔"

حمید ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ بھر اس کا ذہن ان شکاریوں اور ان کی کمپنی میں الجھا رہا، جو ایک نئی ایجاد کے سلسلے میں حکومت اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ چاروں شکاری بجائے خود اپنی کمپنی کی اچھی خاصی پبلسٹی تھے جس وقت وہ اعلیٰ قسم کے شکاری سوٹ میں ملبوس کاندھوں پر بندوقیں لٹکائے شہر میں داخل ہوئے تو ان کے گرد اچھی خاصی بھیڑ لگ جاتی۔ وہ چاروں کافی وجیہہ اور مضبوط ہاتھ پیر والے تھے۔ تعلیم یافتہ بھی معلوم ہوتے تھے۔ عوام سے گفتگو کرتے وقت ان کے لہجوں میں حد درجہ شائستگی اور ملائیت ہوتی تھی۔ کالجوں کے بعض منچلے طلباء انہیں راہ چلتے روک کر کسی قریبی ریستوران میں چائے کے لئے مدعو کرتے اور وہ ان کی دعوت خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے اور پھر چائے کے دوران میں اپنی کمپنی کی اسکیم کی تفصیلات کے بارے میں بتاتے۔ شروع شروع میں محکمہ سراغ رسانی کے بعض افراد نے انہیں شک کی نظروں سے دیکھا تھا لیکن آخر کار انہیں بھی اپنی رائے بدل دینی پڑی۔ اخبارات نے بھی اُن کے متعلق بہت کچھ لکھا تھا۔ کسی نے اس اسکیم کا مضحکہ اڑایا تھا اور کسی نے اسے "ترقی کی طرف ایک اور قدم" سے تعبیر کیا تھا۔ بہر حال جتنے منہ اتنی باتیں۔ البتہ حکومت

کی امداد کا انحصار اسکیم کی کامیابی پر تھا۔

جھڑپ

دوسرے دن کے اخبارات میں حمید کی فراری کا حال بڑی بڑی حاشیہ آرائیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ بات معمولی نہیں تھی۔ ایک ایسے آدمی پر قتل کا الزام عائد کیا گیا تھا جس نے قانون کی محافظت کے سلسلے میں کئی بار موت کا سامنا کیا تھا۔

ایک اخبار میں حمید اور سارہ کی تصاویر بھی چھپی تھیں۔ حمید نے جب یہ تصویریں دیکھیں ت سکتے میں آگیا۔ اُسے کوئی ایسا موقع یاد نہ آیا جب اُس نے سارہ کے ساتھ کوئی تصویر کھنچوائی ہو۔ تصویر کھنچوانے کے مسئلے پر وہ ہمیشہ بدکتا رہتا تھا۔ اس نے آج تک کسی عورت کے ساتھ تصو نہیں کھنچوائی تھی۔ اس تصویر کو دیکھ کر اُسے سچ مچ یقین آگیا کہ سارہ سازشیوں سے ملی ہوئ تھی۔ .. کیا وہ خود بھی اُس سازش سے بے خبر تھی۔ کیا اُن سازشیوں نے محض سونے کی روانگ کے بعد اُسے اس لئے قتل کردیا کہ کہیں یہ بات ظاہر نہ ہوجائے۔

حمید انہیں خیالات میں اُلجھا ہوا سڑکیں ناپ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ پبلک میں ا چہ میگوئیاں بھی سنتا جارہا تھا۔ ایک جگہ تو اُسے بیساختہ ہنسی آگئی۔ ایک صاحب ایک مج میں فرما رہے تھے۔ "ارے صاحب میرے خیال سے تو وہ جاسوس بھی کوئی ڈاکو ہی تھا۔ ارے آپ ہنستے ہیں.... جناب والا.... کیا نام تھا اس کا.... بہرام ڈاکو.... بہرام ڈاکو ہمیشہ پولیس آفی کے بھیس میں رہا کرتا تھا.... اس کی اصلی صورت سے کوئی واقف ہی نہیں تھا۔"

اس پر ایک طالب علم ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "بہرام کا وجود نہیں تھا.... بہرام دراص لیبلانک کے ناولوں کے ایک ڈاکو آرسین لوپن کا اردو ترجمہ ہے۔"

وہ صاحب بگڑ کر بولے۔ "چلئے یہ ایک ہی رہی۔ آپ بچے ہیں کیا جانیں میاں میں نے ا دادا کی زبانی سنا تھا! اُن سے بہرام کا بڑا یارانہ تھا۔ وہ دلی میں کوتوال تھے۔ آپ شاید یہ بھی نہ جا ہوں کہ بہرام تھا کون۔ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ خیر تمہیں تو یہ بھی ہوائی ہی معلوم ہوگی۔ تمہارا نہیں انگریزی تعلیم کا قصور ہے۔ بہرام دراصل بہادر شاہ ظفر کا پڑپوتا تھا۔ انگریزوں

تقام لینے کے لئے ڈاکو بن گیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ خود بہادر شاہ ظفر ہی بہرام تخلص کرتے تھے۔" طالب علم نے ہنس کر کہا۔

حمید دل ہی دل میں قہقہے لگاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ اس وقت دراصل اُن چاروں شکاریوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ اس نے آج تک فریدی کے قیاسات کو قیاسات ہی کی حدود میں نہیں دیکھا تھا۔ اُس کے شبہات عموماً حقیقت ہی ثابت ہوئے تھے۔

دفعتاً اُسے کوؤں کا شور سنائی دیا! بیشمار کوے فضا میں منڈلا رہے تھے وہ سب ایک عمارت پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد شکاری دکھائی دیئے۔ اُن میں سے ایک نے فائر کیا۔ کوے پھر شور مچاتے ہوئے اُڑے۔ حمید بھی ان دونوں کے پیچھے ہولیا۔ کوے تھوڑی دور اڑنے کے بعد کسی عمارت یا درخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جیسے ہی وہ دونوں شکاری اُن کے نزدیک پہنچتے پھر اڑ کر شور مچانے لگتے تھے۔ اس طرح وہ شکاری انہیں بستی کے باہر نکال لائے۔

یہاں پہنچ کر ان شکاریوں نے اپنی بندوقیں جھاڑیوں میں ڈال دیں اور خود ایک سائے دار درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ انہوں نے حمید کو دیکھ لیا تھا اور ان کے چہروں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسی کسی ایسے میزبان کے چہرے پر ہوتی ہے جو ایک معزز مہمان کے استقبال کا شرف حاصل کررہا ہو۔

حمید نے ایک درخت پر گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے لٹکے ہوئے دیکھے جن کے گرد بے شمار چیلیں منڈلا رہی تھیں۔ کوؤں کا جھنڈ اُن پر ٹوٹ، پڑا۔

"اِدھر آجائیے۔" ایک شکاری نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید چپ چاپ اُن کے پاس جاکر بیٹھ گیا جس درخت کے نیچے وہ لیٹے ہوئے تھے اُس کے تنے سے ایک موٹی سی ڈور لٹک رہی تھی جس کا سلسلہ اوپر ہی اوپر دوسرے درخت سے جاملا تھا۔ جہاں گوشت کے لوتھڑے نظر آرہے تھے۔

"کیا آپ لوگوں کا تعلق اُس کمپنی سے ہے جو پروں سے....!"

"جی ہاں....!" ایک شکاری بولا۔ "آپ شاید یہاں اجنبی ہیں۔"

"کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"شروع میں ہمارے ساتھ ایک جم غفیر ہوا کرتا تھا لیکن اب یہ چیز لوگوں کے لئے نئی نہیں

رہی۔ پھر بھی باہر سے آنے والے اب بھی اکثر ہمارے ساتھ ہو لیتے ہیں۔"

"میں نے اخبارات میں آپ لوگوں کی اسکیم کے بارے میں پڑھا تھا۔" حمید بولا۔

شکاری خاموش ہو کر اس درخت کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس طرح بہتیری چیلیں اور دوسرے گوشت خور پرندے بھی پھنس جاتے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں بعد کو ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے ایک گدھ عنایت کریں گے۔" حمید بولا۔

"گدھ.... بھلا گدھ کیا کیجئے گا۔" ایک شکاری سنجیدگی سے بولا۔

"آپ ہنسیں گے۔" حمید نے احمقانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں قطعی نہیں۔" شکاری نے یقین دلایا۔

"آدمی کی بعض خواہشات بڑی احمقانہ ہوتی ہیں۔" حمید بولا۔ "بچپن ہی سے میری ب خواہش رہی ہے کہ میں ایک گدھ پالوں لیکن میری یہ خواہش آج تک نہ پوری ہو سکی۔"

دوسرا شکاری جو اونگھ رہا تھا یہ بات سن کر اٹھ بیٹھا اور حمید کو تضحیک آمیز نظروں سے دیکھ ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی آپ کا دولت خانہ کہاں ہے۔"

"دولت خانہ۔" حمید نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا "میں کوئی مہاجن نہیں ہوں خطہ کشم میرا وطن ہے اور ایک چھوٹا موٹا زمیندار۔"

"خیر نہ آپ چھوٹے ہیں اور نہ موٹے۔ لیکن زمیندار ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ خیر جناب آپ کی خواہش ضرور پوری کر دی جائے گی۔"

"حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ایک ٹرک آ کر اُن کے قریب رک گیا۔ ا نشست پر صرف ایک آدمی تھا جو صورت سے پیشہ ور ڈرائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایک شکا نے اٹھ کر درخت کے تنے سے لٹکتی ہوئی ڈور کا سرا کھینچ لیا اور پھر بے شمار پرندوں کے پروں پھڑپھڑاہٹ اور اُن کی چیخوں سے فضا مکدر ہو گئی۔

درخت پر پھیلا ہوا جال پرندوں سمیت لڑھکتا نیچے آ رہا۔ بہت کم پرندے جال کی زد نکل پائے تھے۔ دونوں شکاری اٹھ کر جال کی طرف لپکے۔ حمید بھی اُن کے پیچھے دوڑا۔ شاید

بھی اُس کے لئے ایک بالکل ہی نئی قسم سے تعلق رکھتا تھا۔ ٹرک پر آیا ہوا آدمی بدستور اپنی پر بیٹھا رہا۔

جال میں کوؤں کے علاوہ چند چیلیں بھی تھیں اور دو ایک گدھ بھی۔ بقیہ پرندے ابھی تک مچاتے ہوئے اُس درخت کے گرد منڈلا رہے تھے۔ حمید بھی شکاریوں کے ساتھ جال پر جھک اور جب وہ اُسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے اس نے ان میں سے ایک کی جیب سے اس کا س اڑا لیا۔

اُن دونوں کو اُس کی خبر تک نہ ہوئی لیکن ٹرک میں بیٹھا ہوا آدمی اس کی حرکت دیکھ رہا تھا۔ د نے پہلے ہی یہ بات محسوس کر لی تھی کہ وہ اُس آدمی کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور حقیقتاً اسی چیز نے اُسے اس حرکت پر اکسایا تھا۔

اُس نے اُن دونوں کو جال اٹھانے میں مدد دی اور اُن کے ساتھ ٹرک تک آیا۔ جال پرندوں یت ٹرک پر ڈال دیا گیا۔

"شکریہ۔" ایک شکاری حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "آپ ہمیں اپنا ایڈریس دے دیں گدھ نچا دیا جائے گا۔"

"ہوٹل ڈی فرانس! کمرہ نمبر تیرہ.... اور میرا نام سعید جو ہے۔"

"اُف فوہ۔" ڈرائیور بولا۔ "تو آپ کشمیری ہیں! لیکن لب ولہجہ کشمیریوں جیسا نہیں ہے۔"

"میں عرصے تک اس صوبے میں رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن افسوس کہ اس کے باوجود بھی آپ شریف سوسائٹی کے قابل نہیں بن سکے۔"

"کیا مطلب....!" حمید بگڑ کر بولا۔

"پرس نکالو....!" ڈرائیور نے گرج کر کہا۔

حمید بے تحاشہ مخالف سمت میں بھاگنے لگا۔

"ٹھہرو! ورنہ گولی مار دوں گا۔" ڈرائیور نے للکارا۔ اس نے سچ مچ ریوالور نکال لیا تھا۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور رک گیا۔ ڈرائیور ٹرک سے اُتر آیا تھا۔

"ادھر آؤ....!" اس نے گرج کر کہا۔

حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن ڈرائیور اس بات سے

قطعی لاپرواہ تھا کہ دوسرا لمحہ خود اُس کے لئے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ حمید ان سے تین قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

"اپنا پرس نکالو اس کے جیب سے۔" ڈرائیور نے ایک شکاری سے کہا۔

اب شکاری نے گھبرا کر اپنی جیبیں ٹٹولیں اور بے اختیارانہ انداز میں حمید پر جھپٹا۔

دفعتاً حمید چیخ مار کر زمین پر گر پڑا اور پھر ڈرائیور کو یہ تک سمجھنے کی مہلت نہ ملی کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے کس طرح نکل گیا۔

دوسرے لمحے میں حمید ان کی طرف ریوالور تانے انہیں ٹرک کے پاس سے ہٹا رہا تھا۔

"تمہاری جیبوں میں جو کچھ بھی ہو نکال کو زمین پر ڈال دو۔"

دونوں شکاری سراسیمگی کا شکار ہو گئے تھے۔ البتہ ڈرائیور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ دونوں اپنی بندوقیں بھی ٹرک میں رکھ چکے تھے۔ اس لئے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ حمید کے حکم کی تعمیل کرتے۔ بادلِ ناخواستہ انہوں نے اپنی جیبوں سے وہ سب کچھ نکالا جو نقدی کی شکل میں تھا۔

"داہنی طرف منہ کرو۔" حمید گرج کر بولا۔

زمین پر پڑا ہوا مال غنیمت سمیٹتا ہوا وہ پھر للکارا۔ "چل پڑو.... چلتے جاؤ.... مڑ کر دیکھا اور موت نے چپت لگائی۔ شاباش.... لفٹ رائٹ.... لفٹ رائٹ.... لفٹ.... لفٹ!"

اور جب وہ بیس پچیس گز آگے بڑھ گئے تو وہ اچھل کر ٹرک میں آ بیٹھا۔

وہ تینوں گالیاں بکتے ہوئے ٹرک کے پیچھے دوڑ رہے تھے لیکن اب حمید کو پانا آسان کام نہیں تھا شہر کے قریب پہنچ کر اس نے ٹرک چھوڑ دیا اور پیدل چل پڑا۔

وہ جلد سے جلد کیفے ڈی فرانس کی رہائش ترک کر دینا چاہتا تھا کیونکہ اس حلیہ میں اس نے خود کو مشکوک بنا لیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ اس واقعے کی رپورٹ ضرور کریں گے۔

ہوٹل ڈی فرانس پہنچ کر اُس نے حساب بے باق کیا اور ایک ویٹر کو بند گاڑی لانے کی ہدایت دیتا ہوا پھر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس کا کل سامان ایک بستر اور ایک سوٹ کیس پر مشتمل تھا پندرہ منٹ بعد ویٹر واپس آ گیا۔ حمید نے سامان اُس سے بھجوا دیا وہ دراصل اس فکر میں تھا کہ گاڑی والے کی نظر اُس پر نہ پڑنے پائے۔

تھوڑی دیر بعد بند گھوڑا گاڑی شہر کے پُر رونق حصوں سے گذر رہی تھی اور حمید اندر بیٹھا اطمینان سے اپنے چہرے پر ملائم اور گھونگھریالے بال چپکانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اس صفائی سے گاڑی میں داخل ہوا تھا کہ کوچوان کی نظر اس پر نہیں پڑ سکی تھی اور سیٹ پر بیٹھتے ہی اُس نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا تھا اور اندر ہی سے اس کوچوان کو نیاگرا ہوٹل کی طرف چلنے کو کہا تھا۔ نیاگرا ہوٹل شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا۔ مناظر فطرت کے رسیا عموماً وہیں قیام کیا کرتے تھے۔ لیکن ہوٹل اتنا مہنگا تھا کہ عام آدمی وہاں ناشتہ کرنے کی ہمت بھی شاذ و نادر ہی کیا کرتے تھے۔ حمید نے اس ہوٹل کا نام محض اس واسطے لیا تھا کہ وہ شہر سے دور تھا۔ اس طرح دوران سفر میں اُسے اتنا وقت مل جاتا کہ وہ فریدی کے میک اپ پر ایک دوسرا میک اپ بہ آسانی کر سکتا تھا۔

اس نے آئینے پر آخری اور تنقیدی نظر ڈالی۔ سیاہ رنگ کی گھونگھریالی ڈاڑھی میں اس کا چہرہ عجیب لگ رہا تھا۔ اس نے تاریک شیشوں کی عینک آنکھوں پر جماتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور پھر سیٹ کی پشت سے ٹک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ نیاگرا ہوٹل ہی میں ٹھہرتا۔ یہاں تک تو وہ محض لئے آیا تھا کہ اپنی شکل اطمینان سے تبدیل کر سکے۔ اگر نیاگرا ہوٹل میں اُسے کوئی کمرہ نہ بھی ملتا تو وہ پھر شہر واپس جا سکتا تھا۔ لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کمرہ بہ آسانی مل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کو فون کر رہا تھا۔

"سعید جو بول رہا ہے.... فی الحال نیاگرہ کے چالیس نمبر میں قیام ہے۔ وجہ پھر بتاؤں گا.... جی.... نہیں بتاتا.... ضروری بات! اگر اُن چاروں میں کوئی کوتوالی میں رپورٹ لکھائے تو.... الو کے پٹھے کو مطلع کر دیجئے گا۔"

فریدی وجہ پوچھتا ہی رہ گیا لیکن حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اُس نے کمرہ بند کر کے اطمینان سے لوٹی ہوئی رقم کا جائزہ لیا۔ کل دو سو ستائیس روپے تھے۔ نیاگرہ میں دو تین دن قیام کرنے کے لئے یہ رقم کافی ہی نہیں بلکہ بہت تھی۔ چار بجے فریدی نے اسے فون پر کال کیا۔ اُس نے بتایا کہ شکاریوں نے اپنے لٹنے کی رپورٹ پولیس کو دی ہے۔ آدمی جس نے خود کو کشمیری ظاہر کیا تھا۔ انہیں لوٹ کر چلتا بنا۔

"دیکھئے....!" حمید بولا۔ "آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ اس معاملے کو اختتام تک پہنچائے

بغیر اپنے اوپر کاہلی مسلط نہ ہونے دوں گا۔"

"اب کیا سوچ رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کچھ نہیں حالات کا منتظر ہوں۔"

"اطلاعات دیتے رہنا۔"

"اگر ضروری سمجھا تو....!"

"کیڑے زیادہ نہ کلبلائیں تو بہتر ہے۔" فریدی کا تلخ لہجہ سنائی دیا۔

"میں نکما نہیں ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے جھلائی ہوئی آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے فون پر ہیڈ ویٹر کو اطلاع دی کہ وہ ناشتہ ڈائننگ روم ہی میں کرے گا۔

شام کا لباس پہن کر وہ نیچے آیا۔ وہ ہر ہر قدم پر رک کر کچھ سوچنے لگتا تھا۔ پھر اچانک اُس نے اپنی رفتار تیز کر دی اور ڈائننگ روم ہی میں آ کر دم لیا۔ اس کی صورت تو فلسفیوں جیسی ہو ہی گئی تھی اب وہ اپنے حرکات و سکنات سے بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ سو فیصدی فلسفی ہے۔

لیکن یہاں پہنچتے ہی اچانک اس پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ کیبن نمبر آٹھ میں چاروں شکاری چائے پی رہے تھے۔ وہ آہستہ سے ایک طرف ہٹ گیا لیکن نمبر سات خالی تھا۔ اس وقت جلت یہی تقاضہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسی کیبن میں جا کر بیٹھ جائے۔

بیٹھتے ہی اس نے گھنٹی بجائی۔ ویٹر نے ناشتے کا سامان میز پر لگا دیا۔

حمید کے کان کیبن نمبر آٹھ کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"ٹرک کہاں ملا تھا۔" اُن میں سے کسی نے پوچھا۔

"باٹم روڈ کے چوراہے پر۔"

"تم دونوں خاصے اُلو ہو۔"

"بھلا ہم کیا جانتے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ اس قسم کے لوگ ہمارے پیچھے لگے ہی رہا کرتے ہیں۔"

"خیر.... بہر حال یہ اچھا کیا کہ رپورٹ کر دی۔"

"اور سنئے اُس نے اپنا پتہ حقیقتاً صحیح بتایا تھا۔ میں نے ہوٹل ڈی فرانس میں پتہ لگایا ہے لیکن

ہمارے پہنچنے سے دو گھنٹے قبل ہی جا چکا تھا۔ بہر حال پولیس اب اُس گاڑی والے کی تلاش میں ہے، جو اُسے وہاں سے لے گیا تھا۔"

حمید نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے میک اپ کر چکنے کے بعد گاڑی کی کھڑکیاں کھول کر غلطی کی تھی اُسے کوچوان کے سامنے تو آنا ہی نہ چاہئے تھا۔ اگر وہ چاہتا تو نیاگرا ہوٹل پہنچنے پر بھی خود کو کوچوان کی نظروں سے بچا سکتا تھا۔

جال

اس نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو اُس گاڑی بان کے متعلق فون کر دے کہ وہ اُسے پولیس کے ہتھے نہ چڑھنے دے۔ گاڑی کا نمبر اُسے اچھی طرح یاد تھا اور یہ بھی محض اتفاق تھا ورنہ نمبر دیکھنے یا یاد رکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تو اتفاقاً اُس کی نظر نمبروں پر پڑ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے یہ یاد آ گیا تھا کہ اُس کی بیمہ کی پالیسی کا بھی یہی نمبر ہے۔ اس طرح گاڑی کا نمبر اُسے یاد رہ گیا تھا۔

حمید نے فون کا ریسیور اٹھا کر پھر رکھ دیا۔

اس کے ذہن میں ایک نئی چال اُبھر رہی تھی۔ تین چار منٹ تک اُس کے چہرے پر کچھ عجیب سے آثار دکھائی دیتے رہے پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "فون تو کر ہی دینا چاہئے۔"

اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ لیکن فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی انگلی فون کے ڈائیل پر گھومنے لگی۔

"ہیلو.... انسپکٹر جگدیش.... اوہ تو اچھا تم ہی ہو.... میں فریدی بول رہا ہوں.... کہو وہ گاڑی ملی یا نہیں۔"

"کون سی! دوسری طرف سے آواز آئی۔"

"اماں وہی کشمیری والا کیس۔"

"جی نہیں.... ابھی نہیں ملی.... لیکن آپ....!"

"ہاں میں اس میں تھوڑی بہت دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "دیکھو اگر وہ مل بھی جائے

تو اس کی رپورٹ پر فی الحال عمل درآمد نہ کرنا۔"

"بہت بہتر.... لیکن....!"

"لیکن یہ کہ تم ہمیشہ احمق رہو گے۔ ارے بھائی جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

"بہت بہتر۔"

ریسیور رکھ کر حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن وہ اب بھی یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فرید اور جگدیش کی ملاقات نہ ہو جائے۔

"اونہہ....!" اُس نے سر جھٹک کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور ایک ریوالور نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ زینے طے کر کے ڈائننگ ہال کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے ان چاروں شکاریوں کو ہال سے اٹھ کر باہر جاتے دیکھا اور تھوڑے فاصلے سے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بیرونی پارک کی طرف جا رہے ہیں۔

پارک میں پہلے سے بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ حمید ان چاروں سے زیادہ دور نہ ہونے کی بناء پر ان کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔

"لو یار....!" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "بعض اوقات میں واقعی حماقت کر بیٹھتا ہوں۔ باتوں کی رو میں کار سے انجن کی کنجی تک نہیں نکالی۔"

"اور دوسری حماقت مجھ سے سن لو۔" دوسرا آدمی بولا۔ "تم نے کار قطعی غلط جگہ کھڑی کی ہے۔ اس وقت میں نے تمہاری دل شکنی کے خیال سے تمہیں ٹوکا نہیں۔ نیاگرا میں آنے والی کاریں عموماً گیرج میں کھڑی کی جاتی ہیں، لیکن تم باہر ہی چھوڑ آئے ہو۔"

"اونہہ! چھوڑو بھی سب چلتا ہے۔" تیسرے نے کہا۔

چاروں ایک بنچ پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگے۔

گیرج عمارت کی پشت پر تھا۔ وہ کافی طویل اور تقریباً چالیس پچاس حصوں پر مشتمل تھا۔ ہر حصے پر نمبر پڑے ہوئے تھے اسے ایک چوکیدار کنٹرول کرتا تھا۔ جب بھی کوئی کار اس طرف آتی چوکیدار حصے روشن کر دیتا۔ اس کے سامنے ایک چارٹ ہوتا تھا جس پر وہ خالی اور بھرے حصوں میں نشانات لگایا کرتا تھا۔ بہرحال گیرج کو کنٹرول کرنے کا طریقہ سائنٹیفک اور بالکل نیا تھا۔ ورنہ

ابڑا گیراج ایک چوکیدار کے بس کا روگ نہیں تھا۔

شکاریوں کی گفتگو سننے کے بعد حمید چپ چاپ وہاں سے کھسک گیا۔ گیرج سے تھوڑے صلے پر اُسے بادامی رنگ کی ایک کار کھڑی دکھائی دی۔ اُس نے اندر جھانک کر دیکھا تالے میں جی لگی ہوئی تھی۔ وہ کار کو اسٹارٹ کر کے گیراج کے قریب لایا۔ چوکیدار نے ایک حصے کے نمبر شن کر دیئے اور حمید نے کار اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ پھر اُس نے انجن کھول کر اُس پر دست فقت پھیرا لیکن کنجی بدستور لگی رہنے دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر پارک میں آ گیا۔ چاروں شکاری اب بھی اسی بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے اور ید بے چینی سے اُن کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اُسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اٹھ کر گیرج کی طرف چلے حمید تھوڑے صلے سے اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ اندھیرا کافی پھیل گیا تھا اور گیرج کے آخری سرے والے کیمپ سٹ کی روشنی پورے حصے کو روشن کرنے کے لئے کافی نہیں تھی۔ شاید وہ چاروں کار کو اس جگہ پاکر متحیر تھے۔ آخر کار چوکیدار نے اُن کی رہنمائی کی لیکن انہیں اُس کی زبانی یہ سن کر حیرت دی کہ کسی ایسے آدمی نے کار کو گیرج میں پہنچایا تھا جو اُن میں سے نہیں تھا۔

ایک شکاری نے اندر جا کر کار کو باہر نکالنا چاہا لیکن کار اسٹارٹ ہی نہ ہوئی۔ میاں حمید نے نجن پر ذرا گہرے قسم کا ہاتھ پھیرا تھا۔

آخر ان تینوں کو بھی اُس کی مدد کے لئے اندر جانا پڑا۔

گیرج کے قرب وجوار کے حصے بالکل ویران تھے اور چوکیدار بھی اپنی جگہ پر واپس جا چکا تھا۔ یدنے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحے میں وہ گیرج کے ندر تھا۔

"کیا یہ کشمیری آپ لوگوں کی مدد کر سکتا ہے۔" اس نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

"تم....!" ایک چونک کر بولا۔

"ہاں میں.... ذرا اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو اور ہاں وہ میرا گدھ کہاں ہے!"

چاروں اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے سکتے کے عالم میں کھڑے رہے۔

"تم نے میرے خلاف رپورٹ دے کر اچھا نہیں کیا۔"

"ہم پھر رپورٹ کریں گے۔" ایک نے بگڑ کر کہا۔

"ذرا آہستہ فرزند....!" حمید بولا۔ "یہ ریوالور بغیر آواز کا ہے۔ شور پسند نہیں کرتا۔"

"تم ہو کون۔"

"تمہاری تجارت کے حصے کا جائز حق دار! یہاں ہر نیا کام شروع کرنے والا ہمارا حصہ ضرور نکالتا ہے۔ نہ صرف میرا.... بلکہ میرے گروہ کا بھی.... کیا سمجھے؟"

"نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔ جانتے ہو شریف آدمیوں کو پریشان کرنا جرم ہے۔"

"یہ بھی جانتا ہوں اور تمہاری شرافت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ بہر حال معاملہ کی بات کرو۔"

"کیسا معاملہ....!"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے دھمکی دی۔ "اگر بلی کھاتی نہیں تو ڈھلکا دیتی ہے۔ اچھا تو میں چلا.... نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو اور نہ پولیس۔ سردار صفدر کو میں لونڈا سمجھتا ہوں۔"

حمید ریوالور کا رخ اُن کی طرف کئے ہوئے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو....!" ان میں سے ایک آہستہ سے بولا۔ "تم کون ہو....!"

"ارے تم مجھے نہیں جانتے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "حالانکہ میں تم لوگوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں اور تمہاری ایک حرکت کی بناء پر تم سے سخت متنفر بھی ہوں۔"

"کون سی حرکت....!"

"اس اینگلو انڈین نرس کا قتل! تمہارا مقصد دوسری طرح بھی حل ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں سردار صفدر.... جابر کے کسی شاگرد کی طرح ذہین نہیں ہو سکتا۔"

"جابر.... کون جابر....!"

"تم جابر کو بھی نہیں جانتے۔ تب تو تم نے ناحق اس کاروبار میں ہاتھ لگایا ہے۔"

"کون سا کاروبار....!"

"اوہو....!" حمید ہنس پڑا۔ "تو کیا آزاد بینک کا سونا یونہی خاک ہو گیا۔"

"تم کون ہو۔" چاروں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ ان کی آوازیں خوفزدہ تھیں۔

"جابر[1] کا ایک شاگرد.... وہ جابر جو اپنے وقت کا ایک ذہین ترین آدمی تھا۔ وہ جابر جس کی

[1] جابر کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کے ناول "خطرناک بوڑھا" اور "مصنوعی ناک" جلد نمبر 2 پڑھئے۔

ں کی جگہ ایک غار تھا اور اس کے باوجود بھی وہ ہر طرح کی آواز پر قادر تھا۔"

چاروں خاموش رہے اور حمید پھر بولا۔

"تم نے شاید اُس جاسوس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔" ایک بولا۔

"ہوگا! مجھے اس سے سروکار نہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "میں تو اپنا حصہ چاہتا ہوں.... ورنہ لو.... اپنے روپے.... جابر کا کوئی شاگرد گرہ کٹ یا گھٹیا قسم کا لٹیرا نہیں ہوتا۔ یہ تو محض تم لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے تھا۔"

حمید نے جیب سے نوٹ نکال کر اُن کے سامنے پھینک دیئے۔

وہ چاروں کچھ نہیں بولے حمید نے پھر کہا۔

"میں یہیں اسی ہوٹل میں ٹھہروں گا.... تنہا.... کمرے کا نمبر چالیس ہے۔ اس کے باوجود بھی میرا دعویٰ ہے کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ویسے ریوالور کی گولی سے مجبوری ہے وہ بھی اگر اندھیرے سے چلائی جائے۔ لیکن اس پر بھی تم نہ بچ سکو گے کیونکہ مجھ جیسے پانچ آدمی تمہارے راز سے واقف ہیں اور میں انہیں کا نمائندہ ہوں۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لیجئے۔" ایک شکاری آہستہ سے بولا۔ "اس پر غور کیا جائے گا۔"

حمید نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

پھر وہ چاروں حمید سمیت گیرج سے باہر آ گئے۔

"آؤ میرے ساتھ۔" حمید نے کہا اور وہ سب پھر ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

"نہیں یہاں ٹھیک نہیں ہے۔" اُس نے پھر کہا اور انہیں اپنے کمرے میں لے آیا۔

اُن میں سے ایک آدمی کو حمید بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اُسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھیں۔ اس کا ذہن بار بار دہرا رہا تھا "کہاں دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے۔"

پھر دفعتاً اُسے اُس ڈاکٹر کی آنکھیں یاد آ گئیں جس نے اُسے شراب پلائی تھی۔ حمید نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"معاملات طے ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ہم بڑی دیر سے آپ کے اس مذاق سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔" اُس شکاری نے کہا جسے

حمید پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"خیر....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔"

"آپ اعتراف کرتے ہیں کہ آپ وہی ہیں جس نے ان دونوں کو لوٹا تھا؟" شکاری نے پوچھا

"ہاں! اور وہ فون رکھا ہوا ہے! تم پولیس کو اطلاع دے دو کہ تم نے اُس آدمی کو پالیا ہے" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

وہ چاروں عجیب قسم کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جانی پہچانی آنکھوں والا آہستہ سے بولا

"ہم سے کس قسم کا سمجھوتہ کرنا ہے؟"

"آدھا.... آدھا....!"

"یعنی....!"

"تیس سیر سونا اور وہ جو دلاور نگر سے آرہا ہے۔"

"بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ پھر بولا۔

"بلیک میل شریف آدمیوں کو کیا جاتا ہے۔ اگر تم ہمارا حصہ نہیں دو گے تو ہم زبردستی چھین لیں گے۔"

"یہ بات ہے۔" شکاری کی بھنویں تن گئیں۔

"سنو تم چار ہو اور میں اکیلا۔ مجھے گھور کر نہ دیکھو۔" حمید ہنس پڑا۔

شکاری پھر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

حمید نے خود ہی چھیڑا۔ "ہم تمہاری ایک ایک بات سے باخبر ہیں۔ کیا تم نے شہر کے مشہو جاسوسوں کو دوسری طرف الجھا دینے کے لئے سارہ کو قتل نہیں کیا۔"

"ذرا آہستہ بولو۔" شکاری نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"سردار صفدر مجھے یقین ہے کہ تم ناسمجھی سے کام نہ لو گے۔"

"کیا....!" شکاری اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو بیٹھو....!" حمید نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میرے علاوہ میرے پانچ ساتھی بھی تمہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

دوسرے شکاری بھی کھڑے ہو گئے۔ انہیں اپنے ریوالور نکال لینے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن حمید کے تیز قہقہے سن کر اُن کے ہاتھ کانپ گئے۔

"فضول ہے دوستو! پانچ خوفناک آدمی بھوتوں کی طرح تمہارے پیچھے لگ جائیں گے اور وہ مجھ سے بھی زیادہ شاطر ہیں۔"

سردار صفدر نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا اور انہوں نے پھر اپنے ریوالور جیبوں میں ڈال لئے۔

"چلو منظور....!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میری بھی دو شرائط ہیں۔"

"کیا....؟"

"تمہیں اپنے ساتھیوں کو بھی مجھ سے ملانا پڑے گا۔"

"دوسری شرط....؟" حمید نے پوچھا۔

"بیٹھے بیٹھے حصہ نہیں ملے گا۔ تمہیں ہمارا ہاتھ بٹانا پڑے گا۔"

"دوسری شرط قطعی منظور ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن پہلی شرط کے سلسلے میں مجھے دہرانا پڑے گا کہ میں جابر کا شاگرد ہوں۔"

"صاف صاف کہو۔"

"بالکل صاف ہے وہ پانچ آدمی بھی ہاتھ بٹائیں گے لیکن وہ تم پر ظاہر نہیں کئے جاسکتے۔"

"سمجھوتے کے لئے اعتبار شرط۔" سردار صفدر نے سنجیدگی سے کہا۔

"استاد جابر معاملے کا پکا تھا لیکن وہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔"

"تب تو پھر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔"

"تمہاری خوشی۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "ویسے سترہ ڈاؤن پر تمہیں سونا تو کیا لوہا بھی نہیں ملے گا۔"

"کیا مطلب....!" صفدر چونک کر بولا۔

"تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ اس لونڈے نے تمہیں یہ اطلاع نشے کی حالت میں دی تھی۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو۔" سردار صفدر کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں ایک ایک حرکت کا علم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ سونا حقیقتاً کب آئے گا۔"

"کب آئے گا....؟"

"سردار صفدر میں نشے میں نہیں ہوں۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔

صفدر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ آخر کا طویل سانس لے کر بولا۔ "اچھا دوست! مجھے منظور ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتادوں کہ میں بازوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔"

"استاد جابر کا بھی یہی اصول تھا۔" حمید نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"کل دس بجے کارخانے میں آجاؤ۔" صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن اگر اس دوران میں پو کے ہتھے چڑھ جاؤ تو ہمیں الزام نہ دینا کیونکہ اس گاڑی کی تلاش جاری ہے۔"

"اُس کی فکر مت کرو۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میرے ساتھیوں نے کوچوان کو سنبھال ہے۔ جابر کے شاگرد کچا کام کبھی نہیں کرتے۔"

"اچھا تو شب بخیر۔"

اعلیٰ ترین اخلاق کے مظاہرے کے طور پر حمید انہیں گیرج تک نہ صرف چھوڑنے آیا گاڑی کا انجن ٹھیک کرنے میں انہیں مدد بھی دی۔

ایک انکشاف

اُن کی کار چلی بھی گئی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید اپنی جگہ پر جم سا گیا ہو۔ وہ درا فریدی تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ غیر متوقع طور پر حالات نے نئی کروٹ تھی۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے اور پھر وہ اس پر اپنی گذاریوں کا رعب بھی ڈالنا چاہتا تھا۔

یہاں ٹیکسی کی توقع فضول تھی کیونکہ یہاں زیادہ تر ایسے ہی ذی حیثیت لوگ آتے تھے کی اپنی کاریں ہوں۔ اُس نے سوچا چلو پیدل ہی سہی کبھی نہ کبھی تو پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن اُ خوش نصیبی ہی کہنا چاہئے کہ پھاٹک سے باہر قدم نکالتے ہی اُسے ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ جو سڑ کے کنارے کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور ٹارچ کی روشنی میں انجن پر جھکا ہوا تھا۔ شاید کوئی خر

گئی تھی۔

"شہر چلو گے بھئی۔" حمید نے لہک کر پوچھا۔

"کیوں نہیں.... مگر شاید کچھ دیر لگ جائے۔" ڈرائیور بدستور سر جھکائے ہوئے بولا۔

"پرواہ نہیں.... میں انتظار کروں گا۔" حمید دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔

دو تین منٹ بعد انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

"کہاں جایئے گا۔" ڈرائیور نے کھڑکی سے حمید پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"تیرہ سومرسٹ اسٹریٹ۔" حمید نے جواب دیا اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر آبیٹھا۔

"انسپکٹر فریدی کے یہاں جایئے گا۔" ڈرائیور بولا۔

حمید اچھل پڑا اور اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ ڈرائیور بدستور اسٹیئرنگ کرتا رہا۔

"کیا تم جانتے ہو۔"

"ہاں....!" ڈرائیور بولا۔ "فریدی کو بھی اور فریدی کے پٹھے حمید کو بھی۔"

حمید نے ریوالور کی نال اس کی پشت سے لگا دی۔

"روکو! ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"مار دو....!" ڈرائیور نے لاپروائی سے کہا اور اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ ٹیکسی بدستور چلتی رہی۔

"روکو....!"

"واہ یہ اچھی زبردستی ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔ "اچھا چلو کرایہ بھی مت دینا۔"

"میں سچ مچ مار دوں گا۔" حمید گرج کر بولا۔

"سچ مچ مار دو....!" ڈرائیور ہنس کر بولا۔ "لیکن تمہارے ریوالور کی گولیاں تو میرے پاس ہیں۔"

حمید نے غور کیا تو حقیقتاً ریوالور کو بالکل خالی پایا۔

"کیوں ہے نا یہی بات!" ڈرائیور نے کہا۔ "بہت چالاک بنتے تھے۔ آج ایک اناڑی کی جیب سے پرس غائب کر کے تم اپنی ہاتھ کی صفائی پر پھول گئے تھے۔ اَب بتاؤ کیسی رہی.... سردار صف لودھوکا دینا آسان کام نہیں۔"

حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ لیکن اُس نے جی کڑا کر کے قہقہہ لگا ہی دیا اور پھر پرجوش انداز میں بولا۔

"میرے پانچوں ساتھی....!"

"سرے سے بنڈل ہیں۔" اس کی بات کاٹ دی گئی۔

"جابر کے شاگرد....!" حمید ہکلایا۔

"نرے چغد ہیں۔" ڈرائیور بیچ ہی میں بول پڑا۔

"لیکن میں نہیں ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"تم چغد سے بھی کمتر ہو۔"

دفعتاً حمید نے ریوالور پھینک کر اُس کی گردن پکڑلی۔

"خیر تم میں اتنی طاقت نہیں معلوم ہوتی لیکن میں گاڑی درخت سے ٹکرائے دیتا ہوں۔"

اور حمید نے اچانک محسوس کیا کہ ڈرائیور کی دھمکی عملی جامہ پہننے ہی والی ہے۔ اس نے گردن چھوڑ دی اور بدحواس ہو کر سیٹ پر گر گیا۔

ڈرائیور بُری طرح ہنس رہا تھا۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی ہوئی سومرسٹ اسٹریٹ کی طرف ہولی اور حمید پاگل ہو جانے کی حد تک الجھنے لگا اسے توقع تھی کہ وہ کہیں اور لے جایا جائے گا۔ لیکن وہ سومرسٹ اسٹریٹ....!

ٹیکسی فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی اور حمید کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ رہی تھیں۔ ٹیکسی پورٹیکو میں رک گئی۔

"اُتریئے سرکار....!" ڈرائیور مڑ کر بولا اور حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی ڈرائیور کی گھنی ڈاڑھی غائب تھی اور فریدی کی طنز آمیز مسکراہٹ اُس کے سینے میں کچوکے لگا رہی تھی۔

"معاف کیجئے گا.... میں پہچان گیا تھا۔" حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"ضرور ضرور.... اسی لئے میرا گلا بھی گھونٹا جا رہا تھا.... چلو اترو۔"

وہ دونوں ٹیکسی سے اُتر کر اندر آئے۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت تھی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"میں نے سوچا کہ کہیں تم اپنی کارگذاری پر مغرور نہ ہو جاؤ اسلئے ایک ہلکا سا ڈوز ضروری ہے۔"

"آپ واقف ہیں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں وہاں جھک مار رہا تھا۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "اگر ضرورت پڑ جاتی تو میں تمہارے اُن پانچوں ساتھیوں میں سے ایک کا رول تو ادا کر ہی دیتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں یہ تو نہیں کہتا۔ آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم پر فخر کروں۔"

اس جملے پر حمید کے تلوؤں سے کھوپڑی تک تری دوڑ گئی۔

"لیکن آپ نے میرے ریوالور سے کارتوس کس طرح غائب کئے تھے۔"

"جب تم ٹیکسی میں بیٹھ رہے تھے اُس وقت میں نے ریوالور تمہاری جیب سے نکال لیا تھا اور نجن ٹھیک ہو جانے کے بعد جب میں نے تم سے گفتگو کی تھی اُسی وقت وہ تمہاری جیب میں واپس ی چلا گیا تھا۔"

"کمال ہے۔"

"لیکن تم نے انہیں لوٹا کس طرح تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے پورا واقعہ دہرانے کے بعد کہا۔ "میں نے آپ کا نام لے کر جگدیش سے کہہ دیا تھا ہ وہ گاڑی بان کی اطلاع پر تفتیش نہ کرے۔"

"یار تم سچ مچ عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔ "کیوں نہ ہو خود بھی تو نسے ہو۔"

"جناب میں شروع ہی سے عقل مند ثابت ہو رہا ہوں۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔ "اب آپ کیا ماتے ہیں سردار صفدر کے متعلق۔"

"ٹھیک ہے وہ سردار صفدر ہی ہے۔" فریدی بولا۔ "اُس کی موت ہی کچھ مشکوک قسم کی ئی تھی۔ جلی ہوئی عمارت سے جو لاش نکلی تھی وہ کسی اور کی رہی ہو گی۔"

"لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کو ان شکاریوں پر شبہ کس طرح ہوا۔"

"کوؤں کی وجہ سے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہاں! میں نے ایک بار کوے ہی کی وجہ سے سونے کو خاک ہوتے دیکھا تھا۔"

حمید رک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کچھ اور بھی کہے گا لیکن اُسے

مایوسی ہوئی اور مایوسی کا لازمی نتیجہ جھلاہٹ تو ہوتی ہی ہے۔

"میں نے بھی ایک بار۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "کوے ہی کی وجہ سے آدمی
کواہوتے دیکھا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بچپن میں مجھے کیمیا گری کا خبط تھا۔" اُس نے کہا اور اسی سلسلے میں میں نے سونے کو خاک
ہوتے بھی دیکھا تھا۔

"لیکن کوے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"وہی بتانے جا رہا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "میرے والد صاحب کے ایک
دوست کیمیا گر تھے۔ وہ اکثر ہمارے ہی یہاں آ کر تجربے کیا کرتے تھے۔ اُن کے پاس کئی ایسے
تھے جو صدہا سال سے سینہ بسینہ منتقل ہوتے ہوئے ان تک پہنچے تھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی مجھے
کا چسکا لگ گیا۔ اُن دنوں ایک شعر جو دراصل کیمیا کا نسخہ تھا میرے والد اور اُن کے دوست
درمیان موضوع بحث بنا ہوا تھا۔ چلو تمہیں وہ شعر بھی سنا دوں۔

گفت از شیخ مغرب، زرنیخ و سرب و زیبق گو گرد و طوطیارا
در خونِ تیرہ ترکن اور ابتار درکن، عجلت مکن خدارا

ہاں تو جناب اس نسخے میں "خون تیرہ" کا معمہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ابجد کے قاعدے
بھی زور مارا گیا لیکن لاحاصل! آخر سوچا گیا کہ کوے کے خون سے شروعات کی جائے۔ پھر ہر
جاندار شے کے خون کا تجربہ کیا گیا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ کوے کے خون والا تجربہ ایک حد
کامیاب رہا تھا اس سے جو دھات تیار ہوئی تھی وہ سونے کی سی رنگت رکھتی تھی لیکن جب اُ
نوسادر چھڑک کر پگھلایا گیا تو وہ دھات خاک کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔

"ارے....!" حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

فریدی پھر خاموش ہو گیا تھا۔ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خون تیرہ کا معمہ حل ہو جائے تو سونا بن جائے گا۔"

"قطعی....!"

"اور یہ زیبق وغیرہ کیا ہے۔"

"زیبق پارہ کو کہتے ہیں۔ زرنیخ ہڑتال کو۔ سرب معنی سیسہ۔ گو گرد گندھک کو اور طوطیا تم
نتے ہی ہو گے۔ کیونکہ اس کا دوسرا اہم قافیہ لفظ تم پر صادق آتا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کیا جانتے ہیں۔"

"میں کچھ بھی نہیں جانتا۔" فریدی نے معصومیت سے کہا۔

"تو آپ کو کیمیا کے اور بھی نسخے معلوم ہوں گے۔"

"سینکڑوں۔"

"کوئی کامیاب بھی ہوا۔"

"ایک بھی نہیں! ارے میاں یہ خبط ہے۔ دھاتوں کی شکل تبدیل کی جا سکتی ہے لیکن اصلیت
۔ عربوں نے اسے بطور فن اختیار کیا تھا اور اسے الکیمیا کے نام سے پکارتے تھے۔ مغربیوں
اسے اپنا کر الکمی بنا لیا۔ پھر اسی کو کیمسٹری کا نام دے کر اس کا دائرہ بہت وسیع کر دیا گیا۔"

"لیکن میں نے سنا ہے۔" حمید بولا "کہ بہتیرے سادھو جڑی بوٹیوں کے ذریعہ کھری چاندی
لرا سونا بنا لیتے ہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا.... پھر بولا۔

چلو ایک سادھو صاحب کی غزل اسی موضوع پر سن لو۔

تین پات کا بروا جیہہ کا جانے سب کوئے
ہائے پھولے باٹے پھولے، پھولے بارہ ماس
رنگ نکال کے بنگ میں ڈالو مرتے چاندی ہوئے

اب اگر ہمت ہو تو ڈھونڈ نکالو اس تین پتیوں والے پودے کو جس میں سال بھر پھول آتے
ہیں جسے ہر شخص جانتا ہے اُس کے پھول کا رنگ نکال کر رانگے میں ڈالو چاندی ہو جائے گا۔
دوسرے بزرگوار فرماتے ہیں۔

دھات سے دھات لڑا مرے پوتا
کہاں کی بوٹی کہاں کا بوٹا

"یعنی جڑی بوٹیوں کا چکر فضول ہے۔ دھات کو دھات سے لڑاؤ چاندی یا سونا بن جائے گا۔
ے پاس دھات سے دھات لڑانے کا نقشہ بھی موجود ہے۔ لیکن حمید صاحب سب بکواس

ہے۔ پھر وہی کہوں گا کہ اصلیت نہیں بدلتی صرف رنگ تبدیل ہوتا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" حمید نے کہا۔

"اور اُسی دن میرے ہی ہاتھوں جیل میں نظر آؤ گے۔"

"کوئی آسان سانسخہ بتایئے۔"

"ختم کرو یہ قصہ اور کام کی بات کرو۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"میں خون تیرہ کا معمہ ضرور حل کروں گا۔"

"اور نتیجے کے طور پر خوک تیرہ ہو جاؤ گے۔"

"یعنی.... مجھے فارسی کم آتی ہے۔"

"کالا سور....!"

"اوہ تو کالے سور کا خون!" حمید جلدی سے بولا۔

"بکو مت! وقت کم ہے۔" فریدی نے جھنجلا کر کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"شہزادے والی بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔"

"وہ بات....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ بیچار
دھوکے ہی میں ماری گئی۔ خیر اس مسئلے کو فی الحال ملتوی رکھو! تو تم کل دس بجے اُن لوگوں
رہے ہو۔"

"خیال تو یہی ہے۔"

"لیکن اب تم مجھ سے نہیں ملو گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟"

"انہیں تمہاری طرف سے پورا پورا اطمینان ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں خو
ضروری سمجھوں گا تمہیں کہیں نہ کہیں مل جاؤں گا۔"

"آخر آپ کی اسکیم کیا ہے۔"

"میں انہیں اس وقت پکڑنا چاہتا ہوں جب وہ ٹرین میں ڈاکہ مار رہے ہوں۔"

"اوہ....!"

"دوسری بات یہ کہ تمہیں کوؤں کا صحیح مصرف معلوم کرنا ہے۔"

"مگر.... وہ تو ابھی آپ بتا ہی چکے ہیں۔" حمید بولا۔

"ضروری نہیں کہ میرا خیال درست ہی ہو۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر یہ لوگ خود کو شہرت کیوں دے رہے ہیں۔ یہ کام
نہایت خاموشی سے بھی ہو سکتا تھا۔"

"انہوں نے بڑا نفسیاتی طریقہ اختیار کیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "چھپ کر کام کرنے
الے عموماً قانون سے ڈرتے ہی رہتے ہیں اور یہی خوف بعض اوقات ان سے ایسی غلطیاں کرادیتا
ہے کہ ان کی گردن قانون کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اس کے برخلاف کسی قسم کا ہنگامہ برپا کر کے
ام کرنے والوں کو بڑی تقویت رہتی ہے اور یہ تقویت ان میں خود اعتمادی پیدا کر کے انہیں
غلطیوں سے بچاتی ہے۔"

"کیا انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ اُن سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ انہوں نے یہی ایک زبردست غلطی
کی کہ تمہیں شراب پلا کر تم سے کوئی بات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ بھی اندازہ نہ لگا سکے
کہ حقیقتاً تمہیں نشہ ہو گیا ہے یا صرف ترنگ میں ہو۔"

"پھر....!"

"میرے کہنے کا مطلب دراصل یہ تھا....!"

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا! گفتگو کرتے وقت اس کے ماتھے پر
سلوٹیں اُبھر آئیں اور پھر وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"سنا! تم نے جگدیش تھا! اُس گاڑی کا پتہ لگ گیا جس میں تم نیاگرا ہوٹل تک گئے تھے۔ ہوٹل
ڈی فرانس کے ویٹر نے اُسے شناخت کر لیا ہے.... اور کوچوان گاڑی میں مردہ پایا گیا ہے۔ اُس کی
داہنی کنپٹی پر گولی لگی ہے۔"

"ارے....!"

"ہاں.... اور اب تمہارا نیاگرہ ہوٹل واپس جانا درست نہیں۔ ان لوگوں نے تمہیں ایک

دوسرے قتل میں بھی پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی تم
اصلیت سے واقف نہیں۔"

شکاری کی چال

بارہ بجے رات کو حمید آر لکچو میں ایک کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آر لکچو بھ
کے اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں سے تھا۔

فریدی نے اس کا پرانا میک اپ بگاڑ کر اُسے دوسری شکل میں تبدیل کر دیا تھا اور یہ شک
اتنی غیر دلچسپ اور معمولی تھی کہ وہ بھی آدمیوں کی اس بے پناہ بھیڑ میں آ گیا تھا، جو دیکھنے و
پر کوئی اثر قائم کئے بغیر گذر جاتی ہے۔

دوسرے دن صبح وہ ایک ٹیکسی کر کے اُس کارخانے کی طرف روانہ ہو گیا جہاں کوؤں
پروں سے ایک حیرت انگیز چیز بنائی جانے والی تھی جو بیک وقت کاغذ بھی تھی اور کپڑا بھی۔
کارخانے کی عمارت جس کے بعض حصے ابھی زیرِ تعمیر ہی تھے۔ دولت گنج کے اُس ویران علا
میں واقع تھی جہاں گرمیوں کے موسم میں شہر کے بعض ٹھیکیدار اینٹوں کے پڑاوے لگایا کر
تھے۔ کارخانے میں داخلہ منیجر کی اجازت سے ہوتا تھا اس لئے ابھی تک صرف شہر کے
اشخاص ہی اندر تک پہنچ سکے تھے لیکن اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کو اجازت مل جاتی تھی مگر
کے لئے بھی انہیں اپنے پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر کے سفارش نامے لانے پڑتے تھے۔

حمید پھاٹک پر روکا گیا۔ جنرل منیجر کا آفس چہار دیواری کے اندر تھا اس نے چوکیدار کو
سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں جنرل منیجر سے ملنا چاہتا ہے لیکن
نے اندر نہ جانے دیا۔

"اچھا تو پھر میرا نام ہی جنرل منیجر تک پہنچا دو۔" اُس نے کہا۔

چوکیدار اس پر تیار ہو گیا۔ حمید نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اُس پر "جابر" لکھا
چوکیدار کو دے کر اطمینان سے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ چوکیدار نے وہ پرچہ ایک دوسر
آدمی کو دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید طلب کر لیا گیا۔ جنرل منیجر کے کمرے میں وہ چاروں شکاری موجود تھے۔
کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا، شاید اس سازش میں جنرل منیجر کا رول ادا کر رہا تھا۔ چاروں
اری حمید کو حیرت سے دیکھنے لگے کیونکہ یہ وہ تو نہیں تھا جس سے انہوں نے پچھلی رات نیاگرہ
گفتگو کی تھی۔

"میں وہی ہوں۔" حمید اُن کی طرف قدرے جھک کر بولا۔ "اور تمہیں یہ بتانے کے لئے آیا
ں کہ کوچوان والے واقعے سے ہم لوگ قطعی مرعوب نہیں ہوئے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سردار صفدر نے اپنے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"تم نے اُسے اسی لئے تو مار ڈالا ہے کہ پولیس میرے خلاف اپنی جدوجہد کچھ اور تیز کر دے۔"

"یہ غلط ہے! ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔"

"خیر چھوڑو....!" حمید لاپروائی سے بولا۔ "میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"سترہ ڈاؤن والی بات حقیقتاً غلط تھی۔" سردار صفدر نے کہا۔

"بہت دیر میں سمجھے۔" حمید حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

"شاید.... سراغ رسانوں کو اس کا علم ہو گیا ہے۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا....!" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"جہاں تک میرے علم میں ہے! ابھی تک کوئی اس کے متعلق سوچ ہی نہیں سکا۔"

"لیکن....!" سردار صفدر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اخبارات بار بار پچھلے ڈاکے کا حوالہ دے
رہے ہیں۔"

"دے رہے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی کہ سونا بدل
یا گیا تھا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید خود ہی بولا۔

"تم نے اُس لڑکی کو مار کر غلطی کی۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُسی قتل کے سلسلے میں یہاں کا
بہترین دماغ تمہارے راستے پر نہ لگ جائے۔"

"کون....؟"

"وہی فریدی! جس کی کھال اُدھیڑنے کے لئے میں عرصے سے بے تاب ہوں۔ تمہیں
اس کا علم نہ ہو کہ سرجنٹ حمید کو اُسی نے غائب کردیا ہے اور اب اس قتل کے معاملے میں ا
ہے۔ تم نے ایک دوسری غلطی اور بھی کی ہے۔ اُسے شاہد ہی بنا رہنے دینا تھا۔ اس کی طرف
تم نے سارہ کو جو خط لکھے تھے اُن میں حمید کے دستخط نہ کرنے چاہئیں تھے۔ تمہیں شاید یہ نہ
ہو کہ فریدی کے ہاتھ سارہ کی ڈائری لگ گئی ہے اور اس سے اُس نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ
اُسے بحیثیت حمید جانتی ہی نہیں تھی۔"

"یار تم بڑے کام کے آدمی ہو۔" سردار صفدر حیرت سے بولا۔

"یہی نہیں میرے دوست! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دلاور نگر والا سونا کب اور کہ
سے آئے گا۔"

"تم سبھی کچھ جانتے ہو۔ مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں۔" سردار صفدر ہنس کر بولا۔

"لیکن اگر تم کوؤں کے پروں کا استعمال ثابت نہ کرسکے تو....!" حمید نے سنجیدگی سے بو
سردار صفدر پھر ہنس پڑا۔

"شاید اب تم اس پر بھی کچھ روشنی ڈالو گے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں.... کیونکہ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا البتہ اس پر یقین ضرور ہے کہ
کے پروں سے کبھی کچھ نہ بنا سکو گے۔"

"تم ابھی ہماری تکنیک سے واقف نہیں ہو اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔" صفدر سنجیدگ
بولا۔ "آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔"

حمید اٹھ کر اُن کے ساتھ ہولیا۔ وہ اس عمارت میں آئے جہاں مشینوں کا شور گونج رہا تھ

"یہ دیکھو....!" سردار صفدر نے دھنکے ہوئے پروں کے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے! بہت صفائی سے دھنکے گئے ہیں۔" حمید نے سیاہ رنگ کا تھوڑا سا سفوف لیکر
میں مسلتے ہوئے کہا۔ "لیکن اسے ایسے ریشوں میں کس طرح تبدیل کرو گے جن سے تار بنایا جا سکے

"ایسا ممکن ہے۔" سردار صفدر بولا۔ "ہم نے ایک ایسی چیز دریافت کرلی ہے جس کے ذ
سے ریشوں میں تبدیل کیا جاسکے گا۔"

سردار صفدر اُسے باتوں میں لگائے ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ دروازے میں قدم رکھتے

ے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ایک سب انسپکٹر اور دو پولیس کانسٹیبل شائد ان کا انتظار کر رہے تھے۔

حمید اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سردار صفدر کو گھورنے لگا اور صفدر زہریلی ہنسی کے
تھ بولا۔

"ہاں تو اب تم ان شریف آدمیوں سے معاملہ طے کرلو۔"

"بہتر ہے۔" حمید نے لاپروائی کی نہایت شاندار ایکٹنگ کی۔ "لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں!
لوم نہیں اب تم کون سی چال چلنے والے ہو میں پھر کہتا ہوں کہ ہم میں کوئی باعزت سمجھوتہ
جانا چاہئے.... نہیں نہیں مجھے اپنا سرمایہ چاہئے۔"

"سن لیا آپ نے۔" سردار صفدر نے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

"آپ حراست میں لئے جاتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے حمید سے کہا۔

"کیوں....؟ کس لئے؟"

"آپ ان لوگوں پر چند بے بنیاد الزامات لگا کر انہیں بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔"

حمید سردار صفدر کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔

"اور تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ کل میں نے ہی تمہارے تین آدمیوں کے روپے چھینے تھے
ر میں نے ہی اُس کوچوان کو قتل کیا ہے۔"

"کیا....؟" سب انسپکٹر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ سردار صفدر کے چہرے پر بھی سراسیمگی
اری ہوگئی تھی۔ اُس نے شائد سب ا ر اس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔

"جی ہاں۔" دفعتاً حمید ر ہانسی آواز میں بو۔ "ان کم بختوں نے مجھے برباد کردیا۔ اپنے اس
بے تکے کام میں میرا روپیہ لگوا کر میرا دیوالہ نکال دیا اور اب میں جو اس پر احتجاج کرتا ہوں تو مجھے
رح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ ابھی کل ہی انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں پھنسوا دوں گا۔
ل ان کے آدمیوں کو کسی نے لوٹ لیا اور انہوں نے میرے گرد جال بن دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی
بلکہ تمہیں بھجوائیں گے۔"

"کیوں....؟" سب انسپکٹر صفدر کی طرف مڑا۔

"جھوٹ سراسر جھوٹ۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا۔"

"بہرحال آپ کے اس جملے کی بے ساختگی یہی بتاتی ہے کہ یہ حقیقتاً آپ کے حصے دار ہیں۔"

سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

"نن.... نہیں.... غلط ہے۔" سردار صفدر ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"جی نہیں۔"

"تارجام والے سیٹھ دھنی رام کا نام تو سنا ہی ہوگا۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔"

"میں وہی ہوں۔"

"اوہ....!"

"غلط.... بالکل بکواس۔" سردار غضبناک آواز میں چیخا۔ "اس نے بھیس بدل رکھا ہے۔"

"چلئے یک نہ شد دو شد۔" حمید ہنس کر بولا۔ "شاید تمہارا دماغ ہی خراب ہوگیا ہے۔ د
میاں تمہیں میرا سرمایہ واپس کرنا پڑے گا۔"

"میک اپ ہے۔" سردار صفدر مکا تان کر ہوا میں لہراتا ہوا بولا۔

"چلئے صاحب! اس کا بھی اطمینان کر لیجئے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "منہ دھلوایئے میرا"

"نہیں صاحب۔" سب انسپکٹر جھلا کر بولا۔ "آپ ان لوگوں کے خلاف باقاعدہ رپور
کیجئے۔ خواہ مخواہ میرا اتنا وقت برباد ہوا۔"

"ٹھہریئے۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "میں بھی چلتا ہوں آپ کے ساتھ ورنہ یہ لوگ
مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"یہ بات ہے! اچھا رپورٹ میں یہ بھی لکھوایئے گا۔ چلئے میرے ساتھ۔"

"ٹھہریئے۔" صفدر گھبرا کر بولا۔ "سیٹھ دھنی رام جی.... مجھے آپ کے مد ت منظور ہیں۔"

"دیکھا آپ نے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"اگر آپ نے سمجھوتہ کر بھی لیا تو پولیس ان لوگوں پر دھوکہ دہی کے سلسلے میں مقد
ضرور چلائے گی۔"

"انسپکٹر صاحب.... ذرا ٹھہریئے۔" سردار صفدر لجاجت سے بولا۔

پھر ہرے رنگ کے کاغذات کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دی، جو صفدر کے جیب سے نکل

ر سب انسپکٹر کی جیب میں غروب ہوگئی۔

"خیر....!" سب انسپکٹر ہنس کر بولا۔ "آپ دونوں شریف آدمی ہیں بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔"

پولیس والے چلے گئے! سردار صفدر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"لوہے کے چنے دیکھے ہیں تم نے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم حقیقتاً یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔" صفدر چیخ کر بولا۔

"ارے تم نے پھر وہی شروع کر دیا۔"

دفعتاً تین چار آدمی حمید پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن سردار صفدر نے
الور نکال لیا۔

"چلو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" حمید اطمینان سے بولا۔ اُسے یقین تھا کہ فریدی اُس کی طرف
، بے خبر نہیں ہوگا۔

"میرے پانچ ساتھی۔"

"انہیں بھی جہنم رسید کروں گا۔" صفدر دانت پیس کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"گرم پانی اور تولیہ لاؤ۔" صفدر نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "میں تمہاری
لی صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو تم بڑی دیر سے دیکھ رہے ہو۔"

گرم پانی فوراً ہی آگیا۔ شاید وہ انجن کی ٹنکی سے لایا گیا تھا۔

سردار صفدر کو بڑی مایوسی ہوئی۔ سارا پانی ختم ہوگیا لیکن حمید کے چہرے میں کوئی فرق واقع
ہیں ہوا۔ حمید پہلے ہی سے مطمئن تھا۔ فریدی نے اُس میک اپ کے سلسلے میں اپنا مخصوص
ریقہ اختیار کیا تھا۔ اس میک اپ کو ایمونیا کے علاوہ دنیا کی کوئی دوسری چیز ختم نہیں کر سکتی تھی۔

"تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟" سردار صفدر نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"جہاں کہیں بھی ہوں گے چند گھنٹوں کے اندر اندر تم سے آ بھڑیں گے۔" حمید بولا۔ "اور
ب میں تم سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ تم ناقابل اعتماد ہو۔ تم نے
لیس کو تو اپنی اسکیم میں شریک کر لیا تھا لیکن یہ نہ سوچا کہ میں بھی کچھ کر سکتا تھا۔"

"کیا کر سکتے تھے؟"

"تمہارا راز فاش کر سکتا تھا۔"

"لیکن ثبوت نہ مہیا کر سکتے۔" سردار صفدر نے قہقہہ لگایا۔

"لیکن یہ تو ثابت ہی کر سکتا تھا کہ تم سردار صفدر ہو۔"

"خیر وہ موقع تو تمہارے ہاتھ سے نکل ہی گیا۔" سردار صفدر نے کہا۔

"میں اپنے معاملات خود ہی طے کرنے کا عادی ہوں۔"

"ابھی طے ہوا جاتا ہے تمہارا معاملہ بھی.... مگر نہیں.... ابھی تو وہ پانچ بھی باقی ہیں۔

حمید بدستور مسکراتا رہا۔

"دلاور نگر والا سونا کب آرہا ہے۔" سردار صفدر نے دفعتاً حمید کی گردن دبا کر کہا۔

اسے دو آدمیوں نے بُری طرح جکڑ رکھا تھا۔ اس لئے وہ جدوجہد نہ کر سکا۔ صفدر کی گر
تنگ ہوتی جارہی تھی۔ تھوڑی سی دیر تک وہ برداشت کرتا رہا۔ لیکن پھر اس کی کنپٹیاں سنـ
لگیں اور آنکھوں کے سامنے گہرا تاریک دھواں لہرانے لگا۔ دھوئیں کے لہریئے تہہ بتہہ
چلے گئے اور پھر مکمل تاریکی.... گہرا اندھیرا۔

اور پھر دوبارہ ہوش آنے پر ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی کے احساس سے اس کی آنـ
دکھنے لگیں۔ چھت سے لگا ہوا ایک بہت بڑا بلب چکاچوند پیدا کرنے والی روشنی پھیلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھتا رہا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ
بہت بڑے صندوق میں بند ہو۔ کمرہ چوکور تھا اور شاید دیواروں کی اونچائی بھی اتنی ہی رہی ہو
فرش کی لمبائی یا چوڑائی تھی۔ اس میں کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی حتیٰ کہ دیواروں میں کہیں
جوڑ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ چھت کے قریب ہر دیوار میں ایک ایک روشندان تھ
میں ہوا صاف کرنے والے پنکھے گردش کر رہے تھے اگر حمید کو وہ پنکھے نہ دکھائی دیتے تو
سمجھتا کہ وہ کسی قبر میں دفن کر دیا گیا ہے اور اب نکیرین سوال و جواب کیلئے آنے ہی والے ہیں
وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دفعتاً اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

"سونا....!" وہ بے ساختہ بولا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اتنا سونا شاید زندگی میں پہلی بار دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ صندوق نما کمرے کے ایک گوشے

سونے کا بہت بڑا ڈھیر جگمگا رہا تھا۔

پھر اُسے اور بھی چیزیں نظر آئیں اور اُن چیزوں نے اُسے کیمیا کا وہ نسخہ یاد دلا دیا جس پر اُس
نے اور فریدی نے کافی دیر تک بحث کی تھی۔

سیسے کی بڑی بڑی سلاخیں ہڑتال۔ گندھک اور طوطیا کے ڈھیر۔ پتھر کی بڑی بڑی بوتلیں
جن میں پارہ بھرا ہوا تھا۔

حمید اپنی موجودہ حالت بھول کر فریدی کے اندازے پر عش عش کرنے لگا۔ حقیقتاً وہ ابھی
تک خود کو اس کیس کا ہیرو سمجھتا رہا تھا۔ مگر اس وقت وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر فریدی کی ہمہ
گیر معلومات کا ذخیرہ آڑے نہ آتا تو وہ بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

شروع سے اب تک کے واقعات تیزی سے اُس کے ذہن میں گردش کرنے لگے مگر ایک
خلش.... بیچاری سارہ.... اور وہ شہزادے والی بات.... وہ بیچاری مفت میں ماری گئی۔ مگر کون
جانے وہ سچ مچ ان کی ساتھی ہی رہی ہو اور انہوں نے کسی اور مصلحت کی بناء پر اُسے قتل کر دیا ہو۔
بہر حال غیر شعوری طور پر اُس کا ذہن اس خیال سے گریز کر رہا تھا کہ وہ اسی کی بدولت ماری گئی۔

متحرک خزانہ

تھوڑی دیر بعد حمید اُس صندوق نما کمرے کی دیواریں ٹٹولتا پھر رہا تھا اور اس کی سمجھ میں
نہیں آرہا تھا کہ وہ یہاں کس طرح لایا گیا۔ چاروں دیواریں سپاٹ اور چکنی پڑی تھیں۔ وہ سوچ رہا
تھا کہ کیا اُسے یہیں مرنا پڑے گا۔

اُسے گھٹن ہونے لگی لیکن وہ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی حتی الامکان کوشش کر رہا تھا۔ گھٹن
کا احساس تازہ ہوا کی کمی پر نہیں تھا۔ نہ جانے کس طرح اُن پنکھوں نے اس کمرے کی فضا کو اس
قابل بنا رکھا تھا کہ اس میں آدمی زندہ رہ سکے۔ ویسے بظاہر کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی تھی
جسے تازہ ہوا کی گذر کا ذریعہ سمجھا جا سکتا۔

اس نے آنکھ بند کر کے یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ اس کے گرد بیکراں وسعتیں ہیں
اور سر پر نیلا آسمان پھیلا ہوا ہے۔ وہ دراصل اس احساس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کہ وہ ایسی

دیواروں میں مقید ہے جن میں کوئی دروازہ نہیں ہے کیونکہ یہی احساس ساری گھٹن کا باعث تھ
گھٹن اس پر غشی بھی طاری کر سکتی تھی اور موت کا ذریعہ بھی بن سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ ایک بہت بڑے راز کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔ سو
ڈھیر اُسے بے وقعت معلوم ہونے لگا وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اُ
کارخانے میں داخل ہوئے بارہ گھنٹے گذر چکے تھے کبھی کبھی وہ گھڑی کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ دو
چکے تھے اور اُسے اپنے جسم میں نقاہت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ نہ جانے اُس نے کتنی دیر
پائپ نہیں پیا تھا لیکن تمباکو نوشی کی خواہش بھی جیسے مرگئی تھی۔

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ تازہ دم ہونا ہی نہیں چاہتا تھا اُسے اپنے ذہن کی اونگھتی ہوئی
کیفیت اس وقت بڑی غنیمت معلوم ہو رہی تھی اور وہ تصوریت کے مکتب خیال کے فلسفیو
طرح اس کیفیت کو ماحول سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ تمباکو کے
تین کش اس کیفیت کا خاتمہ کر دیتے اور وہ پھر سے اُسی گھٹن کا شکار ہو جاتا۔ آہستہ آہستہ اُ
غنودگی طاری ہوتی گئی اور وہ فرش پر ایک طرف لڑھک گیا۔

پھر شاید وہ کسی قسم کا شور ہی تو تھا جس سے اُس کی نیند اچٹ گئی تھی وہ اچھل کر کھڑا ہو
لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر چکرا کر گر پڑا۔ صندوق نما کمرہ ہل رہا تھا۔ اُس کے فرش کے
اُسے کچھ ایسی گھڑگھڑاہٹیں محسوس ہو رہی تھیں جیسی ریل کے پہیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔
قمقمہ جو چھت میں روشن تھا اچانک بجھ گیا۔ حمید سمجھا شائد اُس کی زندگی ہی کا چراغ گل ہو
گھٹن کے لئے وہ دیواریں ہی کیا کم تھیں اُس پر سے اندھیرا۔

اور پھر وہ اپنی اُن آوازوں پر قابو نہ پا سکا جو ہسٹریا کے کسی مریض کی چیخوں سے مشابہ تھیں۔

کمرہ تیزی سے اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔ پھر دفعتاً اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کی چھت
ٹھوس چیز سے ٹکرائی ہو۔ آوازیں تھم گئیں اور بلب پھر سے روشن ہو گیا۔ کمرہ بھی غیر متحرک تھا۔

پھر سامنے کی دیوار شق ہوتی معلوم ہوئی اور آخر کار ایک چھ فٹ اونچے اور تین فٹ چوڑ
دروازے سے تاروں بھرا آسمان دکھائی دیا اور ساتھ ہی عجیب قسم کا شور بھی سنائی دیا۔ حمید
بے ساختہ جست لگائی اور باہر نکل آیا۔ باہر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی اور قریب ہی کہیں
ہو رہے تھے۔ حمید نے پلٹ کر کمرے کی طرف دیکھا جس میں اب بھی بلب روشن تھا۔ پھر

نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہوا تھا جہاں چاروں طرف اونچی اونچی
جھاڑیاں تھیں اور یہ جگہ کافی طویل و عریض تھی۔ اُس نے محسوس کیا کہ یہاں کا فرش پختہ ہے۔
بھلا اس پختہ فرش کے گرد جنگلی اور خودرو جھاڑیوں کا مطلب؟ حمید کے ذہن میں سوال تیزی
سے گونجا لیکن فی الحال اس میں اتنی تاب نہیں تھی کہ اس پر مزید غور کرتا۔

دفعتاً پھر ریل کے پہیوں کی سی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور وہ کمرہ زمین میں دھنسنے لگا۔ حمید
اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس پختہ فرش کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُسے حیرت
ہو رہی تھی کہ آخر وہ کمرہ کہاں گیا۔ فرش بالکل برابر تھا۔ حمید نے گھبرا کر اپنی ران میں زور سے
چٹکی لی اور پھر اُسے یقین آگیا کہ وہ اب تک خواب نہیں دیکھتا رہا تھا.... اُس نے کتنی ہی دیا
سلائیاں پھونک ڈالیں۔ لیکن فرش میں کہیں کوئی دراڑ یا رخنہ نہیں دکھائی دیا اور ساتھ ہی یہ بات
بھی اُس پر واضح ہو گئی کہ وہ کسی ٹینس کورٹ میں کھڑا ہے۔

گولیوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں لیکن اب بھی کبھی کبھی کسی کی چیخ یا کراہ سنائی دے جاتی
تھی۔ حمید ٹینس کورٹ سے نکل آیا اور یہ دیکھ کر اُسے حیرت نہیں ہوئی کہ وہ اُس کارخانے ہی کی
چہار دیواری میں ہے۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ اُس اندھیرے میں آہستہ آہستہ رینگتا
ہوا چہار دیواری کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً پھر دھینگا مشتی اور توڑ پھوڑ کی آوازیں سنائی
دینے لگیں۔ ایک آدھ فائر بھی ہوئے۔

اب حمید کو فریدی کا خیال آیا۔ وہ اُس کی طرف سے غافل تو نہ رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس
نے حملہ ہی کر دیا ہو۔ مگر پھر خیال آیا کہ فریدی وافر ثبوت اکٹھا کئے بغیر اس قسم کا کوئی اقدام نہیں
کر سکتا۔ وہ اُس کے غائب ہو جانے کے سلسلے میں تلاشی تو لے سکتا تھا لیکن حملہ کرنے کی [illegible]ئی وجہ
نہیں ہو سکتی۔

حمید عمارت کے سرے پر پہنچ کر مڑ ہی رہا تھا کہ اُس نے کسی کو تیزی سے دوڑ کر اپنی طرف
آتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر دیوار سے جالگا۔ دوڑنے والا اُس کے [illegible]یب
گذر گیا تھا۔ پھر اُس نے ایک دوسرے آدمی کو بھی اسی طرف آتے دیکھا۔ وہ بھی دوڑ ہی رہا تھا۔
حمید چونک پڑا۔ [illegible]نے والے کی شکل نہیں دکھائی دی تھی لیکن اُس کے دوڑنے کا انداز بتا

رہا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ اس کی یہ دوڑ بھی نوعیت کے اعتبار سے کم حیرت انگیز نہیں تھی۔ فر
نے تقریباً چھ ماہ تک اس طرح دوڑنے کی مشق کی تھی۔ دوڑتے وقت وہ اپنے پورے جسم ک
ایسے زاویوں میں رکھتا تھا کہ انتہائی مشاق قسم کا کوئی نشانہ باز بھی اُسے اس حالت میں گولی نہ
سکتا تھا۔ مشق کے ابتدائی دور میں حمید اس پر غلیل سے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چلایا کرتا تھا
ایک وقت بھی آیا جب فریدی نے اس حالت میں اُسے ریوالور چلانے پر مجبور کیا۔

حمید نے سوچا کہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرے لیکن قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا فریدی
ہو چکا تھا۔ بہر حال اُسے اب یقین ہو گیا تھا کہ پولیس کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔

وہ پھر آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔ دفعتاً کسی طرف سے دو آدمی اُس پر
پڑے اور وہ قطعی بے بس ہو گیا۔ پھر وہ دونوں اُسے کھینچ کر روشنی میں لائے۔ حمید نے
پولیس کانسٹیبلوں کے نرغے میں پایا۔

انہوں نے تقریباً پندرہ بیس آدمیوں کو ہتھکڑیاں پہنا رکھی تھیں۔ انسپکٹر جگدیش
ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی موجود تھے۔ حمید کو وہ سب انسپکٹر بھی دکھائی دیا جسے سردار صفدر ن
کے لئے بلایا تھا۔

"سیٹھ دھنی رام....!" وہ چیخ کر حمید کی طرف بڑھا۔

"اوہ....!" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی اس کی طرف مڑا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُسے فریدی دکھائی دیا جو سردار صفدر کو بالوں سے پکڑ کر کھینچ
لا رہا تھا۔ سردار صفدر کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ اس طرح اچھل اچھل کر چل رہا تھ
اُس کا ٹخنہ یا کولہا اُتر گیا تھا۔ فریدی نے اُسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

"سیٹھ دھنی رام تو مل گئے۔" جگدیش نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی نے اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر سردار صفدر سے گرج کر پوچھا۔ "سرجنٹ
کہاں ہے؟"

"میں کیا جانوں! میں نہیں جانتا۔"

"میں جانتا تھا.... میں جانتا تھا۔" حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"کیا جانتے تھے؟" فریدی اس کی طرف تیزی سے مڑا۔

"ان کم بختوں نے میرا دیوالہ نکال دیا۔ میں مر جاؤں گا۔" حمید بدحواس ہو کر زمین پر بیٹھتا
ہوا بولا۔ "میرا ہارٹ فیل ہو رہا ہے ارے میں مرا۔"

اور پھر اُس نے ایسی آوازیں نکالنی شروع کر دیں جیسے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے گا۔

"جھوٹا ہے.... جھوٹا ہے۔" صفدر اپنی رانیں پیٹ کر چیخا۔ "یہ جابر کا شاگرد ہے.... جابر کا۔"

"ارے میں مرا.... میرا روپیہ....!" حمید نے پھر ہانک لگائی۔

"مکار.... سور.... کمینے....!" سردار صفدر چلایا۔

"ہائے میں نے اُسی وقت پولیس کو اطلاع کیوں نہ دی۔" حمید تقریباً رو کر بولا۔

"کب؟ کیا بات تھی؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا۔

"یہ سالے....!" حمید نے کہا اور شاید پھر وہ دو چار گالیاں بھی بکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ
ڈی۔ ایس۔ پی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"سیدھی طرح بتاؤ۔"

"انہوں نے نہ جانے کیوں ایک اینگلو انڈین لونڈیا کو ایک پولیس والے کے پیچھے لگا دیا تھا اور
پھر وہ مار ڈالی گئی۔"

"بکواس ہے....!" سردار صفدر چیخا۔

"تم تھے کہاں۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ارے کیا بتاؤں.... دھنی رام نے وہ دھن دیکھا ہے۔ بس رے بس۔"

"صاف صاف بتاؤ۔"

"ان لوگوں میں مجھے ایک تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا جس میں سونا پٹا پڑا ہے۔"

سردار صفدر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کہاں ہے.... وہ تہہ خانہ....!"

"اب تو پتہ نہیں کہاں ہے۔ ویسے کچھ دیر قبل ٹینس کورٹ پر تھا۔"

اس پر سردار صفدر نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ "آپ لوگ ایک پاگل آدمی کے چکر میں
پڑے ہوئے ہیں۔ ٹینس کورٹ پر تہہ خانہ.... چہ خوب۔"

"ہائے.... میرا.... روپیہ.... میں مرا۔" حمید نے پھر ہانک لگائی۔

وہ رات حمید کو بھی مجرموں کے ساتھ ہی حوالات میں بسر کرنی پڑی۔ سردار صفدر اور اُس کے ساتھیوں کو کڑی نگرانی میں رکھا گیا تھا حالانکہ اُن پر لگائے ہوئے الزامات میں سے ایک کا بھی ثبوت بہم نہیں پہنچا تھا لیکن سردار صفدر کے باندھ لئے جانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ایک مجرم تھا جس کو اب تک مردہ تصور کیا جاتا رہا تھا۔ رات بھر فریدی ایک ایک کر کے انہیں بلاتا رہا.... اور پھر صبح صرف حمید کو حوالات سے نکال لیا گیا۔ وہ ابھی تک سیٹھ دھنی رام ہی والے میک اپ میں تھا۔ فریدی اُسے الگ لے گیا۔

"وہ تہہ خانے والی بات کیا سچ نہیں تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی ٹھیک تھی۔"

"لیکن اُن میں سے کسی نے بھی اُس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ البتہ تمہارا معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔"

"شہزادے والی بات کیا تھی۔" حمید نے بیساختہ پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال یہ تہہ خانے والی بات صاف ہونی چاہئے ورنہ کچھ بھی نہ ہوا۔"

"میں نے آپ کو جو کچھ بھی بتایا ہے اُس میں سرمو فرق نہیں۔"

"مگر وہ ٹینس کورٹ!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کل رات بھی دیکھا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیا اُن میں سے کسی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ نقلی سونا بناتے رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....؟"

"پھر میرا معاملہ کس طرح صاف ہوا۔"

"انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے تھے اور محض اس کے متعلق صحیح اطلاع حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سارہ کو پھانسا تھا۔"

فریدی حمید کو اُس کمرے میں لایا جہاں محکمہ سراغ رسانی اور سول پولیس کے آفیسر بیٹھے تھے۔

"کہئے سیٹھ صاحب! آپ ان لوگوں کے چکر میں کیسے پھنس گئے تھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے

حمید سے پوچھا۔

"جناب والا یہ سیٹھ دھنی رام نہیں ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا؟ کیا میں نہیں پہچانتا۔" ڈی۔ آئی۔ جی منہ بنا کر بولا۔

"یہ سیٹھ دھنی رام کی نقل ہے۔ میرا اسرجنٹ حمید۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم ان تک مشکل ہی سے پہنچ پاتے۔"

پھر فریدی شروع سے پوری داستان دہراتا ہوا بولا۔ "اس بیچارے کو پھانسنے کے لئے اُن لوگوں نے بڑا شاندار پلان بنا رکھا تھا۔ ایک رات جب یہ ہوٹل ڈی فرانس کے رقص میں حصہ لے رہا تھا مجرموں کے دو آدمیوں نے جو اُس اینگلو انڈین نرس کے قریب کھڑے ہوئے تھے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ شہزادہ بہت اچھا ناچ رہا ہے اور پھر انہوں نے بلند آواز میں اس پراسرار شہزادے کی داستان چھیڑ دی جو عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے شوق میں اپنی ریاست سے یہاں بھاگ آیا تھا۔ سارہ نے اُن کی گفتگو صاف سنی اور چونکہ وہ فطرتاً رومان پسند تھی اس لئے اُس نے خود ہی حمید کی طرف جھکنا شروع کر دیا۔ حمید نے اُسے اپنا نام شاہد بتایا کیونکہ وہ پبلک لائف میں عموماً اپنی اصلیت چھپانے کے اصول پر کاربند ہے۔"

"اچھی عادت ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔

"دونوں دو ہی تین دنوں میں کافی گھل مل گئے۔" فریدی نے کہا۔ "پھر ایک دن دو تین مجرم سارہ سے ملے اور اُسے بتایا کہ وہ اُس کے دوست شہزادہ شاہد کی ریاست کے جاسوس ہیں اور اس سے یہ استدعا کی کہ وہ شہزادے کو راہ راست پر لانے میں ان کی مدد کرے، سارہ کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔ ویسے اس نے حمید سے کئی بار پوچھا کہ وہ اپنی شہزادگی کو پردہ راز میں کیوں رکھنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حمید اس سازش سے آگاہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ اس بات کو سارہ کا مذاق سمجھتا رہا۔ وہ لوگ برابر سارہ سے ملتے رہتے تھے۔ سارہ نے انہیں بتایا کہ وہ اس بات کا اعتراف ہی نہیں کرتا کہ وہ شہزادہ ہے اس پر انہوں نے اُس سے کہا کہ وہ کسی دن اُسے کسی ایسی جگہ لائے جہاں وہ لوگ پہلے ہی سے موجود ہوں پھر وہ لوگ اُسی کی زبان سے کہلوا دیں کہ وہ حقیقتاً شہزادہ ہے۔ اس طرح سارہ نے جھریالی کی سیر کا پروگرام بنایا اور وہاں اُن لوگوں نے حمید کو شراب پلا کر دلاور نگر سے آنے والے سونے کے متعلق اطلاعات بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ اتفاق سے حمید نے نشے کی

جھونک میں انہیں غلط اطلاع دے دی۔ لیکن وہ اُسے سچ ہی سمجھے تھے۔ پھر اُسی رات کو انہوں
سارہ کو قتل کردیا تاکہ حمید کو مشتبہ بنا کر محکمہ سراغ رسانی کو اُسی حادثے کے پیچھے لگا دیں
آسانی سے اپنا کام کرتے رہیں۔ اُسی دوران میں آزاد بینک کے سونے کے متعلق اخبارات
آگیا... اور میری توجہ کوؤں کے شکاریوں کی طرف مبذول ہوگئی۔"

"لیکن ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ وہ نقلی سونا بنا کر اصلی سونے کی جگہ کھپار
تھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اتفاق سے حمید صاحب اس تہہ خانے کی سیر بھی کر آئے ہیں جہاں سونے کا ا
زبردست ڈھیر تھا اور وہ ساری چیزیں بھی تھیں جن سے نقلی سونا بنایا جاتا ہے۔"

"لیکن وہ تہہ خانہ ہے کہاں....!"

"مجھے یقین ہے کہ میں اُسے کھود نکالوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

اُسی دن دوپہر کو فریدی اور حمید پولیس پارٹی کے ساتھ اس کارخانے میں مزید چھان
کر رہے تھے۔ سب سے پہلے وہ ٹینس کورٹ میں گئے۔

"سخت حیرت ہے۔" فریدی متفکرانہ انداز میں بولا۔ "اگر وہ کسی مشینی نظام کے تحت حرَ
کرتا ہے تو وہ خود بخود اوپر کس طرح آیا اور پھر نیچے کیسے چلا گیا۔ خیر یہ بتاؤ کہ جب اُس نے
اٹھنا شروع کیا تھا تو تم کیا کر رہے تھے۔"

"زندگی سے بیزار ہو رہا تھا۔"

"اونہہ! مذاق چھوڑو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم سے نادانستگی میں کوئی ایسی حرکت تو
ہوئی تھی جس سے مشین چل پڑی ہو۔"

"میں شاید اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔" حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

دفعتاً فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے
کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر اُس کے قدم
سے مشینوں والی عمارت کی طرف اٹھنے لگے۔

حمید بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ عمارت میں داخل ہوا۔ دونوں کئی کمروں سے گذ
ہوئے ہوئے ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں تاروں اور کئی قسم کی مشینوں کا جال سا پھیلا

ا۔ فریدی کچھ دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر ایک ڈائنامو چلا دیا جس
ے ساتھ ہی کمرے کی ساری مشینیں چلنے لگیں اور ان کے شور سے کان پھٹنے لگے۔

فریدی پھر کچھ دیر تک رک کر شاید کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

اچانک وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"اس کھڑکی سے ٹینس کورٹ صاف نظر آتا ہے۔ تم ذرا اُدھر کا دھیان رکھنا۔"

حمید کی نظریں کھڑکی سے گذر کر ٹینس کورٹ پر جم گئی تھیں۔ دفعتاً وہ چیخ پڑا۔

"وہ آیا.... ارے پھر غائب۔"

پھر وہ فریدی کی طرف مڑا جو ایک مشین کے پہیئے کو پکڑے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کورٹ میں
لڑے ہوئے کانسٹیبل بھی چیخنے لگے تھے اس کی حالت تو دیکھنے کے قابل تھی جو اُس کمرے کے
ساتھ ہی اٹھتا چلا گیا تھا اور پھر اُس کے غائب ہوتے ہی زمین کی سطح پر آگیا تھا۔

وہ دونوں دوڑتے ہوئے ٹینس کورٹ میں آئے۔ حمید نے جتنی چیزیں اُس متحرک کمرے
میں پچھلی رات کو دیکھی تھیں جوں کی توں موجود نظر آئیں۔

آفیسروں کو فون کیا گیا۔

اس واقعے کے آدھ گھنٹے کے بعد فریدی اُسی مشینوں والے کمرے میں اپنے آفیسروں کو اُس
پہیئے کے متعلق بتا رہا تھا۔

"پچھلی رات کو میری اور سردار صفدر کی مڈبھیڑ اسی کمرے میں ہوئی تھی۔ پھر میں اُسے
ڈھکیلتا ہوا اس پہیئے تک لایا تھا۔ اتفاقاً وہ اس ہینڈل سے ٹکرایا اور پہیہ گھوم گیا۔ میں اُسے ہینڈل ہی
پر دبائے رہا۔ کسی طرح وہ پھر میری گرفت سے نکل گیا اور پہیہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اس وقت
جب میں حمید سے اس کے متعلق گفتگو کر رہا تھا تو اچانک مجھے رات کی بات یاد آگئی اس وقت بھی
مشین چل ہی رہی تھی۔ اس کمرے کی پوری مشینری کا تعلق اُسی متحرک تہہ خانے سے معلوم
ہوتا ہے۔"

آزاد بینک کا سارا اصلی سونا اسی تہہ خانے سے برآمد ہوا اور کافی مقدار میں نقلی سونا بھی ملا۔

یہ سارا ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد سے اب تک سرجنٹ حمید کیمیا کے نسخوں کے چکر میں پڑا
ہوا ہے۔ خصوصاً "خون تیرہ" کا معمہ تو اُس کے لئے سوہان روح بن گیا ہے وہ روز ہی کسی نہ کسی

کالی جاندار شے کا خون کر ڈالتا ہے.... کالی بلی.... کالا کتا.... کالی مرغی.... البتہ ہاتھیوں سے پہلے بھی محبت کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔

ایک دن ایک کلوٹی سی لڑکی کو بھی پکڑ لایا تھا لیکن بعد میں فریدی کو بتایا کہ اسے اس کا نام یتیم یتیم سا معلوم ہوا تھا اس لئے اُس نے اُسے ذبح نہیں کیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 28

بے گناہ مجرم

(مکمل ناول)

پیش رس

اس ناول کی کہانی اپنے پیچیدہ پلاٹ کے اعتبار سے دنیا کی چند انتہائی پُراسرار کہانیوں میں سے ایک ہے۔ ایک شخص جو قاتل ہے مگر جو بے گناہ ہے۔ ایک عورت جس نے شوہر کو دھوکا دیا! ایک عجیب و غریب گڑیا! ایک آدمی جو گرمیوں میں پاگل ہو جاتا ہے، جس کی مونچھیں، ابرو، پلکیں، چندیا سب کچھ صاف تھی! قتل کا ایک حیرت انگیز کیس! جس میں میاں حمید بے پناہ طور پر دلچسپی لے رہے ہیں۔ حمید کے انوکھے لطیفے، اس کے قہقہے آپ کبھی نہ بھول سکیں گے۔ فریدی نے زیادہ پریشانی نہیں اٹھائی۔ مگر ایک منزل پر پہنچ کر وہ بھی چکرا جاتا ہے۔ ابن صفی کا یہ دلچسپ پُراسرار کارنامہ آپ بار بار پڑھیں گے۔

پبلشر

دو چیخیں

پرویز اس وقت چونکا جب شیشے کی دوات اس کی مٹھی میں چکنا چور ہو گئی۔ شیشے کے ٹکڑے ں نے فرش پر ڈال دیئے اور سیاہی بھرا ہوا ہاتھ میز پوش کے کونے میں پونچھنے لگا۔ آس پاس ئی بھی موجود نہیں تھا، البتہ مینٹل پیس پر رکھی ہوئی گھڑی کی "ٹک ٹک" اُسے ایسی لگی جیسے کوئی دی اُس کی حالت پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے "چہ چہ" کر رہا ہو۔

پرویز چند لمحے گھڑی کو گھورتا رہا پھر اُس نے میز پر سے پیپر ویٹ اٹھا کر اس زور سے گھڑی مارا کہ وہ بھی جھنجھناتی ہوئی فرش پر آگری۔

راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور اُس کا بوڑھا نوکر رانو دروازے کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک گیا۔

"بھاگ جاؤ" پرویز نے چیخ کر دوسرا پیپر ویٹ اٹھایا۔

رانو سامنے سے ہٹ کر چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ وہ تین سال سے پرویز کے ساتھ تھا اور اس عرصے میں اُس نے اُسے ایک بار بھی ہنستے تو کیا مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی دانست میں اس کا آقا دنیا کا عجیب ترین آدمی تھا۔ دنیا کا عجیب ترین جوان، جو انتہائی خوبصورت ہونے کے باوجود بھی اپنی شخصیت کو خاک میں ملا رہا تھا، جو دولتمند ہونے کے باوجود بھی دولت کی طرف سے قطعی بے پروا تھا۔ رانو نے آج تک اس کے کسی دوست کو نہیں دیکھا تھا۔ اس سے کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اور نہ وہ خود ہی کہیں باہر جاتا تھا۔ اس کا وقت یا تو اس عمارت کے کمروں میں گزرتا یا پھر پائیں باغ میں! جب اُس نے یہ کوٹھی خریدی تھی تو پائیں باغ کی چہار دیواری زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ بلند رہی ہو گی، لیکن کوٹھی خریدنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ چہار دیواری کافی اونچی کرادی اور

سلاخوں دار پھاٹک بدلوا کر ایسا پھاٹک لگوایا جسے بند کرا دینے کے بعد دوسری طرف کی چیز دکھائی دیں۔ پڑوسیوں نے بھی اُس کی اس حرکت کو حیرت کی نظروں سے دیکھا تھا۔

رانو کو اس کی ہر عادت غیر معمولی معلوم ہوتی تھی اور ہر مشغلہ انتہائی خوفناک، وہ اوقات پائیں باغ میں جال لگا کر ننھے ننھے پرندے پکڑتا۔ پھر ان میں سے نروں کو اڑا دیتا لیکہ پرندوں کو ایسی ایسی اذیتیں دے کر مارتا کہ رانو کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ ان کے پر انہیں ایسی جگہ ڈال دیتا جہاں چیونٹیاں بکثرت ہوتیں۔ پھر وہ گوشت کے اُن لوتھڑوں کی اتنی محویت سے دیکھتا جیسے اس کی روح نور کے سمندر میں غوطے لگا رہی ہو۔

تتلیوں کو پکڑ کر ان کے پروں کو گوند سے چپکا دیتا اور پھر ان کے ننھے ننھے پروں کو ایک کر کے بلیڈ سے کاٹتا۔ درختوں پر دوڑتی ہوئی گلہریوں پر چاقوؤں سے نشانہ لگاتا اور نوکیلے والے چاقو ان کے جسموں سے گذر کر شاخوں میں پیوست ہو جاتے اور وہ اسی طرح پھنسی پھڑپھڑاتی اور کربناک آوازیں نکالتی رہتیں۔

رانو کبھی اس سے نفرت کرتا اور کبھی اُسے اس پر رحم آنے لگتا۔ رحم اس وقت آتا ج اُسے یونہی بلاوجہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھتا۔

گھر میں چار نوکر تھے جن میں مالی بھی شامل تھا۔ یہ سب اپنے مالک سے بظاہر بیزار تھے اُسے چھوڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ نوکروں کے معاملہ میں بڑا فراخ دل تھا۔ ان کی فروگذاشتہ انہیں کبھی کچھ کہتا نہیں تھا۔ اخراجات کا حساب تو خیر آج تک لیا ہی نہیں تھا۔ تنخواہیں اچھی دیتا تھا۔ ان میں سے اگر کبھی کوئی بیمار ہو جاتا تو ایسی تندہی سے اس کی دیکھ بھال کرتا جیسے وہ کوئی عزیز ہو!

بوڑھے رانو کو افیون کی لت تھی۔ اس کا بار بھی پرویز ہی سنبھالے ہوئے تھا۔ مالی ہر شام کو شراب ضرور پیتا اور بے طرح پیتا تھا۔ اسکے اخراجات بھی پرویز ہی کی جیب سے نکلتے۔ اگر وہ کبھی ان پر خفا بھی ہوتا تو بعد میں معافی ضرور مانگ لیتا۔ لہٰذا آج بھی یہی ہ تھوڑی دیر تک اسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ پھر باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے پر نرمی کے آثار ہوگئے تھے اور حلقوں سے اُبل پڑنے والی آنکھیں پھر بوجھل سی نظر آنے لگی تھیں۔ اس کی اداسی لوٹ آئی تھی معمول کے اوقات میں وہ عموماً ایک انتہائی غمزدہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"رانو....!" اس نے رانو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا، جو اس کی طرف پشت کئے کھڑا پائیں غ میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ چونک کر مڑا اور گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے بُرا تو نہیں مانا۔" پرویز آہستہ سے بولا۔

"نہیں سرکار! بالکل نہیں....!" رانو کی باچھیں کھل گئیں۔ "مگر سرکار مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔"

"کس بات کا۔"

"آپ اپنی بالکل خبر نہیں لیتے.... آپ کسی ڈاکٹر....!"

"تو کیا تم مجھے پاگل سمجھتے ہو...." پرویز نے اس کی بات کاٹ دی۔ لیکن اُس کے لہجے میں ب بھی نرمی تھی۔

"نہیں صاحب.... مگر آپ کی صحت۔"

"مجھے کیا ہوا۔" پرویز اپنے چوڑے چکلے سینے اور بازوؤں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"مگر صاحب رئیسوں کی یہ شان نہیں کہ ایک کونے میں بند بیٹھے رہیں۔"

پرویز بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"باہر کی دنیا بڑی حسین ہے صاحب۔" رانو پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔"

رانو نے محسوس کیا کہ آج پرویز کا موڈ کچھ ٹھیک ہے، ورنہ اس سے قبل کئی بار اس مسئلے پر جھنجھلا چکا تھا۔ وہ جب بھی اس کی تنہائی پسندی کے سلسلے میں کچھ کہتا پرویز کو غصہ آجاتا اور وہ اُسے سخت سست کہہ کر دوسری طرف نکل جاتا۔ اُس نے سوچا کہ آج وہ مسئلہ بھی چھیڑے جس کے متعلق پوچھنے کی آج تک ہمت نہیں پڑی تھی، نہ صرف رانو بلکہ دوسرے ملازمین بھی اُس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔ لیکن اُن میں سے کسی نے بھی پرویز سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ رانو کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات کس طرح چھیڑے۔

آخر کار وہ سوچتا ہی رہ گیا.... اور پرویز.... وہ تو کبھی کا اندر جا چکا تھا۔

وہ معاملہ تھا بھی بڑا خوفناک! انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس کی اطلاع پولیس کو نہ ہو جائے لیکن خود انہوں نے اس کا تذکرہ باہر کسی سے نہیں کیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ اُس کمرے تک اُن کی رسائی ہی نہیں تھی جہاں وہ سب کچھ ہوتا تھا

ورنہ نوکر تو آسمان میں تھگلی لگاتے ہیں۔ اس کمرے کے دروازے میں ایک بڑا سا قفل پڑا
جس کے کھلنے اور بند ہونے کا انحصار ہندسوں کی ترتیب پر تھا۔ اور وہ ترتیب پرویز کے علا
کسی کو نہیں معلوم تھی۔ دروازے کے سارے رخنے بند کر دیئے گئے تھے، اس لئے باہر سے
حال دیکھنا قطعی ناممکن تھا۔

پرویز کا معمول تھا کہ وہ ہر رات کھانا کھانے کے بعد اس کمرے میں ضرور جاتا تھا
سارے نوکر لرزنے لگتے تھے۔ کمرے کے اندر سے "شراپ شراپ" کی آوازیں آتیں
معلوم ہوتا جیسے کوئی کسی پر کوڑے برسا رہا ہو۔ پھر کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگتیں۔

تھوڑی دیر بعد پرویز باہر نکل کر کمرے کو مقفل کر دیتا۔ اس کے چہرے پر ایسی ہیبت
ہوتی کہ نوکر اُس سے آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔

یہ بات آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ عورت کون تھی؟ اور کیا وہ اُسی
میں بند رہا کرتی تھی؟ اگر وہ اس کمرے ہی میں رہتی تھی تو اب تک زندہ کیسے تھی؟ پرویز
سلسلہ تقریباً دو ماہ سے شروع کر رکھا تھا تو کیا وہ کچھ کھائے پیئے بغیر دو ماہ سے زندہ تھ
کمرے کا دروازہ دن میں کبھی نہیں کھولا جاتا تھا۔ رات کو بھی پرویز خالی ہاتھ ہی اندر جا
بہر حال یہ معمہ کسی طرح حل نہیں ہو سکا تھا۔

کبھی کبھی نوکر یہ بھی سوچنے لگتے تھے کہ کہیں وہ کوئی خبیث روح نہ ہو، رانو اکثر راز
انداز میں بقیہ نوکروں سے کہتا۔

"صاحب پر ضرور کسی چڑیل کا سایہ ہے، حسین اور تندرست آدمیوں پر اکثر چڑیلیں
ہو جاتی ہیں اور زندگی بھر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

اس پر مالی کہتا۔

"میں ہوتا تو سالی کی چوٹی کاٹ لیتا۔"

"بڑے تیس مار خاں ہیں۔" بندو کہتا۔

"ابے ہاں ہاں۔" مالی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتا۔ "ذرا عاسک ہو کر دیکھے تو سالی، ابے
دادا نے بھی ایک چڑیل کی چوٹی کاٹی تھی اور مرتے دم تک اسے ازار بند میں باندھے رہے۔"

"بھلا ازار بند میں کیوں باندھے رہے۔" بندو پوچھتا۔

"بس ازار بند ہی میں تو ہاتھ نہیں لگاتیں۔" رانو محققانہ انداز میں بولتا۔

"اچھا بابا کیا یہ سچ ہے۔ چڑیلوں کے پنجے پیچھے اور ایڑیاں آگے ہوتی ہیں۔"

رانو اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لا کر ہلا دیتا۔

"یار اپنے اوپر تو کوئی چڑیل بھی عاسک نہیں ہوتی۔" بندو آہ بھر کر کہتا۔

"بس کر یار میرے! اگر جو کہیں کوئی سن ہی رہی ہو تو۔" شکور بول پڑتا۔

"کھدا قسم اپنے کو تو چڑیل ہی مل جاتی۔" بندو اس طرح اکڑ کر کہتا جیسے اپنے ساتھیوں پر
اہر کر رہا ہو کہ وہ چڑیلوں سے نہیں ڈرتا۔

شروع شروع میں انہیں رات رات بھر نیند نہیں آتی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ اس کے
دی ہوتے گئے تھے اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ چڑیل اس کمرے سے نکل کر کم از کم انہیں
یشان نہیں کرے گی، پہلے وہ یہی سمجھے تھے کہ وہ سچ مچ کوئی عورت ہی ہے، مگر جب کچھ عرصہ
زر گیا تو انہیں اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ اگر وہ کوئی عورت تھی تو اس نے اپنی رہائی کے لئے ہنگامہ
یوں نہیں کیا۔ اگر وہ وہاں قید تھی تو کسی وقت دن میں بھی تو اس کی آواز سنی جاتی۔

رانو بڑی دیر تک کھڑا اس معاملے پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے "اونہہ" کہہ کر اپنے شانوں کو
ھٹک دیا۔ آخر اُسے ان معاملات میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ سات بج گئے تھے اور اندھیرا گہرا
ہوتا جا رہا تھا۔ باورچی خانے میں سیخوں پر بھونے جانے والے مرغ مسلم کی خوشبو فضا میں تیرتی
پھر رہی تھی۔ رانو نے پچ سے زمین پر تھوک کر آستین سے ہونٹ صاف کئے اور سونے سے قبل
الی افیون کی چسکی کے خیال میں مگن ہو گیا۔ مرغ کی روغن دار ملائم ہڈیوں کا تصور بھی اس کی
روح کی جڑیں سہلانے لگا تھا اس نے سوچا کہ سالا مرغ بھی اگر ہاتھی کے برابر ہوتا تو مزہ آجاتا۔

رانو اندر لوٹ آیا۔ پرویز آنکھیں بند کئے ایک آرام کرسی پر پڑا تھا۔ اور وہ کھانے کے وقت
تک اسی طرح پڑا رہا۔

رانو باورچی خانے کے دروازے پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صاحب زیادہ سے زیادہ
ایک ٹانگ کھائیں گے۔ کاش دوسری ٹانگ اسے مل جاتی۔ مگر وہ سالا بندو بھلا کیوں اسے دینے لگا۔
وہ ٹانگ کھلائے گا.... شکورا کو جو اُسے اکثر اپنے ایک عزیز کے یہاں لے جاتا ہے جسکی لونڈیا
کرنیٹوں کے بھی کان کاٹتی ہے۔ اُس کے حصے میں شاید پیٹھ کی ہڈی آئے۔

گھڑی نے آٹھ بجائے۔ پرویز کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ملازموں نے برتن
اور باورچی خانے میں آبیٹھے۔ رانو نے پہلے ہی تہیہ کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا مرغ کی ٹا
ہی پر ہاتھ مارے گا۔ لہٰذا کھانا سامنے رکھ کر انہوں نے جھگڑنا شروع کر دیا۔ مالی رانو کا طرفدار ہو

"میں خوب سمجھتا ہوں۔" رانو سر ہلا کر بولا۔ "مگر بیٹا اس سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"لو! تھرو۔" بندو نے پورا مرغ رانو کے سامنے پٹخ دیا۔

"مطلب کیا ہے تیرا....؟" رانو بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بیٹھ بھی بابا۔" شکور اُس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "چل تو ہی کھا لے۔ ہی ہی ہی"

"اب تو سالے پر تھوکوں بھی نہیں۔" رانو نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا

"آج اسی کی بات مان لیتے۔" مالی بڑبڑایا اور پھر بندو بھی پھٹ پڑا۔

لیکن ان کا یہ جھگڑا دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ پہلے انہوں نے کسی عورت کی چیخ سنی اور اس
بعد ہی کسی مرد کی چیخ سنائی دی۔

چاروں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"صاحب۔" رانو نے آہستہ سے کہا اور چاروں کھڑے ہو گئے کیونکہ پرویز کی چیخ انہوں
پہلی بار سنی تھی۔

پھر وہ چاروں اس کمرے کی طرف دوڑے۔ راہداری میں اندھیرا تھا۔ انہوں نے قریب
کسی کی گہری گہری سانسوں کی آواز سنی۔

"رانو.... بندو....!" پرویز کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔ "روشنی۔"

اس راہداری کا بلب کئی دن ہوئے فیوز ہو گیا تھا اور ابھی تک اُسے بدلا نہیں گیا تھا اس
یہاں عموماً اندھیرا ہی رہتا تھا۔

بندو ٹارچ لانے کے لئے دوڑا۔

"کیا بات ہے صاحب۔" رانو نے پوچھا۔

"بات.... بات.... پتہ نہیں۔" پرویز ہانپتا ہوا بولا۔

اتنے میں ٹارچ آ گئی۔ نوکروں نے پرویز کی حالت کو بڑی حیرت کی نظروں سے دیکھا
کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ رہی تھیں اور وہ اس

…ب رہا تھا جیسے دمے کا مریض ہو۔ اُس نے مڑ کر اس پُراسرار کمرے کی طرف دیکھا جس کا
…ازہ کھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ سے ٹارچ پکڑی اور کمرے کی طرف بڑھنے
…نوکر خوفزدہ تھے، اس لئے ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے میں جلدی نہیں کی، وہ آٹھ
…قدم پیچھے ہی تھے کہ پرویز کمرے میں داخل ہوا اور نوکروں نے پھر اس کی چیخ سنی، وہ جہاں
…وہی رک گئے۔ ہر ایک کے دل کی دھڑکنیں اس کے سر میں دھمکتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں،
…م بخود کھڑے رہے۔ انہیں شاید پرویز کے پکارنے کا انتظار تھا۔ پھر انہوں نے پرویز کو کمرے
…نکلتے دیکھا۔ ٹارچ روشن تھی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا راہداری طے کر رہا تھا۔ وہ ان کے قریب سے
…گیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ اسی آرام کرسی پر گر گیا جس پر شام سے لیٹا ہوا تھا۔

"صاحب۔" رانو سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"پانی....!" پرویز کی آواز میں بہت زیادہ نقاہت تھی۔

پانی پی چکنے کے بعد اُس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور پھر کسی نے بولنے کی ہمت نہیں کی۔
…سوچ رہا تھا کہ وہ آج اس کمرے کو کھلا ہی چھوڑ آیا ہے؟.... آخر کیوں؟.... اور آج وہ خود
…کیوں دو بار چیخا تھا؟

"پولیس کو فون کر دو۔" پرویز تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پولیس کو....!" رانو تقریباً چیخ پڑا۔

"ہاں۔"

"کس لئے صاحب! کیوں؟"

"میں نے اُسے مار ڈالا ہے۔"

"کسے؟" رانو کا دم گھٹنے لگا۔

"ان سے کہہ دو کہ میں بے گناہ ہوں.... میں نے اُسے مار ڈالا ہے.... میرے خدا....
…ہے؟ تم ابھی تک گئے نہیں! فون کر دو! کوتوالی کا نمبر تین سو پندرہ ہے.... جاؤ۔"

"کیا کہہ دوں۔" رانو تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"بہرے ہو! کیا سنا نہیں۔" پرویز اس طرح بولا جیسے خود اُسے اپنی آواز نہ سنائی دے،
ہو۔ "کہہ دو یہاں قتل ہو گیا ہے۔"

پُراسرار لاش

سرجنٹ حمید نے اندھیرے میں ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ فریدی نے پلٹ کر
کی روشنی ڈالی اور حمید بیٹھ کر اُس پتھر کو سہلانے لگا جس سے ٹھوکر لگی تھی۔

"یہ کیا حماقت؟" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"برابر کر رہا تھا، کہیں بُرا نہ مان گیا ہو۔"

"بالکل ہنسی نہیں آئی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ اس پتھر نے بھی میرے معافی مانگنے پر مسکرا کر یہ نہیں کہا کہ کوئی بات نہیں"

"اٹھو نہیں تو ٹھوکر مارتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"البتہ اس معاملے میں پتھر آپ سے زیادہ بلند واقع ہوا ہے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہنسنے ہنسانے کے چکر میں پڑ کر بالکل احمق ہو گئے"
فریدی بولا۔

"اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس پتھر سے بھی بدتر ہیں۔"

"بکو مت! زیادہ بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔"

"شاید پانچ سو پچھترویں بار آپ یہ جملہ دہرا رہے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "
ہے کہ پانچ سو چھترویں بار بھی آپ یہی جملہ دہرائیں گے۔ لہٰذا اب اس میں کچھ رد و بدل کیجئے

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔

"بہتر یہ ہو گا کہ اس جملے کی ترتیب بدل دیجئے۔ مثلاً زیادہ کھلنے بھی لگتا بچپنا۔ مت بکو
اس جملے کے الفاظ کے شروع کے حروف میں الٹ پھیر کر دیجئے جیسے بت بکو! بیادہ زچپنا کھی
لگتائے.... یا پھر آخر کے حروف۔"

"یار خدا کے لئے پیچھا چھوڑو۔"

"چھوڑ دیا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "لیکن میں کل سے اس چکر میں نہیں پڑوں گا۔"

"وہ تو پڑنا ہی ہو گا۔"

"سنئے جناب!" حمید جھلا کر بولا۔ "یا تو میں خودکشی کر لوں گا یا اس ڈاکٹر کو گولی مار دوں گا جس
نے آپ کو ہوا خوری کا مشورہ دیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے۔ سارے شہر کا پیدل چکر لگاتے پھریئے۔"

"خودکشی سے بہتر تو یہ ہو گا کہ تم کسی تندرست آدمی کے ساتھ کہیں بھاگ جاؤ جو تمہیں
کما کر کھلا سکے۔"

"بالکل نہیں.... بچا یہ جملہ۔" حمید کھرکھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"فکر نہیں۔"

"اور یہ بھی نہیں کہ سڑکوں ہی کے چکر کاٹے جائیں۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کھائیاں اور نالے بھی پھلانگئے۔ ڈاکٹر نے دھکے کھانے کے لئے نہیں، ہوا خوری کے لئے
کہا تھا۔ ساری دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے، مگر اپنے یہاں کے ڈاکٹر ڈیوٹ کے ڈیوٹ ہی رہے۔ اس
زمانے میں جب کہ سارے کام مشینوں سے لئے جا رہے ہیں نہ جانے ہوا خوری کم بخت کیوں
رجعت پسندی کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"اوہو.... تو آپ ہی سوچئے نا کوئی ترقی یافتہ طریقہ۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"سوچ لیا ہے؟" حمید نے اکڑ کر کہا۔

"فرمایئے۔"

"سائیکل کا پمپ.... گھر بیٹھے ہوا خوری فرمایئے۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"ترکیب استعمال کیلئے پتہ لکھا ہوا لفافہ اور چار آنے کے ٹکٹ ارسال فرمایئے۔" حمید پھر بولا۔

"چلتے رہو چپ چاپ۔" فریدی نے اُسے دھکا دیا۔

"سچ کہتا ہوں زندگی سے جی اُچاٹ ہو گیا ہے۔" حمید نے کسی تھکے ہوئے بوڑھے کی طرح
کہا۔ "اب میں بقیہ زندگی یاد خدا میں گذارنے کے لئے جنوبی امریکہ چلا جاؤں گا۔ یہ بھی کوئی
زندگی ہے۔ بس تھکتے رہو۔ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اگر کچھ کام نہیں تو پیدل چلو۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ پانچ بجے سے اب تک کئی میل کا چکر لگا چکے تھے۔ ادھر کئی

دنوں سے فریدی نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے مشورے پر ہواخوری کا مشغلہ شروع کر
اس کے ساتھ حمید کو بھی گھسٹنا پڑتا تھا۔ یعنی اس کا وہ فالتو وقت جو رقص گاہوں اور نائٹ کل
میں صرف ہوتا تھا اب ہواخوری کی نذر ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حمید نے اس پر ضرورت سے
ہلڑ مچایا ہوگا۔ تاؤ تو اُسے دراصل اس بات پر آتا تھا کہ آخر یہ خواہ مخواہ ہواخوری کا بھوت
سوار ہو گیا۔ ہواخوری یا پیدل چلنے کا مشورہ انہیں لوگوں کو دیا جاتا ہے، جو کسی مرض میں
ہوں، لیکن یہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔

"تو آپ نہیں بتائیں گے؟" حمید تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"کیا....؟"

"یہی کہ آخر ڈاکٹر نے یہ مشورہ دیا ہی کیوں؟"

"اس لئے کہ آج کل تمہیں گہری نیند آتی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے....!" حمید بوکھلا کر بولا۔

"ہاں....ہاں تمہیں۔"

"اور اس نے مشورہ آپ کو دیا ہے۔"

"یہ مشورہ میں نے تمہارے ہی لئے طلب کیا تھا۔"

"یعنی اتنے دنوں سے آپ مجھے اُلو بنا رہے ہیں۔"

"اُلو نہیں آدمی بنا رہا ہوں۔ اُلو تو تم سوتے وقت ہو جاتے تھے۔ ادھر سے البتہ اس
میں کچھ افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یعنی....!"

"سوتے وقت اس بُری طرح شور مچاتے تھے کہ خدا کی پناہ.... اور یوں کہ ساری
صاف سمجھ میں آتی تھیں اور وہ ساری باتیں اتنی بدبودار ہوتی تھیں کہ ناک پھٹنے لگتی تھی۔"

"مثلاً....!"

"مثلاً یہ کہ ہائے ہائے کیا رنگت ہے۔ ارے مار ڈالا، کیا مسکراہٹ ہے، چال ہے کہ
یہی نہیں بلکہ عورتوں کی قسمیں اور ان کے عادات و خصائل بھی گنوانے لگتے ہو۔ لمبی ناک
نفاست پسند ہوتی ہے۔ چھوٹی آنکھ والی خوشامد پسند اور کینہ توز ہوتی ہے۔ کلوٹیاں گاڑھی

رتی ہیں۔ بڑے دانتوں والی حاسد اور شکی ہوتی ہے اور بھی نہ جانے کیا کیا اَلا بَلا۔"

"تو کیا یہ بدبودار باتیں تھیں۔" حمید نے بھنا کر پوچھا۔

"نہیں بڑی اونچی باتیں تھیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"بہر حال آپ کل سے مجھے اس طرح نہیں ٹہلا سکتے بھلا کوئی تک ہے.... واہ وا....؟"

"اوہ....!" دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ وہ اس وقت ایک آبادی کی پشت سے گذر رہے
تھے۔ اُنکی بائیں طرف بڑی بڑی عمارتوں کا ایک لامتناہی سا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ حمید بھی رک گیا۔
ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک عمارت کی دیوار پر جم گیا تھا۔

"نقب....!" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

دیوار میں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آرہا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بہ آسانی گذر سکتا تھا۔
یوار سے نکالی ہوئی اینٹیں نیچے ڈھیر تھیں۔ فریدی نے ادھر اُدھر دیکھا یہ عمارت دوسری
ارتوں سے قطعی الگ تھی۔

وہ دونوں دیوار کے نیچے آگئے۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں
ھائیں بھی اندھیرے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ بجھا دی اور دیوار سے
ل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر نقب کے مہرے میں پھینکا جس کے گرنے کی آواز
نائی دی۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دونوں اندر پہنچ گئے اور ٹارچ کی روشنی زمین پر پڑتے ہی حمید اچھل کر
یچھے ہٹ گیا۔ ایک عورت کمرے کے فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

"کیا مطلب....!" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

اس کمرے میں دوسری طرف ایک ہی دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کھڑکیاں نہیں تھیں۔ ایک
رف ایک بڑا سا لکڑی کا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اسی کے سامنے دوسرے گوشے میں ایک چھوٹی سی
ل میز تھی، جس پر سیاہ رنگ کا ایک بکس تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک عورت پر جھکا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"لاش....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے سے نکل گیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی دبے پاؤں چل رہا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچ کر اُس نے آوازیں سنیں۔ وہ کچھ دیر کے رکا اور پھر یک دم برآمدے میں آگیا۔ گفتگو کرنے والے ٹھٹک گئے اور وہ جو آرام کرسی پر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی انہیں تیز نظروں سے گھورتا رہا، بقیہ چار آدمی نوکر معلوم ہوتے تھے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے خود ہی سکوت توڑا۔

"آپ کون ہیں؟" پرویز کی آواز میں خوف تھا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں کہ اس عمارت کے ایک کمرے میں....!" فریدی کا جملہ ہونے سے پہلے ہی پرویز پھوٹ پڑا۔

"میں بے قصور ہوں.... وہ میرے ہاتھوں مری ہے۔ مگر میں بے قصور ہوں۔"

فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔

"وہ کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ....!" پرویز اس طرح چونکا جیسے یک بیک سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ "وہ کون۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں اور ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کی دکھائی دی پھر اگر فریدی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتا تو وہ سیدھا زمین پر ہی آیا ہوتا۔ ا آنکھیں بند تھیں اور سانسیں رک رک کر آرہی تھیں۔ فریدی نے اُسے آرام کرسی پر ڈال

"کیا بات ہے۔" فریدی نوکر کی طرف مڑا۔

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"فون ہے یہاں۔" فریدی نے پھر سوال کیا۔

"نہیں....!" رانو ہکلایا۔ "پڑوس میں ہے۔"

"کوئی ڈاکٹر قریب ہے۔"

"جی ہاں....!"

"بلا لاؤ اُسے، میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

رانو جانے لگا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور راہداری کے سرے پر جا کر حمید کو آواز دی۔ حمید شاید راہداری ہی میں فریدی کی آواز پر دوڑ پڑا۔

"ان کے ساتھ جاؤ۔" فریدی نے رانو کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔ "کوتوالی فون کر دینا.... اور ڈاکٹر....؟"

حمید نے پرویز کی طرف دیکھا۔

"بیہوش ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "جلدی کرو۔"

حمید رانو کے ساتھ چلا گیا۔

"وہ عورت کون ہے؟" فریدی نے بقیہ نوکروں سے پوچھا۔

"کون عورت....؟" تینوں بیک وقت بولے اور فریدی حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کیا یہاں چوری بھی ہوئی ہے؟"

"نہیں تو....!" شکورا بولا۔ شاید اُس نے اپنے خوف پر قابو پالیا تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اُس نے کہا۔ "مگر صاحب نے ابھی پولیس کو فون کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے کہا اور راہداری کی طرف جانے لگا۔ سرے پر پہنچ کر وہ مڑا۔ تینوں نوکروں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی تھی۔

"کیوں....؟" اس کی آواز بلند ہو گئی۔

"آپ ہیں کون۔" بندو خوفزدہ آواز میں بولا۔ "اندر کیسے آئے۔ پھاٹک تو بند ہے۔"

"میں تمہیں یہی دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیسے آیا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

مالی آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُسکے منہ سے بے ہنگم سی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اُبے اُبے۔" بندو اور شکور روہانسی آواز میں چیخے اور پھر انہوں نے بھی مالی کے سر میں سر ملانا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تینوں کو فرنجک ہو گئی ہو۔

"چپ رہو۔" فریدی انہیں ڈانٹ کر ان کی طرف بڑھا لیکن اُس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی تینوں لہرا کر زمین پر گر پڑے۔

"کیا مصیبت ہے۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ تینوں بھی بیہوش ہو چکے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کبھی وہ راہداری کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاروں کی طرف۔

ایک خیال تیزی سے اُس کے ذہن میں گونجا۔ کہیں یہ مکاری تو نہیں کر رہے ہیں۔ یہ
اعتراف جرم اُسے یاد آ رہا تھا۔ ساتھ ہی نوکروں کی لاعلمی بھی اس کے ذہن میں تھی۔ انہوں
گھر میں کسی عورت کے وجود سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ پھر وہ نقاب؟ آخر بات کیا ہے؟

وہ دس پندرہ منٹ تک خیالات میں کھویا رہا۔ چاروں آدمی ابھی تک بیہوش پڑے
قدموں کی آواز سن کر وہ چونکا۔ حمید اور رانو ڈاکٹر کو لے آئے تھے۔

"اوہ.... یہ بھی گئے۔" حمید نوکروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو

"کیوں....؟"

"بوڑھے سے جو کچھ معلوم ہوا تھا اس کی بناء پر میں نے یہی اندازہ لگایا تھا۔"

فریدی اس پر کوئی دوسرا سوال کرنے کی بجائے ڈاکٹر کی طرف مڑا، جو پرویز پر جھکا ہو
دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔

"یہ بیہوش نہیں! نیند ہے۔ گہری نیند، جو شاید آسانی سے نہ ٹوٹ سکے۔ کیا یہ انسومنیا (بے
خوابی) کا مریض ہے۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

تینوں نوکروں کے متعلق ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی بیہوشی کی وجہ غالباً خوف ہے۔

"ایک لاش بھی ہے۔" فریدی نے ڈاکٹر سے کہا۔

"لاش....!" ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"جی ہاں۔ میرے ساتھ آیئے۔" فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

پھر وہ رانو کو بھی اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتا ہوا راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

لاش دیکھ کر رانو چیخ پڑا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر لاش سیدھی کر دی اور رانو سے ب
"یہ کون ہے؟"

"ہم.... میں.... نہیں جانتا۔"

"کبھی نہیں دیکھا....؟"

"نہیں.... کبھی نہیں۔" رانو نے کہا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نقاب کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر لاش کو دیکھتا رہا۔ اس نے فریدی کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر مقتولہ کی گردن دیکھ

ھڑا ہو کر بولا۔

"آخر بات کیا ہے۔ پولیس کو اطلاع ہوئی یا نہیں۔ اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔"

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور بات ابھی تک میری سمجھ
یں بھی نہیں آئی۔"

ریوالور کی کہانی

پولیس آ گئی تھی۔ حمید نے خاص طور سے جگدیش کو فون کیا تھا اور اتفاق سے وہ اُس وقت
وتوالی ہی میں موجود تھا۔ تینوں نوکروں کو ہوش آ گیا تھا۔ لیکن پرویز کی حالت بدستور وہی تھی۔
اکٹر نے بھی اُس کے سلسلے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے گریز کیا تھا۔ نوکروں سے پوچھ گچھ پر
یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ وہ حقیقتاً بے خوابی کا مریض تھا۔ اکثر پندرہ پندرہ دن تک اُسے نیند
نہیں آتی تھی۔

پرویز اور اُس کی مشغولیات کے متعلق ہر ایک نے حیرت سے سنا۔ رانو کا بیان دوسروں سے
یادہ مربوط اور واضح تھا اس لئے فریدی بار بار اسی سے سوال کر رہا تھا۔

"ہم یہاں تین سال سے ہیں۔" رانو کہہ رہا تھا۔ "لیکن ہم نے یہاں کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"اور تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ نقاب آج ہی کسی وقت لگائی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! کل میں پچھواڑے کی طرف سے گذرا تھا۔ اس وقت میں نے نقاب نہیں دیکھی تھی۔"

"اپنے مالک کی پچھلی زندگی کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو۔"

"جی نہیں! نہ مجھے اُن کے رشتے داروں ہی کے متعلق کچھ معلوم ہے۔"

"کیا وہ ہمیشہ سے عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا ہے۔"

"میں نے ابھی بتایا نا آپ کو۔ کمرے والا معاملہ شاید دو ڈھائی ماہ پہلے شروع ہوا تھا۔"

"تو یہاں کبھی کوئی آتا ہی نہیں تھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں.... اوہ ٹھہریئے.... جی ہاں چینی ہی معلوم ہوتا تھا۔"

"تم پھر بہکنے لگے۔"

"نہیں حضور! اب سے ڈھائی تین ماہ پہلے ایک چینی صاحب کے پاس آیا تھا۔ وہ اپنے سا

ایک بہت بڑا صندوق لایا تھا۔ وہی صندوق جو ابھی آپ نے اس کمرے میں دیکھا ہے۔"

فریدی چونک کر رانو کو گھورنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"اور اسی کے بعد ہی سے تمہیں اس کمرے میں کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگی تھیں

"جی ہاں....!" رانو جلدی سے بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہارے مالک کے پاس خطوط وغیرہ بھی آتے رہتے ہوں گے۔"

"آتے تھے اور اکثر کتابوں کے پارسل بھی آیا کرتے تھے۔ صاحب بھی خطوط لکھا کرتے تھ

"کہاں سے آئے تھے۔"

"یہ تو نہیں بتا سکتا۔ میں پڑھا لکھا نہیں۔"

"تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی بتا سکے گا۔"

"جی نہیں وہ بھی میری ہی طرح ہیں۔"

"مگر تمہارا لب ولہجہ تو پڑھے لکھے لوگوں جیسا ہے۔"

"صحبت کا اثر ہے سرکار! میں ہمیشہ بڑے ہی لوگوں کے پاس رہا ہوں۔"

"تمہارے مالک کا ذریعہ معاش کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا لیکن بینک سے میں ہی روپے لایا کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ سب لاش والے کمرے میں دوبارہ آئے۔ لاش ا
وہیں پڑی تھی۔ فریدی نے اُس بڑے صندوق کا ڈھکن اٹھایا جس کے متعلق رانو نے بتایا تھ
میں لمبے ریشوں والی خشک گھاس اور کاغذ کی ردی بھری ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ا
کبھی کوئی چیز پیک کی گئی ہو۔ فریدی کے اشارے پر کانسٹیبلوں نے صندوق میں بھری ہوئی
فرش پر الٹ دی۔ فریدی دیر تک اُسے ٹارچ کی روشنی میں دیکھتا رہا پھر حمید نے دیکھا کہ
کاغذ کا ٹکڑا تہہ کرکے اپنی جیب میں رکھ رہا ہے۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی ہوا اندھیرے میں ہوا۔" فریدی چاروں طرف ٹارچ کی
ڈالتا ہوا بولا۔

"کیوں اندھیرے میں کیوں؟" جگدیش بولا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں اس کمرے میں الیکٹرک فٹنگ نہیں ہے۔" فریدی نے آہستہ سے
ا۔ "اور مجرم یہاں جو کچھ بھی کرتا رہا ہے اس کے لئے اس نے موم بتیاں استعمال کی ہیں۔ کیا یہ
لی ہوئی موم بتیوں کا موم نہیں ہے؟" اس نے ایک طاق کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ دیر چپ رہ کر
ر بولا۔ "لیکن آج یہاں موم بتی بھی نہیں تھی۔ غالباً مجرم کو یہ یاد نہیں کہ کمرے میں موم بتی
ہیں ہے۔"

"لیکن وہ آوازیں جو روزانہ سنی جاتی تھیں۔" حمید نے کہا۔ اس کا کیا مطلب تھا۔ اس عورت
ے متعلق تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ یہ اس نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئی۔

"اور! پرویز نے اس پر حملہ کیا تھا؟ اگر یہ صورت بھی تھی تو گلا گھونٹ دینے کی کوئی وجہ سمجھ
ں نہیں آتی۔ پرویز اسے مار ڈالے بغیر بھی بے دست و پا کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جسم کی بناوٹ کے
عتبار سے کافی طاقتور معلوم ہوتا ہے اور اس عورت کو تم دیکھ ہی رہے ہو۔"

"ممکن ہے پرویز بھی اُسے بھوت ہی سمجھا ہو۔" حمید نے کہا۔ "جس طرح نوکر آپ کو
بھوت سمجھے تھے۔ اس کمرے سے متعلق ساری چیزیں ان لوگوں کی طرح پُراسرار ہیں۔"

"پرویز کے لئے نہیں ہو سکتیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیونکہ اس کے پُراسرار بنانے
کا ذمہ دار وہی ہے۔"

"میرے خیال سے اس عورت کے متعلق پڑوس میں چھان بین کرنی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"نوکر فراڈ ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے اس کہانی پر اعتبار
کیسے کر لیا۔"

"محض اس لئے کہ اُن تینوں نوکروں کی بیہوشی مصنوعی نہیں تھی اور نہ اُن آوازوں میں
بناوٹ تھی، جو بیہوش ہونے سے قبل اُن کے حلق سے نکلی تھیں۔"

"ڈاکٹر بھی اُن کا پڑوسی ہے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے وہ بھی اس سازش میں شریک ہو۔"

"یوں تو ہم بھی اسی نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر
کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہی اس عورت کو یہاں بھیجا ہو۔ کیوں بھئی جگدیش؟"

جگدیش ہنسنے لگا۔

"پرویز کی نیند.....!" حمید مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ "اس نیند کے متعلق کیا خیال ہے"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ڈاکٹر کی تشخیص غلط ہے۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"میں نے تو ایسی نیند کے متعلق آج تک نہیں سنا، جو بیہوشی سے بھی زیادہ گہری ہو۔"

"کیوں؟ کیا نواب[1] وجاہت مرزا کی نیند تمہیں یاد نہیں۔"

حمید جواب دینے کی بجائے لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے شاید اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

تب تو معاملہ صاف ہے فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم بھی اس سازش میں شریک ہوتے ہو۔ ورنہ اس وقت میرا اور تمہارا یہاں کیا کام! تم مجھے اس طرف لائے ہی کیوں تھے۔"

"میں لایا تھا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"شاید آپ انہیں پھر پھنسانا چاہتے ہیں۔" جگدیش نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد لاش اٹھوا دی گئی اور وہ لوگ برآمدے میں آ بیٹھے۔ پرویز اب تک کرسی ہی پر تھا۔

"بیہوش ہونے سے قبل اس نے اعتراف جرم کیا تھا۔" فریدی بولا۔ "لیکن یہ ہے کون! اس کے ملازمین اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ویسے آدمی دولت مند معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"اب دیکھئے۔" حمید بولا۔ "تھوڑی ہی دیر ٹھہرنا پڑتا ہے یا قیامت تک۔"

"آپ بُری طرح اکتائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہوں۔ چہ خوب! گویا آپ کو اس میں شبہ ہے۔"

"اتنا عمدہ کیس ملا ہے آپ لوگوں کے شایانِ شان۔"

"کیا.....؟" حمید چیخ کر بولا۔ "گویا میں کیسوں کے لئے مرا کرتا ہوں۔"

"نہیں بڑے بھائی بگڑتے کیوں ہو۔" جگدیش ہنس پڑا۔

"تم نہیں جانتے کہ میں اس وقت کتنا دکھی ہوں۔"

"کیوں.....؟"

---

[1] جاسوسی دنیا کا پہلا ناول "دلیر مجرم" ملاحظہ فرمائیے۔

"کسی عورت کی لاش دیکھ کر مجھے سب سے پہلے یہی خیال آتا ہے کہ اس کی زندگی میں اُسے بوں نہ ملا۔"

"فرض کیجئے کہ آپ زندگی ہی میں اس سے مل لئے ہوتے تو۔"

"تو اس وقت میں ایک ہی نظر دیکھ کر بتا دیتا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتی تھی۔" حمید نے ادگی سے کہا۔

جگدیش ہنسنے لگا۔

"کیوں! کیا میں نے کوئی بیوقوفی کی بات کہہ دی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

جگدیش کی ہنسی تیز ہو گئی۔

"شاید تم بھی گئے۔" حمید مایوسی سے بولا۔

جگدیش ہنستا رہا۔

"ارے.....!" دفعتاً حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا.....؟" جگدیش نے بھی اس کی تقلید کی۔ حمید تاریک راہداری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لدیش کے ساتھ تین کانسٹیبل بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"وہی عورت۔" حمید نے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"کون عورت.....!" جگدیش نے پوچھا۔

"وہی..... جس کی لاش۔"

"کیا؟" جگدیش سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے جھپٹ کر جگدیش کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور راہداری کی طرف دوڑا۔

"ٹھہرو..... ٹھہرو۔" جگدیش نے اُسے آواز دی۔ لیکن وہ جا چکا تھا۔ جگدیش وغیرہ راہداری کے سرے پر آ کر کھڑے ہو گئے لیکن اُن میں سے کوئی بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ ر انہوں نے ایسی آوازیں سنیں، جو عموماً دھینگا مشتی کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی حمید ا گھٹی گھٹی سی آواز بھی سنائی دی۔ وہ جگدیش کو پکار رہا تھا۔

"کون ہے..... خبردار" جگدیش نے للکار کر زمین پر پیر پٹخے لیکن اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ پھر س نے پلٹ کر کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔ لاش والے کمرے میں کوئی دھت سے زمین پر گرا اور

ساتھ ہی کسی کے دوڑنے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

جگدیش نے حمید کو آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ اس نے رانو کے ہاتھ سے ٹارچ لے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

کمرے میں پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ حمید زمین پر اوندھا پڑا اٹھنے کی کوشش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اُن پر زور د اٹھ سکے۔ جگدیش نے جلدی سے جھک کر اُسے اٹھایا لیکن وہ اُس سے لپٹ پڑا۔

"ارے.... ارے میں ہوں۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ لیکن حمید اس کی گردن میں ہاتھ جھٹکا دے چکا تھا۔ اگر سپاہی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتے تو وہ سر کے بل زمین پر چلا آیا ہو

"ہوش میں آؤ.... میں جگدیش ہوں۔" جگدیش خوفزدہ آواز میں چیخا۔

حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے اس طرح اپنے سر کو جھٹکے دینے شروع کر دیئے بیہوشی کے اثرات سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

"جگدیش....!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کہاں مر گئے تھے وہ دو تھے۔"

"کون؟"

"پتہ نہیں۔" حمید جگدیش کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "....وہ تمہارا ریوالور لے گئے۔"

"کیا....؟" جگدیش تقریباً چیخ پڑا۔

"دیکھتے کیا ہو! آگے بڑھو...." حمید بوکھلا کر بولا اور نقب کے راستے باہر نکل گیا۔ جگ وغیرہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔

دوسری طرف تاریکی اور سناٹے کی حکومت تھی۔ حمید بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگتا تھا۔ جگدیش اور اس کے ساتھی بھی اُس کا ساتھ دے رہے تھے وہ رکتا تو رک جاتے بھاگتا کے پیچھے دوڑتے۔

"اب کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔" حمید نے چیخ کر کہا اور نقب کے راستے پھر کوٹھ داخل ہو گیا۔ پرویز بدستور آرام کرسی پر پڑا تھا۔

"حمید صاحب۔" جگدیش ہانپتا ہوا بولا۔ "بہت بُرا ہوا.... میرا ریوالور.... اب کیا ہوگ

"میں کیا جانوں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "سراسر تمہاری غلطی ہے۔ اگر تم لوگ بھی میری مدد کے لئے پہنچ گئے ہوتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔"

جگدیش بدحواس ہو کر ایک کرسی پر گر گیا۔

"ملازمت گئی۔" وہ بڑبڑایا۔ "معطل ہو جاؤں گا۔ مقدمہ چلے گا۔"

"اگر انہوں نے مجھے مار ہی ڈالا ہوتا تو۔" حمید غصہ سے بولا۔

"تم نے میرا ریوالور کیوں نکالا تھا۔" جگدیش چیخا۔

"میں نے نہیں نکالا تھا۔" حمید نے گردن جھٹک کر لاپروائی سے کہا۔

"مت بکو۔" جگدیش نے جھلاہٹ میں گھونسا تان کر کہا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازے میں کھڑا حمید اور جگدیش کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"میرا بیڑا غرق کر دیا انہوں نے۔" جگدیش فریدی کی طرف مڑا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یک بیک بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا ہو گیا۔ اتنا تو میں نے دیکھا تھا کہ ذرا سا اونگھ گئے تھے۔"

"مت بکو۔" جگدیش حلق کے بل چیخا اور پھر اچانک اس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

"آخر بتاتے کیوں نہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

جگدیش نے غصیلی اور روہانسی آواز میں پورا واقعہ دہرایا۔

"تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "یہ سالا سچ مچ بھوت خانہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا بات ہے۔" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور پھر ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "ارے آپ کا دماغ بھی پھر گیا۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "کان دیکھئے کوے پر غصہ اتارنے سے کیا فائدہ۔"

"دیکھو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"تو آپ اچھی طرح کب پیش آتے ہیں۔"

"حمید....!"

"سرکار والا! ابھی اور اسی وقت میرا استعفیٰ منظور فرمایئے۔"

دفعتاً فریدی جگدیش کے ریوالور ہولسٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"جگدیش کیا تم واقعی ہوش میں نہیں ہو۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"جی....!" جگدیش گھبرا کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ریوالور تمہارے ہولسٹر میں موجود نہیں ہے؟"

جگدیش نے بے اختیارانہ انداز میں ہولسٹر میں ہاتھ ڈالا اور پھر "ارے" کہہ کر پڑا.... ریوالور موجود تھا۔

"اُلو کی دم فاختہ۔" حمید نے دانت پیس کر جگدیش کو گھورتے ہوئے کہا۔

جگدیش کا حلیہ دیکھنے کے قابل تھا۔

"ایشور قسم ان لوگوں سے پوچھ لیجئے۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ کانسٹیبلوں اور پرو نوکروں نے حیرت آمیز انداز میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔

فریدی حمید کی طرف مڑا لیکن وہ اتنی دیر میں راہداری کے بیرونی سرے تک پہنچ چ اُس نے تیز تیز قدموں سے پائیں باغ طے کیا اور پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آ گیا اور پھر اُ ایک طرف کھڑے ہو کر جو ہنسنا شروع کیا ہے تو پیٹ دباتے دباتے اس کا بُرا حال ہو گیا۔

اُس نے اس وقت جگدیش کے ساتھ وہ شرارت کی تھی کہ جگدیش شاید مرتے دم اسے نہ بھلا سکے۔ حقیقتاً اُسے کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا اور نہ اس وقت اُس کے ذہن شرارت تھی۔ اس نے محض جگدیش کو ڈرانے کے لئے مردہ عورت کے بھوت کا حوالہ د اُس کا ریوالور چھینا تھا لیکن جب اس نے یہ محسوس کیا کہ جگدیش اور اُس کے ساتھی خوف ک سے کمرے تک آنے کی بھی ہمت نہیں کر رہے ہیں تو دفعتاً اس کے ذہن نے قلابازی کھائی ا نئی شرارت اس کے رگ و ریشے میں کلبلانے لگی۔ پھر اس نے خود ہی ایسی اچھل کود مچائی ج کئی آدمیوں سے لڑ رہا ہو۔ بھاگنے اور گرنے والوں کی ایکٹنگ بھی خود ہی کی.... اور پھر جگد اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے چپ چاپ ریوالور اُس کے ہولسٹر میں سرکا دیا تھا۔

اول تو خالی پیٹ میں ہنسی شاذ و نادر ہی آتی ہے لیکن اگر زیادہ دیر تک آتی تو پھر ریاح گولے اس بُری طرح آنتوں میں ٹھوکر مارتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ لہٰذا حمید کے معدے پ مصرعہ صادق آ رہا تھا۔ "رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی ہو گیا۔" پیٹ میں معدے کی جگہ

بہت بڑا دکھتا ہوا گولا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ شہر کی طرف چل پڑا۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ یہاں کسی سواری کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہی نظر آ رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ کار گذر جاتی تھی۔ وہ ٹیکسی نہ ہوتی تھی۔ بہرحال وہ پیدل ہی چلنے کا تہیہ کر کے سڑک چھوڑ کر عمارتوں کے پشت والے ویران حصے میں آ گیا۔ سڑک سے جانے میں زیادہ وقت صرف ہوتا اور چلنا بھی بہت پڑتا۔

حمید چلا تو آیا تھا لیکن حقیقتاً اُس کا ذہن اُسی قتل میں الجھا ہوا تھا۔ پرویز اس کمرے میں روزانہ کسی عورت کو چیخنے پر مجبور کرتا تھا۔ اگر وہ مقتولہ ہی تھی تو اتنے دنوں تک کمرے میں بند کیونکر رہی دن میں اس نے شور کیوں نہیں مچایا۔ پھر اُس نقب کا کیا مطلب تھا۔ وہ غیر ملکی آدمی اُس بڑے صندوق میں کیا لایا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس بکس سے کوئی کاغذ نکال کر جیب میں رکھا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ کہیں قریب ہی سے پٹرول کی تیز بو آ رہی تھی۔

پٹرول کی بو

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھور رہا تھا۔ دفعتاً اُسے اپنی بائیں جانب والے نشیب میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ تقریباً دو ڈھائی سو گز کے فاصلے پر جھاڑیوں کے قریب ایک آدمی نظر آ رہا تھا جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں حمید کو ایک دوسرا انسانی مجسمہ دکھائی دیا، جو ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ قریب ہی پٹرول کا ٹین رکھا تھا۔ اُس آدمی نے ٹین اٹھا کر چادر میں لپٹے ہوئے جسم پر پٹرول انڈیلنا شروع کیا۔ ہوا کے جھونکے پٹرول کی بو کو دور دور تک پھیلا رہے تھے۔

حمید نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اسے للکارنا شروع کر دیا۔

"خبردار! گولی مار دوں گا۔"

اس آدمی کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی اور وہ ایک ہی جست میں جھاڑیاں پار کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حمید اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا اس نے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کے پاس سے ٹارچ اٹھائی اور جھاڑیوں میں گھس گیا لیکن پندرہ بیس منٹ سر مارنے کے باوجود بھی بھاگنے والے

کا نشان نہ ملا۔

تھک ہار کر وہ پھر اسی جگہ واپس آ گیا۔ چادر میں لپٹا ہوا جسم اب بھی اسی حالت میں پڑا

حمید نے اُس کے چہرے سے چادر اٹھائی اور چیخ کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

کیا یہ اسی عورت کی لاش نہیں تھی۔ وہ لاش جسے تھوڑی دیر قبل پولیس اٹھا لے گئی تھی پھر یہ یہاں کیسے۔ کیا اس پُر اسرار آدمی نے اس پر اس لئے پٹرول نہیں چھڑکا تھا کہ اُسے دے؟ آخر وہ کون تھا اور اسے لاش کس طرح ملی۔

وہ پھر آگے بڑھا۔ مقتولہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ حمید پھر ٹھٹک گیا۔ اسے یاد آ رہا تھا اُس نے جو لاش کمرے میں دیکھی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن یہ کھلی ہوئی آنکھیں زندگی سے بھرپور معلوم ہو رہی تھیں۔ حمید نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا جو دبا ہی چلا گیا۔ وہ پھر کر پیچھے ہٹ آیا؟ کیا اس کا سر پلپلا ہے۔ یعنی سر میں ہڈی ہی نہیں۔ خوف کی ایک ٹھنڈی سی لہر کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

اس نے پھر جی کڑا کر کے اس کے پیر ٹٹولے لیکن وہاں بھی ہڈی ندارد۔ ایک خیال سے اُس کے ذہن میں گونجا اور اس نے اس جسم سے لپٹی ہوئی چادر کھینچ کر ایک طرف ڈال اور پھر اُسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ مجسمہ ربر کا تھا۔ لیکن یہ بھی کم حیرت دریافت نہ تھی۔ آخر اس کا کیا مطلب! ربر کا مجسمہ؟ جو ہو بہو مقتولہ کی نقل تھا۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے اس مجسمے کو اٹھایا اور چل پڑا.... مجسمہ بھاری نہیں تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹ پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس واقعے کا تعلق اسی معاملے سے نہ ہو۔ لہٰذا پٹرول کے ٹین اور اُس چادر کو وہیں چھوڑ دینا نامناسب معلوم ہو لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ اُن سب چیزوں کو لاتا کس طرح۔ منٹ تک سوچتا رہا پھر اس نے پٹرول کا ٹین اور چادر جھاڑیوں میں چھپا دی۔

وہ اسی وقت پرویز کے مکان پر جا کر فریدی کو بھی اس کی اطلاع دے سکتا تھا لیکن دوسری اسکیم کے تحت جو اُسے اسی وقت سوجھی تھی اس نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس نے اس مجسمے کو کاندھے پر اٹھایا اور چل پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ فکر اس بات کی نوکروں کی نظر اُس مجسمے پر نہ پڑنے پائے۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ وہ

یدی کے کمرے میں پہنچا اور مجسمے کو اس کے بستر پر ڈال کر چادر سے ڈھک دیا۔

اُس سے فراغت حاصل کر کے اُس نے کھانے کے لئے ہلڑ مچانا شروع کر دیا.... اور پھر ابھی پہلا لقمہ بھی نہ اٹھایا تھا کہ فریدی اور جگدیش بھی آ گئے۔

"آج تمہاری خیریت نہیں۔" فریدی اُسے مکا دکھا کر بولا۔

"اطلاعاً عرض ہے کہ میں بھی کسی سے کمزور نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور جلدی جلدی منہ چلانے لگا۔

"بیٹھو بھئی جگدیش۔" فریدی ڈائننگ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں کپڑے بدل کر آتا ہوں بے تکلف شروع کر دو۔ میں بھی آ کر شریک ہو جاؤں گا۔"

فریدی اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"اور سناؤ بھائی جگدیش بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "کھاؤ نا یار بس شروع ہو جاؤ! فریدی صاحب ابھی شیو کریں گے۔"

"میں تم سے ناراض ہوں۔" جگدیش نے گردن اکڑا کر کہا۔ "تم نے میرا بڑا مضحکہ اڑایا۔ کانسٹیبلوں کے سامنے تمہیں ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔"

"خدا کی قسم! کسی دن بیچ بازار میں تمہاری بے عزتی کروں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "اگر فرض کرو وہ حادثہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو تم نے میری گردن ہی کٹوا دی تھی۔"

جگدیش بغلیں جھانکنے لگا.... حمید بولتا رہا۔

"تمہارے محکمے میں لومڑیوں کے علاوہ آج تک کوئی اور دوسرا جانور نظر نہ آیا.... چوڑیاں پہن....!"

دفعتاً حمید کے منہ کا نوالہ باہر نکل پڑا اور اس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اِہ.... اِہ.... اِہ.... ایہہ۔"

اور اس لمبی سی "ایہہ" کے بعد وہ کرسی سے لڑھک کر زمین پر چلا آیا۔

جگدیش نے پلٹ کر دیکھا۔ فریدی اُسی مجسمے کو گردن سے پکڑے ہوئے آ رہا تھا۔ حمید کو اس طرح گرتے دیکھ کر اُس نے اُسے زمین پر ڈال دیا اور حمید کی طرف لپکا۔

جگدیش حمید کی بجائے زمین پر پڑے ہوئے مجسمے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"سنو بھئی۔" فریدی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔ "کیا تم بھی ڈر رہے ہو۔
ربڑ کا مجسمہ ہے۔ میاں حمید بیہوش ہو گئے ہیں۔"
فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ جگدیش بھی اس کے قریب
فریدی چند لمحے حمید پر جھکا رہا تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑاتا رہا۔ پھر اس نے اس کے دونو
پکڑ کر جو زور لگایا ہے تو وہ "اکھڑ گئے" کا نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔
"کہاں تھا یہ مجسمہ....؟" فریدی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ کر پوچھا۔
"ارے میں.... خیں.... خیں.... میں کیا جانوں۔"
حمید اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔
"اس سے کام نہیں چلے گا برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "شرارت کے نشے
اپنا رومال اسی کے نیچے چھوڑ آئے تھے۔"
"تب تو مجبوری ہے۔" حمید اپنے کان سہلاتا ہوا بولا۔
"فضول باتیں مت کرو۔"
"میرے ایک دوست نے تحفتاً پیش کیا ہے۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔
"تین دن تک سونے نہیں دوں گا۔" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
حمید نے درویشوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر شعر پڑھا۔

"قبر میں جی بھر کے سونا زندگی کی نیند کیا
زہرو راہِ عدم اٹھ اب سویرا ہو گیا"

"سچ کہتا ہوں! مارتے مارتے سویرا کر دوں گا۔" فریدی بولا۔
"راستے میں پڑی ملی تھی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔
"غلط کہتے ہو.... میرا خیال ہے کوئی اسے جلانے جا رہا تھا۔"
"جی....!" حمید نوالا ہاتھ سے رکھ کر بولا.... اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی اس
پر کیونکر پہنچا۔ پٹرول کی بو بھی اُس میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔
"جناب۔" فریدی پُر سکون آواز میں بولا۔ "مذاق میں مت ٹالو.... یہ بہت ضروری ہے
حمید نے رک رک کر پورا واقعہ دہرا لیا۔ لیکن اُس کا ہاتھ اور منہ تیزی سے چل رہے

ے خدشہ تھا کہ فریدی واقعات سن لینے کے بعد جائے واردات کی طرف ضرور دوڑے گا۔ لہٰذا
ٹ تو بھر ہی لیا جائے۔
"اور تم وہ چادر اور پٹرول کا ٹین وہیں چھوڑ آئے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔
"بہت احتیاط سے ایک جگہ چھپا آیا ہوں۔"
"اچھا تو ختم کرو کھانا۔"
"ختم سرکار۔" حمید نے پانی کا گلاس چڑھا کر ڈکار لی اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "آپ
ل بھی کھا لیجئے۔"
"واپسی پر۔" فریدی جگدیش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
"جی ہاں.... اور کیا؟" جگدیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔
فریدی نے گیرج سے جیپ نکالی۔
"چلو تمہیں ڈرائیو کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔
"بہت بہتر۔" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی اس کی آنکھوں کی شرارت آمیز چمک نہ دیکھ سکا۔
سڑک سے گذر کر جیپ ویران راستوں پر ہولی۔ حمید جان بوجھ کر اُسے بہت زیادہ ناہموار
لن پر چلا رہا تھا۔
"یار بس بھی کرو۔" جگدیش کراہ کر بولا۔ ذرا ہی سی دیر میں جیپ کے جھٹکوں نے اس کی نس
ڈھیلی کر دی تھی۔ فریدی خاموش بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں وہ حمید کی اس حرکت کو جان بوجھ کر نظر
از کر رہا تھا یا خیالات میں اس بُری طرح کھویا ہوا تھا کہ اس کی طرف دھیان ہی نہیں ہوا۔
"کیوں....؟" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا کہ کوئی اسے
نے جا رہا تھا۔"
"تم اسی لئے پوچھ رہے ہو نا کہ پٹرول کی بو تو اڑ گئی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔
"قطعی!"
"لیکن کانوں کے سوراخوں میں خفیف سی بو باقی رہ گئی تھی اور پھر اس کے بالوں میں ایک دیا
ائی بھی الجھی ہوئی ملی تھی۔ بہر حال تم چوک گئے۔ اس آدمی کو پکڑنا تھا۔"
"پرویز کا کیا ہوا؟"

"ہم اسے ہسپتال بھجوا کر آئے ہیں، اس کی نیند میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔"

اچانک حمید نے بریک لگائی اور جگدیش کا سر اس کی پیٹھ سے ٹکرا گیا۔

"سنبھل کر بیٹھو۔" حمید نے انجن بند کرتے ہوئے کہا اور نیچے اُتر گیا۔

پٹرول کا ٹین اور چادر بدستور اُسی جگہ موجود تھے جہاں حمید نے انہیں چھپایا تھا۔

پھر وہ انہیں اُس مقام پر لایا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں ق
جوار کی زمین کا جائزہ لینے لگا۔ ایک جگہ تین چار دیاسلائیاں پڑی ہوئی ملیں۔

"غالباً گھبراہٹ میں گر گئی ہوں گی۔" فریدی بولا۔ "آدمی بہت زیادہ دلیر نہیں ہوتا۔"

زمین سخت تھی اس لئے قدموں کے نشانات دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پ
فریدی نے اس کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے۔

"پرویز کے نوکروں کا کیا ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! ان کا کیا ہوتا۔"

"بہر حال بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"اب نہیں رہ گیا۔" فریدی بولا۔ "تھوڑی دیر قبل ضرور تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں تم سے کب کہتا ہوں کہ سمجھو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔

گھر پہنچ کر فریدی اور جگدیش نے کھانا کھایا۔ دورانِ طعام میں جگدیش نے اس کیس
متعلق کئی بار گفتگو کرنی چاہی لیکن فریدی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ خود بھی ابھی معاملا
نوعیت کو بخوبی نہیں سمجھ پایا ہے۔

جگدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی نے خود ہی گفتگو چھیڑ دی۔

"اگر یہ ربر کا نمونہ نہ ملتا تب بھی ہم اس نتیجے پر ضرور پہنچتے۔"

"کس نتیجے پر۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ اس کمرے میں ایک ربر کا مجسمہ تھا۔"

"تو کیا وہ اُسی کمرے میں تھا۔"

"جناب۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اُس بڑے صندوق میں وہ مجسمہ ہی لایا گیا تھا۔"

"کہاں سے؟"

"شہر کی ایک جاپانی فرم سے جو کھلونوں کا کاروبار کرتی ہے۔ غالباً پرویز نے باقاعدہ آرڈر
ے کر اُسے بنوایا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس پر کافی پیسہ صرف ہوا ہوگا۔"

"فرم کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر "جاپانیز
جنٹس کارپوریشن۔" چھپا ہوا تھا۔

"یہ پرچہ اُسی صندوق میں ملا تھا۔" فریدی بولا۔

"بات کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بھی فی الحال
اس ہی ہے۔"

"چلو قیاس ہی سہی! لیکن یہ بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ ابھی تم اسی مجسمے کی شکل کی ایک لاش
کھ چکے ہو۔ اور وہ بھی پرویز کی کوٹھی کے ایک پُراسرار کمرے میں۔"

"چلئے مان لی میں نے یہ بات.... پھر....؟"

"پھر یہ کہ پرویز کے عجیب وغریب عادات واطوار۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اچھا صاحب زادے تم نے اُس چھوٹے اور سیاہ رنگ کے صندوق کو بھی دیکھا ہوگا۔ جو ایک
وٹی سی میز پر رکھا ہوا تھا۔"

"کچھ یاد تو پڑتا ہے۔"

"اُسے بھی دیکھنے کی زحمت گوارا کی تھی تم نے۔"

"نہیں۔"

"اگر تم دیکھتے بھی تو اُس کی اہمیت کو نظر انداز کر جاتے۔"

"کیوں؟ کیا چیز تھی اس میں۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ حقیقتاً گراموفون تھا۔"

"گراموفون؟" حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں گراموفون؟.... کیا سمجھے؟"

"گراموفون ہی سمجھا؟"

"ڈیوٹ ہو! آخر اس کمرے میں گراموفون کا کیا کام؟ اور وہ بھی صرف گراموفون ندارد۔ پورے گھر میں ایک بھی ریکارڈ نہ مل سکا۔"

"تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرے خیال سے وہ ایک ہونے کی بناء پر اس کمرے میں ڈال دیا گیا ہوگا۔ وہ کمرہ غالباً اسٹور روم کی حیثیت سے ا جاتا ہے۔ کیونکہ نہ تو اس میں الیکٹرک فٹنگ ہے اور نہ کھڑکیاں وغیرہ۔"

"ٹھیک ہے! لیکن گراموفون کی اُن استعمال شدہ سوئیوں کے بارے میں کیا کہو گے میز پر پائی گئی ہیں۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ چیخیں۔"

"بہت دیر میں سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پرویز روز رات کو ایسا ریکارڈ بجاتا تھا صرف چیخیں تھیں۔"

"لیکن وہ ریکارڈ۔"

"اس مجسمے کی طرح وہ بھی گراموفون سے غائب کروا دیا گیا۔"

"فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اور پھر حمید لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اُ پر آمادہ نہ کر سکا۔"

وہ کون تھی

دوسری صبح فریدی نے سب سے پہلے اسپتال فون کیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ پرویز کی نی جاری ہے اور یقین کے ساتھ یہ بتانا دشوار ہے کہ اس کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ ہو سکتا کے لئے سر کے آپریشن کی ضرورت بھی پیش آئے۔

فریدی ریسیور رکھ کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر

رے کی طرف دیکھا۔ حمید ابھی تک خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا س کی ہدایت تھی کہ سوتے وقت کمرے کو کبھی مقفل نہ کیا جائے۔

"حمید....!" فریدی نے آواز دی۔

"ارے.... ہر.... ہر.... ہٹ.... نخ.... نخ۔" حمید نے بڑبڑا کر کروٹ لی۔

اور پھر فریدی نے جھنجھوڑ کر اُسے کھڑا کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے؟" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"خیر مجھے کیا۔ میں کہے دیتا ہوں کہ حمید صاحب نہیں ملنا چاہتے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"کس سے....!" حمید نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ایک لڑکی ڈرائنگ روم میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"لڑکی....!" حمید نے حیرت سے کہا پھر ہنس پڑا۔ "مجھے گھس رہے ہیں، بہت اچھے۔"

"تمہاری مرضی۔" فریدی شانوں کو جنبش دے کر جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرئیے۔ آپ نے میرے بڑے حسین خواب کا خون کر دیا ہے۔ میں خواب دیکھ رہا تھا جیسے میں مویشی خانے کا منشی بنا دیا گیا ہوں۔"

"تھے تو اسی قابل۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

اور پھر حمید کو یقین کر لینا پڑا کہ حقیقتاً کوئی لڑکی ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اس نے جلدی جلدی شیو کیا اور لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو فریدی کو ناشتے کی میز پر دیکھا جو نہایت اطمینان سے بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

حمید کو پھر خیال آیا کہ شاید اُس نے اُسے اُلو بنایا ہے۔ لہٰذا وہ ڈرائنگ روم کی طرف جانے کی بجائے سیدھا ناشتے کی میز کی طرف بڑھا۔

"آج موسم خوشگوار ہے۔" اُس نے اپنے سامنے کی پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

"کل بھی خوشگوار تھا۔" فریدی بولا۔

"امید ہے کہ پرسوں بھی رہے گا۔" حمید نے کہا اور کافی انڈیلنے لگا۔

"تو کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ چلی گئی۔" فریدی چونک کر بولا۔

"مجھے اُسی وقت سے معلوم ہے جس وقت آپ نے اس کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی۔" حمید

لاپروائی سے بولا۔

"تم شاید مذاق سمجھے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ لو۔"

اس نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے اور کہہ گئی ہے کہ جلدی کی وجہ سے وہ انتظار نہیں کر سکتی۔ حمید صاحب کو بھیج دیجئے گا.... تم اُسے کب سے جانتے ہو۔"

حمید نے تحریر پر نظر ڈالی، لیکن مس رعنا سلیم کی شخصیت اس کے ذہن کے گوشے میں نہ ابھری۔ سرسری جان پہچان والیوں میں بھی شاید اس نام کی کوئی نہیں تھی۔

پتہ چار بٹا سولہ۔ دارو والا بلڈنگ تھا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں آرہا تھا کہ اس نے کبھی اُس عمارت ہی میں قدم رکھا ہو۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟" حمید کاغذ پر نظر جمائے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"بکتے ہو۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کو یقین نہ آئے گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "لڑکی فراڈ معلوم ہوتی ہے، خیر میں دیکھوں گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا کہ شاید کچھ کہے لیکن اس کی مسلسل خاموشی نے خود اُسے ہی بولنے پر مجبور کر دیا۔

"آج کا پروگرام۔"

"کوئی خاص نہیں۔" فریدی نے بے دلی سے کہا۔

"کیا آپ اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"قطعی لے رہا ہوں۔"

"پھر....؟"

"پھر کیا؟ ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا۔"

"اگر میری موجودگی ضروری نہ ہو تو....!" حمید جملہ ختم کئے بغیر ہی خاموش ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ تمہاری پرانی شناسا ہے اور تم اُس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤ گے۔ بہر حال میں تمہیں روکتا نہیں۔"

"شکریہ....!" حمید نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد حمید کی موٹر سائیکل دارو والا بلڈنگ کی طرف جا رہی تھی۔ دارو والا بلڈنگ شہر کی مشہور عمارتوں میں سے تھی۔ اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی تیسری منزل پر محکمہ خوراک کے دفاتر تھے۔ پہلی دوسری اور چوتھی منزلوں کے فلیٹ رہائش کے لئے استعمال ہوتے تھے اور ان کا کرایہ اتنا زیادہ تھا کہ صرف ذی حیثیت لوگ ہی اُن میں رہ سکتے تھے۔

حمید چوتھی منزل پر پہنچ کر سولہ نمبر کے فلیٹ کے سامنے رک گیا، جو مقفل تھا۔ دروازے کی داہنی جانب مس رعنا سلیم کے نام کی تختی نظر آئی اس کا رہا سہا شبہ بھی رفع ہو گیا۔ ورنہ راستہ بھر وہ سوچتا آرہا تھا کہ کہیں احمق نہ بننا پڑے۔ وہ فریدی کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب بھی حمید اُسے چوٹ دینے کی کوشش کرتا اس کی طرف سے جوابی کاروائی ضرور ہوتی۔ پچھلی رات اُس نے اُسے اُس مجسمے کے سلسلے میں بیوقوف بنانے کی کوشش کی تھی لہٰذا اُسے خدشہ تھا کہ فریدی اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید کھڑا سوچ رہا تھا کہ برابر والے فلیٹ سے ایک لڑکی نکلی اور حمید کو وہاں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ حمید نے پہلی ہی نظر میں اس کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ایک قبول صورت اور الٹرا موڈرن قسم کی لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ انیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ نیلے اسکرٹ میں وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔

حمید نے اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور مودبانہ انداز میں بولا۔

"کیا آپ مس رعنا سلیم کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔"

لڑکی نے تحیر آمیز نظروں سے اُسے دیکھا اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آپ ٹھہرئیے۔ میں انہیں بلائے دیتی ہوں۔ غالباً نچلی منزل میں ہوں گی۔"

حمید اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک گرانڈیل قسم کے ادھیڑ آدمی کے ساتھ واپس آئی۔ پھر وہ تو اپنے فلیٹ میں چلی گئی اور وہ آدمی کھڑا حمید کو گھورتا رہا۔ اس نے خاکی گبرڈین کے پتلون پر چوڑی دھاریوں والی بنیائین پہن رکھی تھی۔ حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔

"کیوں.... بیٹا؟" وہ بھاری بھرکم آواز میں غرایا۔

"کیا مطلب....!" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"ڈھمپ کٹل! مطلب پوچھتے ہو۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "کہاں ہے لونڈیا؟"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید کو غصہ آگیا۔

"لونڈیا کہاں ہے؟ مارتے مارتے ڈھمپ کٹل بنادوں گا۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے ڈھمپ کٹل۔"

"شٹ اپ.....!"

"شٹ اپ سے کام نہیں چلے گا ڈھمپ کٹل۔ کل رات وہ تمہارے ہی ساتھ گئی تم ڈھمپ کٹل اب ردا جمانے آئے ہو۔ بتاؤ ورنہ بھیجا پھاڑ دوں گا۔"

حمید چکرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ برابر والے فلیٹ میں دستک دے یا اُسی الجھارہے۔ اُسے ساتھ لانے والی اتنی بے تکلفی سے اپنے فلیٹ میں چلی گئی تھی جیسے تھوڑی د قبل اُس سے اور حمید سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"میں رعنا سلیم کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" حمید نے نرمی سے کہا۔

"اور نہیں تو کیا میں اُس کی ماں کے بارے میں کہہ رہا ہوں ڈھمپ کٹل! بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔"

"ہوں۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور یہ ڈھمپ کٹل کیا ہے۔"

"ڈھمپ کٹل ہے۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔"

اس بار حمید کی زبان نہیں چلی بلکہ ہاتھ چلا۔ وہ نشے میں تو تھا ہی۔ تھپڑ کا بار نہ سنبھال س لڑکھڑایا تو پیٹھ کھڑکی سے جالگی۔ کھڑکی شائد اندر سے بند نہیں تھی۔ اس کے دونوں پٹ کھل اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر اس کی کمر دوہری ہوگئی۔ اس کے منہ سے ایک کریہہ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے کمر تھام کر بیٹھ گیا۔ اس پر سے حمید نے ایک ٹھوکر بھی جڑ دی۔

لیکن دوسرا لمحہ ایسا نہیں تھا کہ اُسے اس آدمی کی طرف دھیان دینے کا موقعہ ملتا وہ بیٹھا رہا تھا اور ارد گرد کے فلیٹوں سے لوگ نکلنے لگے تھے

حمید کی نظریں کھڑکی سے گذر کر کمرے کے اندر لگی ہوئی ایک بڑی تصویر پر جم گئیں اور سو فیصدی اسی عورت کی تصویر تھی جس کی لاش وہ پچھلی رات کو پرویز کے یہاں دیکھ چکا تھا۔ ح نے پھر ایک اچٹتی سی نظر ان لوگوں پر ڈالی جو فلیٹوں سے نکل کر بالکنی میں جمع ہو رہے تھے۔

اسکرٹ والی لڑکی چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو فرش سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ حمید اس بات پر بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ فلیٹ والوں نے یہ تک جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی

نہ کیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں چوٹ کھانے والے سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ ہو۔

"سالے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ڈھمپ کٹل۔" وہ پھر اٹھ کر حمید کی طرف جھپٹا۔ لیکن اس حمید کی ٹانگ چل گئی اور اُسے خود ہی اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے اس سے پہلے کبھی اتنی شاندار اس (غالباً فارسی میں "چپ راست") نہیں ماری تھی۔ وہ پھر ڈھیر ہوگیا اور اس بار اس کا سر ار سے ٹکرا گیا۔ وہ بیہوش ہوگیا تھا۔

نیلے رنگ کے اسکرٹ والی لڑکی پھر نیچے کی طرف جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔ "ادھر چلو! تم نیچے نہیں جاسکتیں۔"

"کیوں؟" وہ پلٹ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"اپنے فلیٹ میں جاؤ۔" حمید تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں جاتی..... تم کون ہو۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دیتی ہوں۔"

"میں پولیس کا باپ ہوں..... اندر جاؤ۔"

لڑکی نے تماشائیوں کی طرف دیکھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

معاملات آہستہ آہستہ حمید کی سمجھ میں آتے جارہے تھے۔

"لڑکی..... مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں یہ شریف آدمی تمہاری طرف داری کیوں نہیں کر رہے ہیں۔ اندر جاؤ۔"

بیہوش آدمی ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا کسی نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ دفعتاً حمید نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اس کے فلیٹ میں دھکیل کر روازہ باہر سے بند کر لیا۔

"آپ کون ہیں؟" تماشائیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"سرکاری آدمی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ذرا ادھر آیئے۔"

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس آدمی کے قریب پہنچتے اُس نے تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"وہ رعنا سلیم ہی ہے۔"

"جی ہاں!" اس نے سر ہلا کر کہا اور حمید کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"اس کار عنا سے کیا تعلق ہے۔" حمید نے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"تعلق! کیا بتاؤں۔" اس نے کہا۔ "ان سب نے مل کر ہماری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ یہ تو اچھا ہی کیا آپ نے جو مارتھا کو نیچے نہیں جانے دیا ورنہ وہ اس کے ساتھیوں کو بلا لاتی۔"

"ان دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی لڑکی یہاں ایسی ہے۔"

"نہیں..... صرف یہی دونوں..... اور یہ ٹائیگر۔" اس نے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ایک خطرناک قسم کا غنڈہ ہے۔ ان دونوں سے پیشہ کراتا ہے۔"

"کیا اس کا نام ٹائیگر ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"نام کوئی نہیں جانتا۔ وہ خود کو فخریہ ٹائیگر کہتا ہے اور امریکی ڈاکوؤں کی طرح کا لباس پہنتا ہے۔"

"ہوں.... یہاں کہیں قریب فون ہے۔"

"جی ہاں.... میرے فلیٹ میں۔" تماشائیوں میں سے ایک نے کہا۔ "میرے ساتھ آیئے"

"آپ لوگوں نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"اپنی شامت بلواتے یہ اور اس کے ساتھی ہمیں زندہ نہ رہنے دیتے۔ معاف کیجئے گا پولیس خود اس سے پیسے کھاتی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حمید انسپکٹر جگدیش کو فون کر رہا تھا۔

"ہیلو.... انسپکٹر جگدیش..... میں حمید بول رہا ہوں.... مقتولہ کی رہائش کا پتہ چل گیا۔ دارو والا بلڈنگ کی چوتھی منزل پر فوراً پہنچو۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کو مقتولہ کا ٹھکانہ کیسے معلوم ہوا۔ اُسے اُس کے نام کا علم کیونکر ہوا۔ یہ بات تو اُس کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئی تھی کہ اس وقت فریدی نے دراصل اس سے پچھلی رات والی شرارتوں کا بدلہ لیا تھا۔

"اس غنڈے کے دوسرے ساتھی کہاں ہوں گے۔" حمید نے ایک سے پوچھا۔

"نیچے پہلے مالے میں فرینڈز ہوٹل جو ہے نا۔ وہ اسی سالے کا ہے اور اس کے ساتھی وہیں ہوتے ہیں۔"

دارو والا بلڈنگ سے کوتوالی زیادہ دور نہیں تھی اس لئے جگدیش کو وہاں پہنچنے میں دیر نہ لگی

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید بولا۔ "سب سے پہلے اُن غنڈوں کو پکڑنا ہے۔"

فلیٹ والوں کی شناخت پر ٹائیگر اور اس کے ساتھیوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ ٹائیگر کو ہوش آ گیا تھا اور وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ نیلے اسکرٹ والی مارتھا بھی حراست میں لے لی گئی۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہو چکی تھی کہ وہ لوگ ان لڑکیوں سے پیشہ کراتے تھے لہٰذا حمید نے اُن سے رعنا کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی۔

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا تھا کہ کل رات کو رعنا جس کے ساتھ تھی وہ میں ہی تھا۔" حمید نے مارتھا کو مخاطب کیا۔

"میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔" مارتھا نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن اس نے سوٹ اسی قسم کا پہن رکھا تھا۔"

"کیا وہ یہاں آیا تھا؟"

"نہیں۔"

"پھر تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔"

"آرلکچو میں۔"

"تو تم نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔"

"یہاں اُس کے پاس کون کون آتا تھا۔"

"یہاں کوئی نہیں آتا۔" مارتھا نے کہا اور سر جھکا لیا۔

"سوسائٹی گرلز والا رویہ ہوگا ان کا۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔

"کچھ ایسے آدمیوں کے متعلق بتا سکتی ہو جن کے ساتھ تم نے اُسے کبھی دیکھا ہوگا۔"

"یہ بتانا مشکل ہے۔ ہم دونوں کبھی ساتھ نہیں رہے۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ کسی نے اُسے پچھلی رات کو قتل کر دیا؟"

"کیا....؟" مارتھا چیخ اٹھی۔ اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔

"صاحب ہم بے قصور ہیں۔" ٹائیگر ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاشی لینے کے متعلق سوچنے لگا۔

ایک تصویر

واپسی پر حمید کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ پورٹیکو میں قدم رکھتے ہی اُس نے انگریزی ر
میں سیٹی بجانی شروع کر دی۔ تلاشی کے دوران میں اس نے چند ایسی چیزیں دریافت کی تھیں
کی اس کی نظروں میں بڑی اہمیت تھی۔

نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی تجربہ گاہ میں ہے۔ حمید بڑی شان سے زینے طے کر
اوپری منزل پر پہنچا۔ فریدی ٹسٹ ٹیوب میں کوئی سیال شے ڈالے ہوئے اسپرٹ لیمپ کی
گرمی دے رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر مشغول ہو گ

حمید تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا لیکن جب فریدی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تو وہ خود ہی ب

"رعنا سلیم آپ کے حسن کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی حماقت کر کے آئے ہو۔" فریدی بدستور سر جھکائے ہوئے بو

"جی ہاں! میں نے اُس سے آپ کی شادی طے کر دی ہے۔"

"شکریہ۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور پھر ٹسٹ ٹیوب کو اسپرٹ لیمپ سے ہٹا کر آنک
کے قریب لے جاتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ ذرات تحلیل نہیں ہو سکتے۔"

"خواہ میری کھوپڑی تحلیل ہو کر دریائے نربدا ہو جائے۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھ
بولا۔

"کیا مضائقہ ہے؟ لیکن یہ ذرات۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح اُلو بنانے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"محض اس لئے کہ میں تمہیں انگلی پکڑ کر نہیں چلانا چاہتا۔"

"نہیں بلکہ گردن پکڑ کر دھکا دینا چاہتا ہوں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"سنو! اس کیس کو تمہیں ہی نپٹانا ہے۔ میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" فریدی نے ٹ
ٹسٹ ٹیوب کی سیال شے ایک برتن میں انڈیل دی۔ پھر اس نے رومال سے دونوں ہاتھ

ے سگار سلگایا اور حمید کے چہرے پر نظریں جماتا ہوا بولا۔ "بک چلو۔"

"بک بک بک۔" حمید نے ٹہلنا شروع کر دیا اس حرکت میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔

فریدی ہنس پڑا۔

"میں کہتا ہوں اگر میں پٹ جاتا تو۔" حمید پلٹ پڑا۔

"آئندہ کے لئے سعادت مند ہو جاتے اور کیا۔"

حمید نے سوچا کہ زیادہ بات بڑھانا مناسب نہیں آخر اسے اپنی کارگزاریوں کی دھاک بھی تو
انی تھی۔

"آپ کو اس کا نام اور پتہ کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے ملاقاتی کارڈ سے، جو اس کے پرس سے برآمد ہوا تھا۔"

"رات آپ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"کیوں؟"

"یونہی....!"

"اس تصویر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر
دی کے سامنے ڈال دی۔ یہ اُسی تلاشی کے دوران میں ملی تھی۔

"معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُس تصویر کے متعلق حمید نے بھی کچھ سوچا تھا لہٰذا وہ فریدی کی رائے معلوم کرنے کے
ے بے چین ہو گیا۔

"اور یہ کہ وہ ایک پیشہ ور قسم کی سوسائٹی گرل تھی۔" حمید نے کہا اور پوری روداد دہرا دی۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ
ی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے اُن دونوں کو آرلکچنو میں کس وقت دیکھا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"ساڑھے چھ اور سات کے درمیان۔"

"ٹھیک۔" فریدی پھر سوچ میں پڑ گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا لیکن پھر فریدی کی خاموشی برداشت سے باہر ہو گئی۔

"ابھی آپ نے کہا تھا کہ معاملہ صاف ہو گیا۔"

"اوں!" فریدی نے چونک کر انگڑائی لی اور حمید کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"معاملہ قطعی صاف ہو گیا۔ پرویز حقیقتاً وہاں اس عورت کی موجودگی سے لاعلم
نے اسی ربر کے مجسمے کے دھوکے میں اس کی گردن دبا دی۔"

"کیا پرویز کو ہوش آ گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پھر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں جتنے بھی واقعات پیش آئے ہیں انہیں یکجا کر کے ترتیب دے لو او
کی پچھلی زندگی اور اسکے عادات واطوار کی روشنی میں ان کا جائزہ لو۔ بات سمجھ میں آجا

"مجھے ان لوگوں کے بیان پر شبہ ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں؟"

"مجھے وہ بھی اس سازش میں شریک معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا تم قتل کے مقصد سے واقف ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں؟"

"پھر تم نے لفظ سازش کیسے استعمال کیا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی پرویز سے ملے ہوئے ہیں۔"

"غلط سمجھے.... یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب یا ان میں سے کوئی اُس آدمی سے تعلق ر
کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ قتل پرویز سے نادانستگی میں کرایا گیا ہے۔"

"کس طرح؟"

"جس طرح تمہاری کھوپڑی الٹ گئی ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "میں جانتا ہو
وقت تمہارا ذہن اس عورت میں الجھا ہوا ہے جسے پولیس کے سپرد کر آئے ہو۔"

"اس سے میں بہت بڑے بڑے کام لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"بکو مت۔" فریدی تجربہ گاہ سے نکل کر نیچے چلا گیا۔ حمید نے منہ بنا کر اپنے شانے سکوڑے
بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔

فریدی ابھی زینوں ہی پر تھا کہ باہر کی گھنٹی بجی۔ شاید کوئی ملاقاتی تھا۔ وہ کچھ دیر صحن میں کھڑا
لیکن جب کوئی کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر اندر نہ آیا تو وہ خود ہی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔
والا شاید اُسی کے محکمے سے تعلق رکھتا تھا ایسے لوگوں کے لئے ملاقاتی کارڈ کی رسمی قید نہیں
وہ عموماً گھنٹی استعمال کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے تھے۔

حمید برآمدے ہی میں تھا کہ فریدی ڈرائنگ روم سے واپس آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک
تھا۔

"کچھ نہیں.... فضول.... میں پہلے ہی سمجھا تھا۔" وہ کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

"کیا....!"

"فنگر پرنٹ والوں کی رپورٹ ہے۔ پٹرول کے ٹین پر تمہاری انگلیوں کے نشانات کے علاوہ
کچھ نہیں ملا۔"

"اس نے دستانے پہن رکھے ہوں گے؟"

"ہاں کافی ہوشیار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... اُس معاملے کو بھی تو صاف کیجئے نا۔" حمید اکتا کر بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"پرویز نے اُس عورت کی نقل کیوں تیار کرائی تھی۔"

"بدبختی تھی سالے کی۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"اور چیخوں والا ریکارڈ کیوں بنوایا تھا۔" فریدی رو میں بولتا رہا۔ "اس کی شخصیت اتنی پُراسرار
تھی؟ وہ دنیا سے بے تعلق اُس عمارت میں کیوں بند رہتا تھا؟ اس کے اندر اذیت پسندانہ
ات کیوں پیدا ہوئے تھے؟"

حمید خاموش رہا۔

"اس نے دو ماہ قبل جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کے ذریعہ ایک ایسا مجسمہ تیار کرایا، جو ایک
رت کی نقل تھا۔ ایک ایسا ریکارڈ تیار کرایا جس میں صرف چیخیں تھیں۔ کل رات اُسے اس

کمرے میں مجسمے کی بجائے اُس عورت کی لاش ملی جس کی نقل وہ مجسمہ تھا۔ پھر تم نے کی
آدمی کو دیکھا، جو اس مجسمے کو جلانے کی کوشش کر رہا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل رات اس
جگہ اس کی ہم شکل عورت نے لے لی تھی۔ آخر پرویز نے اُسے مار کیوں ڈالا؟ اور اعتراف
کے ساتھ ہی ساتھ اپنی بے گناہی کیوں ثابت کرتا رہا۔"

فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مرچنٹس کارپور
منتظم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ مجسمہ خاص طور سے آرڈر دے کر بنوایا گیا تھا
لئے پرویز نے اس عورت کی پوری تصویر دی تھی ساتھ ہی ریکارڈ کا آرڈر بھی۔"

"چلئے میں سمجھ گیا کہ وہ مجسمہ بنوایا گیا تھا؟" حمید نے کہا۔ "لیکن میں اس پر کیسے یقین
کہ پرویز نے اُسے نادانستگی میں مار ڈالا۔"

"اس کی بھی وجہ ہے تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔
تم اس نقب کو کیوں بھول گئے۔ چلو خیر اسے بھی جانے دو۔ پرویز نے اگر اسے جان
مار ڈالا تھا تو اس نے اُس کی لاش کو ٹھکانے کیوں لگا دیا اس کے لئے کافی موقع تھا ظاہر ہے
رات بھر بھی اس کمرے میں بند رہتا تو کسی نوکر کی ہمت اس کے قریب آنے کی نہ پڑتی
اُس کمرے ہی سے خائف تھے۔

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میں اُس نقب کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اُس نقب ہی کی
رہا ہوں کہ پرویز نے اُسے جان بوجھ کر قتل کیا تھا اور اسے ٹھکانے لگا دینے کی کوشش
اُس نے اُسے مار ڈالنے کے بعد خود ہی نقب لگائی مگر نہیں.... اگر یہ بات تھی تو وہ کمرے
کس طرح پہنچی تھی۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "بس بوکھلا گئے۔ چلو سنو! تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت
اُس نے اُسے جان بوجھ کر یا اپنے ہوش میں قتل کیا۔ ہو سکتا ہے کہ میری تھیوری غلط ہو
نے امکانات ہی کی روشنی میں اُسے مرتب کیا ہے۔ میری دانست میں کسی شخص نے، جو
اس کے معمولات سے اچھی طرح واقف تھا اس عورت کو نقب کے راستے کمرے میں
اُسے وہیں ٹھہرنے کی تاکید کر کے وہ ریکارڈ اور مجسمہ وہاں سے نکال لے گیا اور ہو سکتا
نے وہاں دیا سلائی اور موم بتی بھی غائب کر دی ہو۔ اس کے جانے کے بعد پرویز اندر دا

ور اندھیرے میں اس عورت کو مجسمہ ہی سمجھ کر اس کا گلا گھونٹنے لگا ہو۔"

"بھلا مجسمے کا گلا گھونٹنے سے کیا مراد؟" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ گراموفون پر چیخوں کا ریکارڈ لگا کر اُس مجسمے کی پوجا کرتا رہا ہوگا۔ کیا
نہیں نوکروں کا بیان یاد نہیں۔ کیا پرویز کی ان حرکتوں کا علم نہیں جو وہ ننھے ننھے پرندوں
لہریوں اور تتلیوں کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ کیا تم اس کا مطلب بتا سکتے ہو کہ وہ نر پرندوں کو چھوڑ
ر صرف مادہ پرندوں ہی کو کیوں اذیت دیتا تھا.... بہر حال" وہ تھوڑی دیر رک کر پھر بولا۔ "میں
س نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر وہ عورت اُسے روزِ روشن میں کہیں مل جاتی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ.....!"

"قطعی! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اُس سے یہ قتل نادانستگی میں سرزد ہوا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"عورت.... عورت.... عورت۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس سے پیچھا چھڑانا محال ہے؟ یہ صرف انہیں لمحات میں تم پر
جان دیتی ہے جب تم نے اُس کے جذبات ابھار دیئے ہوں اور اس کے علاوہ وہ صرف ماں بن سکتی
ہے، بہن بن سکتی ہے اور بیٹی بن کر وفادار رہ سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"کچھ نہیں میں نے ایک غیر متعلق بات شروع کر دی تھی۔ ویسے مختصراً یہ کہ رعنا کبھی نہ
کبھی پرویز کی بیوی ضرور رہی ہوگی۔"

"بیوی!" حمید تقریباً چیخ پڑا۔

"قیاس ہے۔ فی الحال میرے پاس اس کا واضح ثبوت نہیں۔"

"اگر وہ اس کی بیوی تھی تو میں بیویوں کے مستقبل سے مایوس ہوں۔"

"بیوی!" فریدی پُر خیال انداز میں بڑبڑایا۔ "شٹ اپ.... اس لفظ کو بار بار نہ دہراؤ۔"

"کیا کفن اور کافور دکھائی دینے لگتا ہے آپ کو۔" حمید ہنس پڑا۔

فریدی پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

"نہ آپ شادی کرتے ہیں اور نہ دوسروں ہی کو شادی شدہ دیکھ سکتے ہیں۔" حمید نے چٹکی لی
"میں نہیں چاہتا کہ تمہارا محبوب ترین موضوع گفتگو دیر تک جاری رہے۔" اس نے کہا
چند لمحے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "بہر حال وہ عورت
بھی دھوکے ہی میں ماری گئی۔"

"کیوں؟"

"تم شاید کچھ اور سوچ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ وہاں مرنے کی نیت سے تو نہ آئی ہوگی"

"ظاہر ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ پرویز یہ جانتا ہی نہ رہا ہوگا کہ وہ بھی اسی شہر میں مقیم ہے۔" فریدی
بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "تم بالکل الو ہو! تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا۔ اس دوسری لڑکی
حراست میں نہ لینا تھا۔"

"کیوں....؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہزاروں حلیے تھے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا بہتر ہی ہوا۔ اب کیا کرنا ہے؟" وہ سوالیہ نظروں
حمید کو دیکھنے لگا۔

"غالباً پرویز کی بیہوشی رفع ہونے کا انتظار ہی بہتر رہے گا۔" حمید بولا۔

"مہمل۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس سے کیا ہوگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اور اس عورت کا تعلق
ظاہر کردے گا۔ اس آدمی کے متعلق شاید وہ بھی کچھ نہ بتا سکے جو اس قتل کا باعث بنا ہے۔"

"کیوں؟"

"پھر وہی کیوں؟" فریدی جھنجلا گیا۔ "تم آدمی ہو یا کسی کی نقل۔ یا افیون کھا رکھی ہے
اس آدمی کو یہ یقین ہوتا کہ پرویز کی شخصیت پر روشنی ڈال سکے گا تو وہ ایسی حرکت ہی نہ کرتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کہنا کیا چاہتا ہے۔

"اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اُس نے اس عورت کو پرویز ہی کے ہاتھوں کیوں قتل کرایا
فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ضرور دیکھئے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔ وہ حقیقتاً اس لڑکی کے متعلق سوچنے لگا تھا جو

پولیس کے حوالے کر آیا ہے۔ ان دنوں اس کی زندگی کچھ خشک سی گذر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
اگر وہ تفتیش ہی کے بہانے اس سے تھوڑے بہت تعلقات پیدا کر لیتا تو یہ پہاڑ سے دن اور اُجاڑ سی
راتیں اتنی گراں نہ گذرتیں وہ سوچتا رہا اور فریدی بولتا رہا۔ "پرویز کی نیند کا سلسلہ شاید ابھی ختم نہ
ہو۔ سالہا سال کی بے خوابی کا شکار ذہن کچھ دن آرام ضرور کرے گا جس خلش نے اُسے نیند سے
محروم کر دیا تھا وہ رفع ہو گئی۔"

"کون سی خلش؟" حمید چونک کر بے خیالی میں بولا۔

"یہ خلش کہ حمید کی موت فریدی کے ہاتھوں واقع ہوگی۔" فریدی نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آخر آپ آج کاٹنے کو کیوں دوڑ رہے ہیں۔"

"تمہیں یہاں آنے کی بجائے آرلکچو میں جانا چاہئے تھا، ممکن ہے کہ وہ دونوں وہاں روز
جاتے رہے ہوں۔"

"میں کہتا ہوں سیدھا راستہ اختیار کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "پرویز کے نوکروں میں سے کوئی اس
آدمی کو ضرور جانتا ہوگا۔ کیونکہ پرویز کا کوئی نوکر ہی اُسے پرویز کے معمولات سے باخبر کر سکتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ سب اس سے لاعلم ہیں۔" فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

دوسرا پاگل

تین دن گذر گئے۔ لیکن پرویز کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ پھر بھی ڈاکٹروں کو
توقع تھی کہ وہ خود ہی کسی وقت ہوش میں آجائے گا۔

اس دوران میں فریدی اور حمید دونوں بے حد مشغول رہے۔ حمید نے اپنے شبے کے مطابق
پرویز کے نوکروں کو ہر طرح ہلایا جلایا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی۔ آرلکچو کی تحقیقات
میں بھی مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سے فریدی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رعنا اور وہ گم نام آدمی
روزانہ کے گاہکوں میں سے نہیں تھے۔ فریدی پرویز کے کاغذات میں بھی الجھا رہا۔ یہ بھی تو دیکھنا
تھا کہ آخر پرویز کون ہے۔ اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ اس کے دوسرے اعزہ بھی ہیں؟ اگر ہیں تو
کہاں ہیں؟ حمید اس کی مصروفیات میں مخل نہ ہوا اور نہ ہی اس نے اس سے یہی دریافت کیا کہ اسے

کچھ کامیابی ہوئی یا نہیں اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ دارو والا بلڈنگ کے غنڈے مارتھا سمیت ضمانت پر رہا ہوگئے تھے اور حمید مارتھا کے ساتھ مصروف تفتیش تھا۔ فریدی نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا۔

آج بھی حمید نے پہلے ہی سے کوئی خاص قسم کا پروگرام بنا رکھا تھا لہٰذا جب فریدی نے اُ اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ پھیل گیا۔

"میں کہیں نہیں جاسکتا! خواہ مخواہ مجھے بور نہ کیجئے۔ میں پرویز والے معاملے میں الجھا ہوا ہوں۔"

"اسی سلسلے میں تمہیں تکلیف دی جارہی ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں آپ نے تو کہا تھا کہ میں کسی دوسرے معاملے میں مصروف ہوں۔"

"فی الحال میں نے اُسے ملتوی کردیا ہے۔"

"لیکن میں دوسرا پروگرام بنا چکا ہوں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم آج کل اسی بہانے کس قسم کے پروگرام بنا رہے ہو۔ تم کل رات بھی مارتھا کے ساتھ آرلکچو میں رقص کررہے تھے۔"

"تو پھر....!" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "میں اس کی پوجا کرکے تو مجرم تک پہنچ نہیں سکتا۔"

"چلو کپڑے پہنو۔" فریدی نے اُسے اس کے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈیلاک کمپاؤنڈ سے سڑک پر نکل رہی تھی۔

"اب تو بتادیجئے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سعید آباد۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"کیوں کوئی خاص بات۔"

"کون سا سعید آباد۔" حمید نے پھر پوچھا۔

"تو کیا اس صوبے میں کئی سعید آباد ہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"جانتے ہیں آپ کتنی دور ہے سعید آباد۔"

"اٹھاسی میل۔"

"اس بھاگ دوڑ کا مطلب۔"

"پرویز کے سلسلہ نسب کا پتہ چل گیا ہے۔"

"جو غالباً عوج بن عنق سے ملتا ہوگا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"وہ سعید آباد کے ایک رئیس کا لڑکا ہے۔"

"کیسے معلوم ہوا۔"

"پرویز کے کاغذات سے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کا سوتیلا بھائی اب بھی غالباً سعید آباد ہی رہتا ہے۔"

"سوتیلا بھائی؟" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں.... لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہمارا شکار وہی ہو۔ ویسے بظاہر اس حادثے کا مقصد یہی سکتا ہے کہ پرویز کی دولت ہتھیائی جائے۔"

"کیوں؟ یہ کس طرح؟"

"یہ اس طرح کہ اگر اُس شخص کا پتہ نہیں لگتا تو پرویز کا راستہ پھانسی کے تختے تک بالکل ف ہے؟"

"اوہ....!"

"لیکن یہ بات پھر بھی صاف نہیں ہوئی کہ اس پُراسرار آدمی کو پرویز کے معمولات کا علم نکر ہوا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

تین گھنٹے بعد وہ سعید آباد پہنچ گئے۔ دن ڈھل رہا تھا اور اس چھوٹے سے شہر پر اضمحلال سا ری ہوتا جارہا تھا۔ سرور لاج تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ یہ پتھر کی سلوں سے ئی ہوئی ایک بہت بڑی عمارت تھی جس کے سامنے ایک کشادہ پائیں باغ تھا۔ باغ کی چہار واری جدید طرز کی تھی۔

فریدی کی کیڈی پھاٹک سے گذرتی ہوئی پورٹیکو میں جا کر رک گئی۔

حمید کی نظریں جو ہر چیز کا مضحکہ خیز پہلو تلاش کرلینے میں کافی مشاق تھیں یہاں بھی محروم رہ سکیں۔ اس نے برآمدے میں ایک عجیب الخلقت آدمی دیکھا۔ یہ تھا تو نوجوان العمر ہی لیکن س نے اپنا حلیہ بڑا مضحکہ خیز بنا رکھا تھا۔ اگر ڈھنگ سے ہوتا تو اس کی شخصیت یقیناً جاذب توجہ

ہوتی۔ اس نے نیلے رنگ کی سلک کا ایک لمبا سا لبادہ پہن رکھا تھا اور پیروں میں غالباً
کھال کے سلیپر تھے۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف تھیں۔ سر کے نچلے حصوں میں گھنے اور سیا
بیچ کا حصہ بالکل صاف اور سپاٹ تھا۔ شاید اس نے اپنی بھنوئیں بھی مونڈ رکھی تھیں۔

فریدی اور حمید کو کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔
چہرے پر ایسی الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے جو تنہائی پسند آدمیوں کی طبیعت کا خاصہ ہو

"ہیلو....!" اس نے اپنی آنکھوں کو گردش دی۔

فریدی اور حمید اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ا
کے درمیانی حصے کی صفائی میں قدرت کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ اُس پر اُسترہ چلایا گیا تھا۔

"کیا تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں فرمایئے۔" وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

"سی آئی ڈی انسپکٹر! گڈ گاڈ....! ہلو۔" وہ فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میں تنویر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ملئے.... ملئے.... تشریف رکھئے۔" اس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

"اے منڈو!" اس نے شاید کسی نوکر کو پکارا۔ "بیگم صاحب کو بولو، سب دودھ بہا جار

"تو آپ ہی تنویر صاحب ہیں۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"جی ہاں۔" تنویر نے ہاتھ ملانے کے بجائے اپنی چھڑی فریدی کے ہاتھ میں د
دروازے کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ارے بھئی دودھ بہا جا رہا ہے۔"

حمید پر تولنے لگا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو اس کا سر ضرور سہلاتا۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" دروازے سے ایک مترنم قسم کی نسوانی آواز آئی۔

حمید اور فریدی چونک کر مڑے۔ عورت قبول صورت اور دلکش تھی۔ عمر بیس
کے درمیان میں رہی ہوگی۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔

"بیگم آپ سے ملئے.... فرید احمد صاحب! سی آئی ڈی انسپکٹر۔"

فریدی۔" فریدی نے مسکرا کر قدرے جھکتے ہوئے تصحیح کی۔

تشریف رکھئے۔" بیگم نے پھر حمید کے کانوں میں شربت کی پچکاری لگائی۔

ب دودھ بہہ گیا؟" تنویر نے بچوں کی طرح اُس سے پوچھا۔

نہیں بہا؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

ٰیں پرویز صاحب کے متعلق کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

پرویز بھائی!" مسز تنویر چونک پڑی۔ "ہاں ہاں فرمایئے۔"

نہیں ایک حادثہ پیش آ گیا ہے؟"

ب اور کہاں؟" عورت تقریباً چیخ کر بولی۔

اوہ....!" تنویر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہ پوچھو! زندہ ہے یا مر گئے۔"

مید نے اُسے عجیب نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

چپ رہئے۔" مسز تنویر بگڑ کر بولی۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ "کہاں پیش آیا
بات ہے ہمیں تقریباً تین چار سال سے ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہم اُن کے متعلق صرف ایک ہی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" تنویر پھر بولا۔ "زندہ ہیں یا
۔ اگر بیمار ہیں تو کب تک مر جانے کی امید ہے اور یہ کہ کچھ بینک بیلنس بھی ہے یا خالی ہاتھ
ے ہیں۔"

"تنویر ڈارلنگ.... خدا کے لئے۔" ز تنویر ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"وہ کئی دنوں سے بیہوش ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ویری گڈ۔" تنویر اپنی ران پر ہاتھ مار کر اچھلا۔ "تب تو جلد ہی مرنے کی امید کی جا سکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" حمید نے اُسے آنکھ مار کر کہا۔

"ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے" تنویر نے بیوی کی طرف دیکھ کر ہانک لگائی۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ پھر فریدی سے مخاطب ہوئی "بتایئے نا کیسے
ش ہوئے؟"

"انہوں نے ایک عورت کو مار ڈالا ہے۔"

"ہائے غضب!" مسز تنویر سینے پر ہاتھ مار کر اچھل پڑی۔

"ایک عورت نے انہیں مار ڈالا۔ ہپ ہپ ہرا۔" تنویر تالی پیٹنے لگا۔

"چپ رہو.... چپ رہو۔" اس کی بیوی اُسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

بمشکل تمام تنویر خاموش ہوا۔ فریدی اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"میں آپ سے کیا عرض کروں۔" اس کی بیوی جھینپے ہوئے انداز میں کہہ رہی
"گرمیاں شروع ہوتے ہی یہ ایسے ہو جاتے ہیں۔"

"تو اس خاندان میں سبھی ایسے ہوئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ یہ مرض موروثی تو نہیں۔" فریدی بولا۔

"پرویز بھائی نے کسے قتل کر دیا۔ وہ کون عورت تھی؟"

"رعنا سلیم۔"

"نام تو بڑا حسین ہے۔" تنویر بولا۔ "خود بھی حسین رہی ہوگی۔ ارے بھئی دودھ بہا جا رہا۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" اُس کی بیوی اس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"رعنا سلیم کون تھی؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے وہی تصویر نکالی، جو حمید کو رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاش کے سلے
ملی تھی۔ اس میں پرویز اور رعنا سلیم دونوں ساتھ تھے۔

"یہ عورت....!" مسز تنویر بے اختیار چیخی۔ "ہائے غضب ثمینہ باجی۔"

اُس نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

"ثمینہ....!" تنویر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لاؤ دیکھوں تو۔"

اُس نے تصویر زمین سے اٹھالی۔

"بے شک ثمینہ ہی ہے۔" اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی کی
دیکھا جو بازوؤں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ وہ اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ارے
.... سارا دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"دیکھا آپ نے۔" وہ فریدی کی طرف شکایت آمیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "یہ
بیوی ہے۔"

"ثمینہ سے پرویز کا کیا تعلق تھا۔" فریدی نے اُس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"وہ پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ہاتھوں ماری گئی.... اور یہ بیوی بھی....!"

"چپ رہو۔" مسز تنویر چیخ پڑی۔

"کیا ان دونوں کے تعلقات اچھے نہیں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں!" تنویر منہ چڑھا کر بولا۔ "تم نے خواہ مخواہ میری ننھی منی بیوی کو رلا دیا۔ ثمینہ
اس کی چچازاد بہن تھی.... ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"محترمہ ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔

"کیوں مار ڈالا.... انہوں نے کیوں مار ڈالا۔"

"یہ تو ان کے ہوش میں آنے پر معلوم ہوگا۔"

"کیا ہوش میں آجانے کے امکانات ہیں۔" تنویر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔"

"تب تو بیہوشی ہی فضول ہے۔" تنویر بولا۔ "یار کچھ ان کے بینک بیلنس کے متعلق تو بتاؤ۔"

"تنویر تم جانور ہو.... بالکل جانور۔" اس کی بیوی چیخی۔

"یہ دیکھئے یہ میری بیوی ہے.... میری جان میں بھی تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"تمہارا خاندان ہی خونی ہے۔"

"پاندان! کیا کہا پاندان۔" تنویر بڑبڑایا۔ پھر فریدی سے پوچھنے لگا۔ "آخر خاندان کے نام پر
مجھے پاندان کیوں یاد آجاتا ہے۔"

تنویر کی بیوی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو! اندر چلو۔"

"مائی ڈیئر انسپکٹر رخصت۔" تنویر نے فریدی کی طرف دیکھ کر مایوسی سے کہا۔ "یہ پاگل
عورت مجھے قبر ہی میں دھکیل کر دم لے گی۔ ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"نہیں بہہ رہا! اندر چلو۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی فریدی سے بولی۔ "میں
ابھی آتی ہوں۔"

فریدی اور حمید عجیب نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد
مسز تنویر واپس آگئی۔

"ہاں اب بتایئے انسپکٹر صاحب۔" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "پوری گرمیاں مصیبت ۔ گذریں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ پرویز صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔"

"ان لوگوں کی نسل ہی ایسی ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ "ان کے باپ بھی تھوڑ سے جھکی تھے۔"

"پرویز اور ثمینہ کے تعلقات کیسے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے تو اچھے تھے۔"

"پہلے سے کیا مطلب۔"

"پانچ سال قبل ہم سب اکٹھا رہا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے باپ حیات تھے۔ ان کے انتقا کے بعد بٹوارہ ہو گیا۔ پرویز نے اپنی غیر منقولہ جائیداد بیچ ڈالی اور ثمینہ کو لے کر کہیں چلے گئے۔ اا کے بعد ان کا کچھ پتہ نہیں کبھی سننے میں آیا کہ افریقہ میں ہیں.... اور کبھی جنوبی افریقہ میں۔"

"ثمینہ آپ کی چچازاد بہن تھی۔"

"جی ہاں۔"

"اس کے والدین کا پتہ بتایئے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے علاوہ ان کا کوئی عزیز قریب زندہ نہیں۔"

"تنویر صاحب کے علاوہ پرویز کا کوئی اور وارث۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کے لئے تنویر صاحب کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے گا۔ گرمیوں بھر اُن کی یہی حالہ رہے گی۔ اکثر مجھ سے کہتے ہیں کہ خدا کرے تم مر جاؤ تو میں دوسری شادی کروں۔ وہ بھی مر جا۔ تو تیسری کروں اور اسی طرح چوتھی.... پانچویں.... کل کہہ رہے تھے کہ میں اپنی پلکیں بھی ڈالوں گا۔ کبھی کبھی کہتے ہیں کہ چہرے پر اُبھری ہوئی ناک بُری لگتی ہے۔ خوبصورت آدمیوں چہرہ بالکل سپاٹ ہونا چاہیے۔ بعض اوقات اپنے دونوں کان پکڑ کر اکھاڑنے کی کوشش کر۔ ہیں۔ کہتے ہیں یہ کیا ادھر اُدھر نکلے ہوئے ہیں کیا خدا یہاں کنول کے پھول نہیں لگا سکتا تھا۔"

حمید ہنسنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ "انہیں ایک شفاخانے میں داخل کرا دیجئے۔ ڈاکٹر حمید شفاخانہ.... تین دن میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"اور یہ دودھ کا کیا قصہ ہے۔" فریدی نے پُر خیال انداز میں پوچھا۔

"دن رات باورچی خانے میں دودھ پکواتے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی دیر بعد کہتے ہیں دیکھو ہ بہا جا رہا ہے۔ دودھ کبھی استعمال نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ مجھے صرف بالائی پڑنے کا منظر بڑا ن لگتا ہے۔ ہاں آپ نے کسی ڈاکٹر کا نام بتایا تھا۔"

"کوئی نہیں! یونہی۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "تو پرویز کا کوئی اور وارث نہیں۔"

"جی نہیں! لیکن خدارا.... تنویر صاحب کی بات کو کوئی اہمیت نہ دیجئے گا۔" مسز تنویر نے کہا۔

کار میں لاش

کافی رات گئے فریدی اور حمید سعید آباد سے واپس ہو رہے تھے انہوں نے بڑی دیر تک اِدھر ر سر مارا تھا۔ سعید آباد کی کوتوالی میں بھی کچھ دیر ٹھہرے تھے۔ یہاں ساری پوچھ گچھ تنویر ہی ے متعلق ہوئی تھی۔ تنویر کے خاندان سے واقفیت رکھنے والے بھی یہ نہ بتا سکے کہ پرویز نے اں بود و باش اختیار کر رکھی تھی۔ تنویر کے متعلق سب نے تصدیق کی کہ گرمیوں میں اس کا اغی توازن گڑبڑا جایا کرتا ہے۔

تنویر کا شمار سعید آباد کے نیک نام اور خدا ترس لوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی نے اس کے علق جو معلومات فراہم کی تھیں انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ پرویز لے معاملے میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔

"مگر اس کا پاگل پن عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس سے ایک بار پھر ملوں گا؟" حمید نے کہا۔

"مگر پاگلوں سے تو تم ڈرتے ہو۔"

"سنجیدہ قسم کے پاگلوں سے نہیں۔ میں انہیں پاگلوں سے ڈرتا ہوں جن سے جان پہچان نہ ہو۔ اچھا بھلا بتایئے میں کبھی آپ سے ڈرا ہوں۔"

فریدی شاید جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا یا پھر شاید کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"آپ شاید اس کی بیوی کے متعلق سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ہونا بھی چا
قدرتی بات ہے۔ جب کوئی مجرد آدمی کسی شادی شدہ جوڑے کو دیکھتا ہے تو دل میں ٹیس ا
اٹھتی ہے۔ اگر آج آپ شادی شدہ ہوتے تو آپ کی بیوی بھی بیچاری ملنے والوں سے یہی کہ
آپ ان کی باتوں کا بُرا نہ مانئے گا۔ یہ چوبیسوں گھنٹے سراغرساں رہتے ہیں۔"

"یہ بات بھی اب صاف ہوگئی کہ ثمینہ پرویز کی بیوی تھی۔" فریدی بولا۔ "لیکن پیشہ کرتی تم

"ٹھیک یاد آیا! آپ نے اس اطلاع سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ پرویز کی بیوی ہی ہو سک
آخر آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "صرف بیوی ہی کی بیوفائی کسی آدمی کو اتنا بھیا
سکتی ہے۔"

"کیوں؟ کیا کسی محبوبہ کی بے وفائی آدمی کو انتقام پر نہیں اکسا سکتی۔" حمید نے کہا۔

"اکسا سکتی ہے لیکن ایسے معاملات میں یہ آگ دیر تک نہیں سلگتی.... محبوبہ کسی دوسر
ہو کر بچے جننے میں مشغول ہو جاتی ہے اور عاشق کچھ دنوں تک تو دردناک قسم کے فلمی گیت
رہتا ہے پھر وہ بھی اپنی راہ لگ لیتا ہے یا زیادہ تاؤ باز ہوا تو موقع ملنے پر انتقام لے لیتا ہے لیکن و
پہلی فرصت میں۔ زیادہ دنوں تک یہ روگ نہیں پالتا۔"

"لیکن میں نے تو ایسے بھی عاشق دیکھے ہیں جو محبوبہ کے بچوں سے خود کو ماموں
کہلواتے ہیں۔" حمید بولا۔ "مگر پرویز۔"

"پرویز تین سال سے تنہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے اُسے علم ہی نہ رہا ہو کہ ا
بیوی کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے جب کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دیتی ہے تو خواہ شوہر ا
سے محبت رہی ہو یا نہ رہی ہو اس کی مردانگی کو ضرور ٹھیس لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی مردانگی کی ت
سمجھتا ہے اور ایک چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح انتقام کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ پرویز
مجسمہ اسی لئے بنوایا تھا کہ اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ پر چھینٹے دیتا رہے۔"

"کیا آپ اسے درست اور جائز سمجھتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ کسی معلم اخلاق سے پوچھو۔"

"نہیں میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔ آپ کی ٹانگ تو دنیا کے ہر معاملے میں اڑی ہوئی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "میرے خیال میں شادی عورت اور مرد کے
رمیان محض ایک سماجی معاہدہ ہے۔ اگر طرفین میں سے کوئی اس معاہدے کا احترام نہ کرے تو
ں کی سزا موت تو نہ ہونی چاہئے کیونکہ دنیا کا کوئی قانون عہد شکنی پر اتنی سخت سزا نہیں دیتا۔"

"مگر سوال پھر اُسی جھنجھلائی مردانگی پر آپڑتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"جھنجھلائی ہوئی نہیں بلکہ مشتبہ مردانگی کہو۔"

"مشتبہ کیوں؟"

"ایسے معاملات میں بیوی کو قتل کر دینے والے معموماً اپنی مردانگی میں شبہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا
ن کی غیر شعوری خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی جنسی کمزوری کے اُس چلتے پھرتے اشتہار کو ہمیشہ
کے لئے ختم کر دیں اور یہ لاشعوری خواہش عموماً دیوانگی کی حد تک بڑھے ہوئے غصے کا لبادہ اوڑھ
ر ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی یہ خواہش منطقی شعور کو احتساب کا موقع ہی نہیں دیتی اور عمل یعنی قتل
رزد ہو جاتا ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ بیویوں کی بد چلنی کی وجہ عموماً شوہروں کی جنسی کمزوری ہوتی ہے۔"

"نہیں ایسا تو نہیں بہتیرے نامردوں کی بیویاں انتہائی پارسا ہوتی ہیں اور بہتیرے جوان
ردوں کی طوائفوں سے بھی بدتر۔ مثلاً وہ عورت جو جنسی بوالہوسی کا شکار ہے۔ فولاد کے آدمی کی
بھی پابند نہیں رہ سکتی۔ اُسے تو بس اپنی زندگی میں ہر آن اور ہر لحظہ نیا پن چاہئے۔"

"جنسی ابوالہوسی کی وجہ کیا ہوتی ہے؟"

"ہوتی ہوگی کچھ مجھے یا تمہیں اس موضوع پر کوئی مضمون نہیں لکھنا ہے۔" فریدی اُکتا کر بولا۔

"لیکن راستہ تو کاٹنا ہے۔" حمید نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تو عورت ہی کا تذکرہ کیوں۔" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"محض اسلئے کہ مجھے ایک عورت نے جنم دیا ہے اور عورت ہی قبر تک پہنچائے گی شعر سنئے۔

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا،
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا سے جدائی کا"

"ابے سور یہ تصوف کا شعر ہے۔" فریدی ہنستا ہوا بولا۔

"یا شیخ! میں جانتا ہوں۔ ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ جب عورت بھی وہی اور مرد بھی وہی تو پھر یہ حجاب کہاں تک درست ہے۔ یہ سارے قطرے ایک دن مل کر دریا بن جائیں گے۔"

"ظالم تو تو فرائڈ سے بھی دس ہاتھ آگے نکل گیا۔ اس نے پوری انسانی زندگی کو جنسیت کے سانچے میں ڈھالا تھا اور تو نے جنسیت کے ڈانڈے ابدیت سے ملا دیئے۔"

"میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"تو ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ابھی سے مخصوص کر لیا جائے۔"

"کیوں ہتھکڑیاں کیوں۔ واہ جناب Sun Bath اور Health جیسے رسالے تو کھلے عام فروخت ہوں اور میری محققانہ تصنیف پر یہ عتاب.... کتاب کا نام "عشق مجازی سے عشق حقیقی تک ہوگا'

"لکھو گے کیا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"یہی لکھوں گا کہ عورت اور مرد کے تعلقات پر کسی طرح کی پابندی عائد نہ کرنا حسن ازل سے کھلی ہوئی غداری ہے۔ غداروں کو کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ تصوف زندہ باد اور بقیہ سب، کچھ مردہ باد۔ علماء کرام بائیکاٹ وغیرہ وغیرہ۔"

"تمہارے والد صاحب ابھی زندہ ہیں۔"

"اور میری کتاب پڑھ کر ان کی زندگی اور بڑھ جائے گی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کیا سمجھتے ہیں آپ میرے ابا میاں کو.... میں جو کچھ بھی ہوں انہیں کی بدولت ہوں۔ یہ تصوف میں نے انہیں سے سیکھا ہے۔ ایک بار کا لطیفہ سنئے۔"

حمید نے رک کر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "میں یہی کوئی بارہ تیرہ برس کا رہا ہوں گا۔ ابا میاں کے شباب کا زمانہ تھا۔ ایک رات ایک صاحبہ مردانخانے میں تشریف لائیں.... میں دوڑا ہوا والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور انہیں گھبراہٹ میں یہ خبر دی کہ ابا میاں ابھی دو تین بوتلیں اپنے ساتھ لائے ہیں، اور انہوں نے مردانخانے کا دروازہ بند کر لیا ہے۔ والدہ صاحبہ ا کی رنگین مزاجی سے تو واقف تھیں لیکن یہ بوتلوں والی اطلاع اُن کے لئے بالکل نئی تھی۔ غ میں وہ چھت پر چڑھیں اور ادھر ہی سے مردانخانے میں چلی گئیں۔ پھر میں جو بھاگا ہوں تو چچا یہاں جا کر پناہ لی۔ مگر دوسرے دن اس بُری طرح ادھیڑا گیا ہوں کہ خدا کی پناہ۔"

"ابے سور۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"دوسرا لطیفہ سنئے! اُس وقت میری عمر پانچ یا چھ سال رہی ہو گی۔ ابا نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے۔ میں نے جواب دیا رنڈی۔ وہ منہ پھاڑ کر مجھے گھورنے لگے پھر بولے کیا بکتا ہے۔ میں نے کہا امی خالہ جان سے کہہ رہی تھیں کہ آپ رنڈیوں کو بہت چاہتے ہیں۔"

"کیوں غپ ہانک رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"خدا قسم۔"

"خیر حمید صاحب! اگر تم مرد نہ ہوتے تو رنڈی ہی ہوتے۔"

"ہائے ہائے کیا زمانہ تھا۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "بارہ تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک صاحب کی بیوی سے عشق ہو گیا تھا.... ہائے.... خدا کی قسم میں اس کے مہندی لگے ہوئے نرم و نازک ہاتھ کبھی نہ بھلا سکوں گا اور وہ اُبھرے ہوئے ہونٹوں کے گرد لرزتی باریک سی نتھ۔"

"نتھ! لاحول ولا قوۃ۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا وہ تمہاری کوئی رشتہ دار تھی۔"

"ہاں! میرے باپ کے چھوٹے سالے کی بیوی۔"

"یعنی تمہاری ممانی۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"اب تو ممانی ہی ہیں۔ مگر اُس زمانے میں میں نے سنجیدگی سے خواہش کی تھی کہ کاش وہ میری بیوی ہوتیں۔"

"تم سے بڑا سور آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا؟"

"آپ تو سور کہہ کر رہ گئے لیکن ابا میاں اور امی نے خاصی پٹائی کی۔"

"کیا انہیں معلوم ہو گیا تھا۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے کبھی چھپ کر عشق نہیں کیا۔" حمید بولا۔ "ایک دن میں نے ممانی کو ایک عدد خط لکھ دیا۔ لکھا کیا تھا ایک ناول سے نقل کر دیا تھا۔ اس پر ممانی نے میرے کان تھام کر دو تھپڑ اور ماموں نے ہزاروں قہقہے لگائے۔ والدین تک خبر پہنچی تو انہوں نے الگ ادھیڑا۔"

"اس کے بعد پھر کبھی سامنا کرنے کی ہمت پڑی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کی قسم! ماموں کے سامنے انہیں آنکھ مار کر مونچھوں پر تاؤ دیا کرتا تھا وہ دونوں میاں بیوی تو یہی سمجھتے تھے کہ میں نے ان کی چڑھ نکال رکھی ہے۔ مگر میں سنجیدگی سے عاشق ہوا تھا۔"

"اور اب۔"

"اب تو وہ سو فیصدی ممانی ہوگئی ہیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن اب میر
اپنے ذہن کو کریدتا ہوں تو اُس نتھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہاتھ آتا۔ مجھے دراصل اُن کی نتھ
عشق تھا۔ ہر وہ شخص جو مجھ سے قریب ہے اُسے میں تصور میں نتھ ضرور پہناتا ہوں۔ مثلاً
آپ سے محبت ہے آپ کی عدم موجودگی میں جب بھی آپ کی تصویر میرے ذہن پر ابھری
آپ کی ناک میں نتھ ضرور ہوتی ہے اور نتھ کے بیچ میں سگار۔"

"مارتے مارتے اُلّو بنادوں گا۔" فریدی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میں نے لمبی لمبی ڈاڑھیوں پر نتھیں لہراتی محسوس کی ہیں۔" حمید نے غمگین آواز میں کہا
کیڈی لاک سنسان سڑک پر پھسلتی جارہی تھی۔ دفعتاً مخالف سمت سے ایک کار برق رفتا
سے آئی اور گذر گئی۔

"کیوں....؟" فریدی بے ساختہ چونکا۔ "کیا یہ چیخ نہیں تھی۔"

اس نے اپنی کار کی رفتار کم کردی اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دوسری چیخ حمید نے بھی صاف س
لیکن آواز دور کی تھی۔ فریدی نے تیزی سے کیڈی پیچھے کی طرف موڑ لی۔ سڑک کے دو
طرف گھنی جھاڑیوں اور چھپول کے گنجان جنگلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دو تین فرلانگ آ
ایک کار کھڑی ہوئی دکھائی دی جس کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔

کار کے قریب پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ اگلی سیٹ کی بائیں جانب کا دروازہ کھلا
تھا۔ ایک آدمی جس کا سر پائیدان پر ٹکا ہوا تھا اور بقیہ حصہ کار کے اندر دکھائی دیا۔ فریدی نے
گاڑی کی روشنی نہیں گل کی تھی۔ لیکن یہ کار ہیڈ لائیٹس کی رینج میں نہ ہونے کی بناء پر کافی رو
میں نہیں تھی۔

"ٹارچ لاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کیڈی کی طرف دوڑا۔ وہ ٹارچ تو نکال لایا، لیکن انجن بند کرنا وہ بھی بھول گیا تھا۔ فر
نے اوندھے پڑے ہوئے آدمی کو سیدھا کیا۔ چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی وہ چونک اٹھا۔

"اوہ.... کہیں دیکھا ہے اسے.... مگر یہ مرچکا ہے۔"

نرخرے پر تیز قسم کے ناخنوں کے نشانات تھے۔ کسی نے نرخرا اس شدت سے دبایا تھ
ناخن گوشت میں اُتر گئے تھے۔

"وہ اسی طرف ہوگا۔" فریدی تیزی سے بائیں سمت کی جھاڑیوں کی طرف مڑا۔ ٹارچ حمید
ہاتھوں میں تھی۔ جب تک وہ اُسے روشنی دکھائے فریدی جھاڑیوں میں کود چکا تھا۔ حمید بھی
تا پھر وہ دونوں دور تک چھپول کے جنگلوں میں گھستے چلے گئے۔ دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔

"تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہیئے تھا۔ چلو.... واپس چلو۔" وہ پھر سڑک کی طرف دوڑا۔

فریدی نے جھاڑیوں میں گھسنے سے پہلے نہ تو اپنی گاڑی کا انجن ہی بند کیا تھا اور نہ روشنی ہی
ائی تھی۔

"یا تو کیڈی گئی یا وہ کار۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ وہ دوڑ رہا تھا۔

"کیوں....؟" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"سڑک پر روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

وہ پوری قوت سے دوڑنے لگے تھے، فریدی کا اندازہ درست نکلا۔ لاش والی کار غائب تھی اور
یدی کی کیڈی کا انجن بند کرکے روشنی گل کردی گئی تھی۔

"جلدی کرو۔" وہ جھپٹ کر کار میں بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ کسی زخمی بھیڑیئے کی
رح غرا رہا تھا۔ کئی بار کی کوشش کے باوجود بھی انجن اسٹارٹ نہ ہوا۔

"کیا حماقت ہوئی ہے۔" وہ نیچے اُتر کر انجن کا ڈھکن اٹھاتا ہوا بولا۔ "ٹارچ ادھر لاؤ۔"

"چوٹ دے گیا۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"جلد بازی ہمیشہ بُرے نتائج سے دوچار کرتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"کار موڑی نہیں گئی۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر دفعتاً تیزی
ے جھکا۔ دوسرے لمحے میں حمید نے اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس پر ہیرے کے
ننھے چھوٹے چھوٹے نگ جگمگا رہے تھے۔ فریدی اُسے جیب میں ڈال کر کیڈی کی طرف جھپٹا۔ وہ
ا سعید آباد کی طرف جارہے تھے لیکن اس بار گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔

"کیا آپ نے کسی کو دیکھا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر اس بدحواسی کا کیا مطلب۔"

"اچھا تو تم یہ سمجھتے ہو کہ اس لاش نے یہ سب حرکتیں کی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ واقعات کے اُس ڈرامائی انداز نے اُسے کچھ سمجھنے ہی نہیں دیا تھا مرنے والے کے نرخرے پر ناخنوں کے نشانات نہ دیکھتا تو مشکل ہی سے یقین آتا کہ وہ موت نہیں مرا۔ کار ڈرائیو کرتے کرتے ہارٹ فیل بھی تو ہو سکتا ہے؟

فریدی خاموشی سے اسٹرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ کیڈی ساٹھ میل کی رفتار سے دوڑ رہی تقریباً تیس میل نکل آئے تھے اور سعید آباد بہت زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ دفعتاً انہیں یہ دکھائی دی اور پھر جلد ہی اُس روشنی کا معمہ بھی حل ہو گیا۔ سامنے بیچ سڑک پر ایک کار میں گھری کھڑی تھی۔ فریدی نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا اور کیڈی روک دی۔

"جانتے ہو! وہ کس کی لاش تھی۔" اس نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"یہ جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کا وہی ایجنٹ تھا جس نے وہ مجسمہ پرویز کے یہاں پہنچ اب قاتل نے اس کی لاش بھی جلا دی۔"

دیوار پھٹتی ہے

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کیڈی اسٹارٹ کر دی۔ بمشکل تمام اُس نے آگے بڑھایا۔ یہ بھی بڑا خطرناک کام تھا کیونکہ جلتی ہوئی کار کے شعلوں نے سڑک چوڑائی کو گھیر رکھا تھا بس مقدر ہی تھا کہ کیڈی آگے نکل گئی۔

"اب کہاں۔" حمید نے کہا۔

"سعید آباد.... سرور لاج۔"

"اوہ تو کیا....؟"

"میں تنویر کو چیک کروں گا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آخر اس نے بھنویں کیوں کرر کھی ہیں۔ سر کا درمیانی حصہ کیوں منڈوا دیا ہے۔"

"تو کھوپڑی چیک کریں گے آپ اس کی۔" حمید مضحکانہ انداز میں بولا۔

کیڈی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ حمید نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دو بج ر

"کیا آپ تنویر پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی۔"

"وجہ۔"

"میں اس وقت کسی بحث میں پڑنے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے اس کے متعلق ایک بہت ہی اہم بات نہیں معلوم کی۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ وہ عموماً گرمیوں میں ہمیشہ اپنی بھنوؤں وغیرہ کی صفائی کرا دیتا ہے۔"

"بھئی میرا خیال ہے کہ اگر اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہوتا تو وہ پرویز کے بینک بیلنس وغیرہ کے متعلق کچھ نہ پوچھتا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ خود کو پاگل بنا کر پیش کر رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"تو کیا وہ ہر سال گرمیوں میں پاگل بننے کی مشق کرتا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے اس پر یقین ہے کہ وہ پاگل نہیں ہے۔"

"آخر اس یقین کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔" حمید نے کہا۔

"اس کی آنکھیں.... پاگلوں اور ہوش مندوں کی آنکھوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"چلئے صاحب۔" حمید اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی سرور لاج کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ پھاٹک بند تھا۔ تقریباً آٹھ یا دس منٹ تک انہیں پھاٹک ہلانا پڑا۔ شاید چوکیدار سو رہا تھا۔

"کون ہے؟" اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"پولیس....!"

"پپ....پپ....پولیس....کیوں؟"

"دروازہ کھولو۔" حمید نے پھاٹک پر لات ماری۔

"شش یہ نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بیگم صاحب کے حکم کے بغیر.... نہیں کھل سکتا۔" اندر سے آواز آئی۔

"اُن سے کہو انسپکٹر فریدی ہے۔"

اندر قدموں کی چاپ سنائی دی جو بتدریج دور ہوتی گئی۔

"آخر آپ کس طرح چیک کریں گے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"بس دیکھتے رہو۔"

"اگر وہ تنویر ہی رہا ہوگا تو محتاط ہوگیا ہوگا اور پھر میرا خیال ہے کہ اس کی بیوی بھی اس کی حرکتوں سے لاعلم نہ ہوگی۔"

"خدا جانے۔"

"اگر وہ تنویر ہی تھا۔" حمید بولا۔ "تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ واپس ہی آگیا ہو۔ کیونکہ کار تو اس نے جلادی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ تو سوچو کہ اُس نے وہ کار وہیں کیوں نہ جلادی جہاں اُس نے اُسے پہلے چھوڑا تھا۔ اتنی دور جانے کے بعد جلانے کی وجہ کے متعلق بھی تو غور کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اُس نے یہ سارے انتظامات پہلے ہی سے کر رکھے ہوں گے۔ ہم یہاں سے سات بجے گئے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے یہاں سے ایک میل ٹرین جاتی ہے جو تقریباً دو گھنٹے میں ہمارے تک پہنچ جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جانے سے پہلے اس نے اُسی مقام پر جہاں وہ کار جل رہی تھی ایک موٹر سائیکل چھپادی ہو۔"

"تو اُسے یہاں لاکر مارنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔"

"شہر میں اُسے لاش جلانے کا موقع نہ ملتا۔"

"پھر بھی اسی وقت یہاں آنے کی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ وہ اپنی کار بھی دیکھ چکا ہے۔ اُس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ ہم ہی ہیں۔ اس لئے وہ کافی محتاط ہوگیا ہوگا۔"

"میں کہتا ہوں تم بس دیکھتے جاؤ۔"

"اندھیرے میں دکھائی بھی تو نہیں دیتا۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

اندر پھر قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

"کیا بات ہے.... کون صاحب ہیں۔" بیگم تنویر کی کپکپاتی ہوئی مترنم آواز آئی اور حمید کی آنکھیں یک بیک جاگ اٹھیں۔

"میں ہوں انسپکٹر فریدی۔" فریدی نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے۔" اندر سے آواز آئی پھر بیگم تنویر نے شاید چوکیدار کو مخاطب کیا۔ "پھاٹک کھول دو۔"

گڑگڑاہٹ کے ساتھ پھاٹک کھلا اور فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"مسز تنویر مجھے افسوس ہے لیکن اس وقت یہاں میرا آنا بہت ضروری تھا۔"

"فرمایئے! اگر دیر تک ٹھہرنا ہو تو اندر چلئے۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

وہ سب ایک بڑے کمرے میں آئے۔ مسز تنویر نے گہرے نیلے رنگ کی سلک کا سلیپنگ گاؤن پہن رکھا تھا.... اور پیروں میں سیاہ مخملی چپلیں تھیں۔ چہرہ اس وقت پہلے سے زیادہ حسین ہو رہا تھا۔

وہ فریدی اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ کا خاندان خطرے میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جی؟" وہ بے ساختہ چونک پڑی۔

"تنویر صاحب کہاں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں سو رہے ہیں.... بات کیا ہے؟" اُس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"ذرا انہیں جگا دیجئے۔"

"جگادوں.... لیکن...." لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ "آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔"

"محترمہ میں آپ کو ان الجھنوں میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اُن سے کسی معاملے پر گفتگو کرنا فضول ہے۔"

"کیا ان کا ذہنی توازن اتنا ہی بگڑا ہوا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ایک بات اور.... کیا وہ ہمیشہ ایسی حالت میں اپنی یہی وضع قطع بنائے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بھنویں وغیرہ صاف کرادیتے ہیں۔"

"جی ہاں! لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"بہتر یہی ہوگا آپ انہیں جگادیں۔"

"اور اگر فرض کیجئے وہ نہ جاگے تو۔"

"جاگیں گے کیوں نہیں۔" فریدی نے احمق بھولے پن سے پوچھا کہ حمید اس پر ہوتے ہوتے رہ گیا۔

"وہ اکثر تین تین دن تک نہیں جاگتے۔" مسز تنویر بولی۔

حمید چونک کر اُسے گھورنے لگا لیکن فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُ کوئی غیر متوقع بات نہ سنی ہو۔

"اوہو....!" فریدی بولا۔ "تو انکے اور پرویز صاحب کے مرض کی نوعیت ایک ہی ہے

"کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرکے، جو سونا شروع کرتے ہیں تو اکثر تیسرے دروازہ کھلتا ہے۔ اس دوران میں کتنا ہی شور مچایئے! دروازہ پیٹئے لیکن شاید وہ کروٹ تک لیتے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ جب یہ کیفیت ہو تو انہیں اٹھایا ہی نہ جائے۔ اگر وہ زبردستی جگائے اُن کا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔"

"بالکل یکساں حالات ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر چونک کر کہنے لگا۔ "محترمہ زور دیجئے۔ کیا آپ کا کوئی ایسا عزیز بھی ہے جسے پرویز اور تنویر صاحبان کا ترکہ پہنچ سکے۔"

"کوئی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔ خدارا مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔"

"تنویر صاحب کس وقت سونے کے لئے گئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کے جانے کے بعد ہی انہوں نے کھانا کھایا اور اس کے بعد سونے چلے گ

"اندازاً کیا وقت رہا ہوگا۔"

"غالباً ساڑھے سات۔"

"کیا آپ مجھے اُن کے کمرے تک لے چلیں گے۔"

"کچھ بتایئے بھی۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "اس طرح خواہ مخواہ تنگ کرنے سے کیا فائدہ

"محترمہ میں ایک بار پھر تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے معذرت کی

ا چاہتا تھا کہ آپ کو کسی الجھن میں ڈالوں۔ لیکن اب بتانا ہی پڑے گا۔"

فریدی نے مختصراً پرویز کی روداد دہرادی۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ پرویز کی بیوی اُسے ڑ کر طوائفوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی تھی۔ اُس کے متعلق اُس نے یہ بتایا کہ دونوں کسی ت کی بناء پر علیحدہ ہوگئے تھے۔ پرویز کو اس قدر غصہ تھا کہ اُس نے اپنی بیوی کا ایک مجسمہ بنوا کر انتقامی جذبے کی تسکین کا درجہ پیدا کرلیا تھا۔ پھر اُس نے یہ بتایا کہ کسی نے اس کی بیوی کو کہ دے کر اُس کمرے میں پہنچادیا جہاں وہ مجسمہ رکھا ہوا تھا اور پرویز نے مجسمے ہی کے دھوکے اُس کا گلا دبادیا۔"

تنویر کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"آپ ڈر رہی ہیں نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اسی لئے آپ کو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔"

"نہیں میں ڈر نہیں رہی ہوں۔ آخر وہ کون ہوسکتا ہے۔"

"وہ ایسا ہی آدمی ہوسکتا ہے جسے پرویز کی موت کے بعد کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ ی سے نہ بچ سکے گا۔ میں تنویر صاحب کے لئے بہت فکر مند ہوں۔"

مسز تنویر بہت زیادہ بے چین ہوگئی۔

"اور سنئے! میں نے ابھی راستے میں اُس ایجنٹ کی لاش دیکھی ہے جس کی معرفت پرویز نے سمہ بنوایا تھا۔ لہٰذا مجھے واپس آنا پڑا۔ اس لئے کہ جلد یا بدیر آپ لوگوں پر بھی حملہ ہوسکتا ہے قاتل کو پرویز صاحب اور اس مجسمے کے متعلق ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"اور اس نے اس ایجنٹ کو بھی مار ڈالا۔"

"جی ہاں۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "میں پرویز صاحب کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں عرض کرچکی ہوں نا کہ وہ اندر سے دروازہ بند کرکے سوتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے آپ کو خطرات سے آگاہ کردیا۔ اب پ جانیں۔"

"ٹھہریئے! میں بھلا کیا کرسکتی ہوں۔ آپ خود چل کر دیکھ لیجئے کہ کمرہ اندر سے مقفل ہے۔"

"چلئے!" فریدی بولا۔

مسز تنویر ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن وہ

اندر سے بند تھا۔ اس نے کوئی ایسا سوراخ یا جھری تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے اندر جا سکے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ دروازے کے دونوں طرف کھڑکیاں تھیں لیکن وہ بھی بند اور اُن میں بھی شیشے نہیں تھے۔"

کمرے کے اندر سے بجلی کا پنکھا چلنے کی آواز آرہی تھی۔

کافی اونچائی پر ایک روشندان نظر آیا جو کھلا ہوا تھا اور اس کے اندر گہرے نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

"دوسری طرف بھی دروازہ ہوگا۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کوئی کھڑکی۔"

"کھڑکی بھی نہیں ہے۔"

"یعنی اگلی دیوار کے بعد کوئی دیوار نہیں ہے۔ اگر دروازہ ہوتا تو مکان کی پشت پر کھلتا۔"

"جی ہاں۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ کمرہ بھی ایسا ہی تھا جس میں پرویز کی بیوی کی لا گئی تھی۔ عجیب معاملہ ہے مگر ہاں! اس میں تو نقب لگائی گئی تھی۔"

"خدا کے لئے کچھ کیجئے۔" مسز تنویر مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بانس کی سیڑھی ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ذرا جلدی سے منگوائیے۔" فریدی نے کہا۔

نوکر بھی بیدار ہوگئے تھے اور وہ کچھ دور پر کھڑے ان لوگوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے۔

تھوڑی دیر بعد سیڑھی آگئی۔ فریدی نے اُسے روشندان سے لگا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چڑھ گیا۔ کمرے کے اندر نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مسہری پر تکلف بستر ضرور لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ بالکل خالی تھی۔ تنویر کا پیلے رنگ کا لبادہ جو اس نے پہن رکھا تھا، ہینگر پر لٹکا ہوا نظر آیا۔ دوسری طرف یا اِدھر اُدھر کی دیواروں میں نہ کوئی دکھائی دی اور نہ دروازہ۔

فریدی چپ چاپ نیچے اتر آیا۔ پھر نوکروں کو مخاطب کر کے بولا۔

"تم لوگ جا کر آرام کرو۔"

"کیا بات ہے۔" مسز تنویر اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔ فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ نوکروں کے چلے جانے کا منتظر رہا۔

"محترمہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ مجھے اس طرح اُلو بنائیں گے۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" مسز تنویر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کمرہ بالکل خالی ہے۔"

"جی۔" اُس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "ناممکن.... قطعی ناممکن۔"

"آپ خود دیکھ لیجئے۔" فریدی نے روشندان کی طرف اشارہ کیا۔

مسز تنویر چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہی پھر سیڑھی کی طرف بڑھی۔

فریدی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

روشندان میں جھانکتے ہی وہ بے اختیار چیخ پڑی۔ سیڑھی کے ڈنڈے اس کی گرفت سے نکل گئے اگر فریدی نے جھپٹ کر اُسے ہاتھوں پر نہ روک لیا ہوتا تو وہ بھی اپنی چچازاد بہن ثمینہ کے پاس پہنچ گئی ہوتی۔ وہ بیہوش تو نہیں ہوئی تھی لیکن حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی۔ فریدی نے اُسے برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر ڈال دیا۔

اب حمید سیڑھی پر چڑھ رہا تھا۔ روشندان میں جھانکنے پر اُسے یہ سمجھنے پر مجبور ہو جانا پڑا کہ تنویر کی بیوی نے انہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ وہ نیچے واپس آنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سامنے کی دیوار میں نیچے سے اوپر تک ایک دراڑ سی پڑ گئی جو دیکھتے ہی دیکھتے کافی کشادہ ہوتی جارہی تھی۔ حمید نے پیچھے پلٹ کر.... فریدی وغیرہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ فریدی مسز تنویر کیطرف سے بے خبر نہیں تھا۔ حمید کو ریوالور نکالتے دیکھ کر اُس نے مسز تنویر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی چیخ کسی طرح نہ رک سکتی۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا اور دیوار پھر برابر ہوگئی۔ لیکن یہ تنویر نہیں تھا۔ اس کے بال گھنے، گھونگھریالے اور پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے، خدوخال جاذب توجہ اور دلکش تھی، جوان اور صحت مند تھا۔

"خبردار....!" حمید نے روشندان سے للکارا۔ "اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی ماردوں گا۔"

اس نے نے گھبرا کر اوپر دیکھا اور روشندان میں ریوالور دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے

"کیا بات ہے؟" فریدی نے نیچے سے پوچھا۔

"دروازہ توڑ دیجئے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ آدمی آہستہ آہستہ دیوار کی طرف کھسک رہا ہے۔

"اپنی جگہ کھڑے رہو۔" حمید نے للکارا۔ فریدی دروازے سے شانہ لگائے زور کر رہا تھا دروازہ کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ادھر دروازے میں چرچراہٹ ہوئی اور اُدھر نہ جا کیا ہوا کہ حمید سیڑھی سمیت دیوار پر پھسلتا ہوا نیچے چلا آیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ ریوالور نہیں چا دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔ فریدی حمید کی پرواہ کئے بغیر اندر گھس پڑا۔ کمرہ خالی تھا اور سامنے والی دیوار درمیانی خلا بدستور قائم تھی۔ فریدی دیوانہ وار اُس سے گذر کر مکان کی پشت پر آگیا۔ کافی فا پر سامنے ایک تاریک سایہ دوڑ رہا تھا۔ فریدی نے بے تحاشہ اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔

فریدی نے اُسے جلد ہی جالیا۔ بہر حال وہ بہت زیادہ طاقت ور ثابت نہیں ہوا۔ شاید وہ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس لئے اس نے جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ تنویر کے ڈرائنگ روم میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اُس کے دونوں ہا اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی آزاد نہ تھے۔

تنویر کی بیوی برابر چیخے جارہی تھی۔ "ہائے تنویر کہاں ہیں۔ تنویر کیا ہوئے۔"

"تم اپنی انگوٹھی وہیں چھوڑ آئے تھے۔" فریدی نے اس آدمی سے مسکرا کر کہا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"آخر اتنی جلدی کیا تھی۔" فریدی اپنی جیب سے انگوٹھی نکالتا ہوا بولا۔ "کل اس کا خاتمہ کر دیتے۔"

"انگوٹھی۔" مسز تنویر انگوٹھی کی طرف دیکھ کر چیخی۔ "یہ انگوٹھی کس کی ہے۔"

"اس کی؟" فریدی نے بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"غلط.... بکواس! یہ تنویر کی ہے۔"

"اور یہ کون ہے؟" فریدی نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"آپ اپنے شوہر کو نہیں جانتیں! حیرت ہے۔" فریدی نے کہا اور بڑھ کر اس آدمی کے سر ے بال نوچ لئے۔ پھر بھنویں بھی نوچ ڈالیں۔ ہونٹوں پر سے پلاسٹک کے ٹکڑے نوچے۔

تنویر اپنی مصنوعی وحشت سمیت اُن کے سامنے تھا۔ اس کی بیوی نے چیخ ماری اور گر کر ہوش ہوگئی۔

پاگلوں کی کہانی

اس کیس نے شہر میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ اخباروں کے کرائم رپورٹر کوتوالی اور محکمہ سراغ سانی کی عمارتوں کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ تنویر حوالات میں تھا اور پرویز کو بھی پچھلی رات کو ش آچکا تھا لیکن ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق کسی نے بارہ گھنٹے تک اس سے کوئی گفتگو نہ کی۔

مقتول ایجنٹ کے متعلق چھان بین کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تنویر کے گہرے دوستوں میں ے تھا۔ جس کار میں ان دونوں نے سفر کیا تھا وہ کارپوریشن کی ملکیت تھی۔ تنویر کی بیوی بھی اس بٹ کو جانتی تھی لیکن بقیہ معاملات سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا۔

تنویر نے بڑی مشکلوں سے اعتراف جرم کیا تھا۔ سول پولیس تو اپنے سارے حربے استعمال کے ہار گئی تھی۔ آخر فریدی نے وہ طریقہ استعمال کیا، جو دوسروں کی نظروں میں انتہائی احمقانہ ۔ حمید تو سمجھا کہ شاید فریدی کے دماغ میں بھی فتور واقع ہوگیا ہے لیکن تنویر کا بیان ہے کہ اگر سلسلہ کچھ دیر اور جاری رہتا تو وہ سچ مچ پاگل ہو جاتا۔

فریدی نے اُسے ایک بڑی سی میز پر چت لٹا کر اس کے ہاتھ پیر اس طرح کس دیئے تھے کہ جنبش نہ کر سکے۔ پھر اس نے اس کے سر کے دونوں طرف دو تختیاں کھڑی کر کے ان میں لیں ٹھکوا دیں۔ اب اس کا سر بھی جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

پھر اُس نے ایک ہانڈی منگوائی اور اس کی پیندی میں چھوٹا سا سوراخ کر کے اس میں ذرا سا ڑا ٹھونس دیا۔ ہانڈی میں پانی بھرا گیا اور وہ عین تنویر کے سر پر چھت سے لٹکا دی گئی۔ تھوڑی ھوڑی دیر بعد ایک ایک بوند تنویر کی پیشانی پر ٹپکتی رہی۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ خاموش رہا پھر کی نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "وہ آئی.... وہ گری.... آ.... آ.... آ.... آئی.... گری...."

گگ.... گگ.... گگ.... گری۔"

پھر وہ چیخنے لگا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گا.... ہٹاؤ.... اس ہانڈی کو.... فریدی کمینے سور
ہٹاؤ.... وہ گری.... ارے میری پیشانی پھٹی۔ چھوڑ دو مجھے.... بتاتا ہوں.... بتاتا ہوں
میں نے ہی ثمینہ کو اس کمرے میں پہنچایا تھا۔ میں نے ہی ایجنٹ کو مارا تھا۔ وہ گری.... ارے م
مرا.... میں پاگل....!"

پھر اس نے سب کچھ اگل دیا۔ وہ ثمینہ سے پرویز کے ایک دوست کی حیثیت سے ملا تھا چو
اس نے بھیس بدل رکھا تھا اس لئے وہ اُسے پہچان نہ سکی۔ تنویر کو اس کے مجسمے کے متعلق
ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا تھا۔ وہ ایجنٹ تنویر کو دونوں حیثیتوں سے جانتا تھا۔ تنویر کی حیثیت
بھی اور اُس بدلے ہوئے بھیس میں مسٹر شمشاد کی حیثیت سے بھی۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا
دونوں ایک ہی ہیں۔ اس قسم کے مجسمے اور ریکارڈ کا آرڈر چونکہ ایک نئی اور حیرت انگیز بات
اس لئے اس نے اس کا تذکرہ تنویر سے بھی کیا۔ وہ تصویر بھی دکھائی جس کے مطابق مجسمے کی تیا
ہوئی تھی۔ اس سے پہلے حقیقتاً تنویر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ پرویز بھی اسی شہر میں موجود
اس اطلاع پر اس نے خفیہ طور پر چھان بین کی تو اُسے معلوم ہوا کہ پرویز تقریباً تین سال سے
رہ رہا ہے۔ ثمینہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔

ثمینہ سے جس طرح اس کی ملاقات ہوئی اس کی تفصیل بھی بڑی دلچسپ تھی۔ تنو
شروع ہی سے گرمیوں کے زمانے میں جنسی دیوانگی کے دورے پڑا کرتے تھے لیکن وہ
خواہشات کی تکمیل کھلم کھلا نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی اور وہ خا
قسم کی جنسی دیوانگی جس کا وہ شکار تھا اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک پر قنا
کرتی۔ تنویر نیک نام بھی رہنا چاہتا تھا اور اپنی ضرورت بھی اس کے پیش نظر تھی لہٰذا اس
گرمیوں کے زمانے میں خود کو سچ مچ کا پاگل بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ بھیس بدلنے کی غرض
وہ ہمیشہ اپنے سر کے بال اور بھنویں منڈوا دیا کرتا تھا اور اپنی عجیب و غریب نیند کے بہانے
تین دن تک گھر سے غائب رہتا۔ یہ ایام قرب و جوار کے شہروں یا سعید آباد ہی کی طوائفوں
گذرا کرتے تھے یہاں آتا تو اسی ایجنٹ کے یہاں ٹھہرتا اور دونوں مل کر عیاشی کرتے۔ ایجنٹ
تھا کہ وہ کس مجبوری کی بناء پر بھیس بدلا کرتا ہے۔ لیکن اسے یہ قطعی نہیں معلوم تھا کہ وہ پر

بھائی ہے۔

ایک رات شہر کے ایک حصے میں تنویر کو ثمینہ مل گئی۔ اس رات وہ ایجنٹ اس کے ساتھ
نہیں تھا۔ تنویر نے ثمینہ کا تعاقب کر کے اس کی جائے رہائش کا پتہ لگا لیا اور ایک دن اُسے راہ میں
روک کر اس سے پوچھا کہ وہ ثمینہ تو نہیں ہے۔ اس نے ثمینہ کو بتایا کہ وہ پرویز کا ایک دوست ہے
اور اس کے یہاں اس کی تصویر دیکھ چکا ہے۔ ثمینہ نے اُسے بتایا کہ ان دونوں میں ناچاقی ہو چکی ہے
اور پرویز اُس سے ناراض ہے۔ اس پر تنویر نے اُسے یہ اطلاع دی کہ وہ تو اُسے پوجتا ہے۔ محاورۃً
نہیں بلکہ حقیقتاً اس نے اس کا ایک مجسمہ بنوایا ہے اور وہ سچ مچ اس کی پرستش کرتا ہے۔ ثمینہ بے
قرار ہو گئی۔ کئی سال طوائفانہ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ پھر سے گھر بسانے کے خواب دیکھنے لگی۔
اس اطلاع نے اس کا مستقبل روشن کر دیا تنویر نے اس کا اندازہ پہلے ہی لگا لیا تھا کہ پرویز نے وہ
مجسمہ کس لئے بنوایا ہے۔ اگر چیخوں والا ریکارڈ بھی ساتھ ہی نہ بنواتا تو شاید وہ بھی یہی سمجھتا کہ اس
نے وہ مجسمہ اپنی محبت کی تسکین ہی کے لئے بنوایا ہے۔

اس کمرے کے متعلق جس میں وہ مجسمہ رکھا گیا تھا ایجنٹ سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔
کمرے کی ساخت کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی کونے ہی پر
ہو گا۔ ایک رات وہ پرویز کی کوٹھی کی پشت پر پہنچا۔ ایک روشندان سے چیخوں کی ہلکی ہلکی آوازیں
آ رہی تھیں اور پھر اس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ مجسمہ اسی کمرے میں ہے۔

اس دوران میں وہ ثمینہ سے برابر ملتا رہا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر کبھی وہ
پرویز کے سامنے چلی گئی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ لہٰذا اس نے پروگرام بنانا شروع کیا کہ اسے
کسی طرح اُس مجسمے والے کمرے میں پہنچا کر مجسمہ غائب کر دیا جائے۔ اس طرح سانپ بھی مرے
گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ پرویز کی پھانسی کے بعد اس کی دولت بھی ہاتھ چڑھے گی۔

ثمینہ نے پرویز کا پتہ بہت پوچھا۔ مگر تنویر نے نہ بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ روزِ روشن میں بھی
وہ اس سے ملی کہ وہ اس پر حملہ ضرور کرے گا مگر یہ حملہ کسی کے بیچ بچاؤ کرا دینے پر ناکام بھی
ہو سکتا ہے۔

تنویر نے اس سے کہا کہ وہ پرویز کو متحیر کرنا چاہتا ہے کیوں نہ وہ اُسے اس کمرے میں پہنچا کر
اس کا مجسمہ غائب کر دے۔ ثمینہ نے اس تجویز کو پسند کیا پھر وہ دونوں ایک رات وہاں جا پہنچے۔

تنویر کو اندر پہنچایا اور وہاں سے وہ مجسمہ اور ریکارڈ لے کر رفوچکر ہو گیا۔ یہ بات تو اُسے ایجنٹ سے معلوم ہو گئی تھی کہ پرویز نے اُس مجسمے کے معاملے میں بڑی راز داری سے کام لیا تھا حتی کہ اُس نے نوکروں کو بھی اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔

سرجنٹ حمید ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہتا پھر رہا تھا کہ فریدی اس صدی کا عظیم ترین پاگل ہے کہ اس نے ایک پاگل پن کی حرکت کر کے اس پاگل سے سب کچھ اگلوا لیا.... اب وہ اس تیسرے پاگل کی روداد سننے کے لئے بے چین تھا جس نے سونے کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ حالات کے مضحکہ خیز پہلو اس کے ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک شوہر بیوی سے محروم ہو گیا اور ایک بیوی شوہر سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ دونوں نے تصوف کی راہ پر زور سے دوڑ لگا دی تھی۔

شام کو فریدی اور حمید ہسپتال پہنچے۔ پرویز تکئے سے ٹیک لگائے بستر پر نیم دراز تھا۔ وہ دونوں اس کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ حضرات کو دیکھ چکا ہوں۔" اس نے نقیہہ آواز میں کہا۔

"حادثے والی رات کو۔" فریدی بولا۔

دفعتاً پرویز کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور تھوک نگل کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"میری دانست میں آپ قطعی بے قصور ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" پرویز مضمحل آواز میں بولا۔

"کیا آپ کو معلوم ہو گیا؟"

"جی ہاں اخبار.... ایک مریض کی عنایت سے اخبار مجھے مل گیا تھا۔"

"بہر حال تنویر حراست میں ہے۔"

"اس نے جو کچھ بھی کیا اچھا ہی کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی گزند پہنچے۔ ثمینہ جب بھی میرے سامنے آتی میں اس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا۔"

"شروع میں تو آپ دونوں کے بہت اچھے تعلقات تھے۔" فریدی نے کہا۔

"تعلقات.... میں اُسے سچ مچ پوجتا تھا۔ لیکن میں اس کے متعلق ہمیشہ دھوکے ہی میں رہا۔ میں اُسے پاک باز سمجھتا رہا۔ لیکن یہ حقیقت بعد کو واضح ہوئی کہ شادی سے پہلے ہی اس کے

تعلقات بہتیروں سے رہ چکے تھے۔ وہ حقیقتاً ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک ہی کی ہو رہتی۔ اسی کی بدولت میرے اور تنویر کے درمیان بٹوارہ ہوا تھا۔ وہ ایسی جگہ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی جہاں کوئی نہ کوئی ہر وقت اس کے سر پر مسلط رہے۔ رقیہ بڑی نیک عورت ہے اسی لئے ثمینہ نے اس کے ساتھ رہنا گوارا نہ کیا؟"

"رقیہ کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر کی بیوی۔ ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔ کسی طرح تنویر کو بچائیے ورنہ وہ بے موت مر جائے گا۔"

"محال ہے۔" فریدی بولا۔ "اس کی گردن پر دو دو خون ہیں۔"

پرویز خاموش رہا لیکن اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شدید ترین قلبی اذیت میں مبتلا ہے۔

"کیا آپ کو معلوم تھا کہ ثمینہ بھی اسی شہر میں موجود ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں! وہ اب سے چار سال پہلے میرے ایک دوست کے ساتھ فرار ہو گئی تھی اور اس کے بعد سے پھر مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا۔ بہر حال انتقام کی آگ نے مجھے قریب قریب پاگل کر دیا تھا۔"

"لیکن آپ نے اسے مار کس طرح ڈالا۔" فریدی نے پوچھا۔ "کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا تھا کہ آپ ایک ذی روح کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔"

"اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا وہ کچھ کہے سنے بغیر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس وقت میں نے نقب کی طرف خیال نہیں کیا تھا۔ دفعتاً میرے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جا پڑے اور غیر شعوری طور پر میری گرفت سخت ہو گئی۔ نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے چیخیں سنی تھیں لیکن مجھے اس کا بھی ہوش نہیں۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو گیا۔ دوبارہ جب میں ٹارچ منگوا کر اندر گیا تو وہ مجسمہ بھی موجود نہیں تھا۔ تب کی طرف میں نے اُس وقت بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کے متعلق تو مجھے آج ہی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا۔"

فریدی اور حمید کچھ دیر رسمی گفتگو کرتے رہے پھر اٹھ آئے۔

"آج آر لکچو میں بڑا زوردار پروگرام ہے۔" حمید نے راستے میں کہا۔

"ابھی تمہارا دل پروگراموں سے نہیں بھرا۔" فریدی بولا۔

"پتہ نہیں آپ آدمی ہیں یا بلوٹنگ پیپر۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔

"ایک بات آج تک سمجھ میں نہ آئی۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کوئی شوہر اپنی بیوی کی بدچلنی نہیں برداشت کر سکتا۔ لیکن عموماً بیویاں اپنے شوہروں کی بدچلنی برداشت کرتی رہ ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

"لیکن تمہاری بیوی تمہیں کبھی نہ برداشت کر سکے گی۔" فریدی بولا۔

"تو کیا میں بدچلن ہوں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"نہیں تم تو فرشتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا۔ جناب میں لڑکیوں سے صرف دوستی کرتا ہوں۔"

"ہر پڑھا لکھا بدچلن یہی کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کہا۔" حمید چیخ کر بولا۔ "بدچلن کہہ لیجئے لیکن اگر پڑھا لکھا کہا تو اچھا نہ ہوگا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"اگر ہم اس وقت آر لکچو ہی میں کھانا کھائیں تو کیا حرج ہے۔" حمید نے کہا۔

وہ دونوں آر لکچو میں آئے۔ ڈائننگ ہال میں ابھی تھوڑی بہت گنجائش تھی۔ حمید نے ا ایسی میز پر قبضہ جما لیا جس کے گرد و پیش کئی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔

"افوہ یار! تم بھی کہاں آمرے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا ان لڑکیوں سے وحشت ہو رہی ہے وہ کیسی رہے گی۔" حمید نے ایک لڑکی کی طر آنکھوں سے اشارہ کیا۔

"خدا نے چاہا تو ہمیشہ بخیریت رہے گی.... ادھر اُدھر مت دیکھو.... اے بوائے مینو لاؤ"

فریدی نے مینو دیکھ کر کچھ چیزوں کا آرڈر دیا اور پھر کئی کنکھتے ہوئے قہقہے اس کے کا میں گونجنے لگے۔ قریب کی میز پر بیٹھی چار لڑکیاں حمید کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھ فریدی نے حمید کی طرف دیکھا جو سر جھکائے نہایت سنجیدگی سے طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اُسے آہستہ سے جھڑکا۔

"نہ جانے کیا ہو گیا ہے ہونٹوں میں۔" حمید نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔ "کھجلی.... کیسی کھجلی۔"

اس نے فریدی کو بھی منہ چڑھا دیا۔

"میں جانتا ہوں.... گدھے سور! پبلک مقامات پر بیہودگی کھل جاتی ہے۔"

"اب بتایئے کھجلی کو کیا کروں۔"

"جوتے سے کھجلاؤں گا۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

بہر حال حمید نے وہ رات فریدی پر حرام کر دی۔

اور اس کیس کے سلسلے میں بعد کے واقعات میں صرف یہی بات بہت زیادہ اہم ہے کہ الت نے پرویز کو قتل کی نیت نہ رکھنے کی بناء پر بری کر دیا۔ فاضل جج نے تجویز میں لکھا تھا کہ ارادتاً نہیں بلکہ اضطراری کیفیت کے تحت سرزد ہوا تھا۔ جس کی وجہ خوفزدگی بھی قرار دی سکتی ہے۔ عدالت کی نظروں میں صحیح معنوں میں مجرم تنویر ہی تھا۔ ثمینہ کے معاملے میں اسے سال قید بامشقت کی سزا دی گئی اور ایجنٹ کے قتل کے سلسلہ میں سزائے موت۔

مسز تنویر کی حالت بہت ابتر تھی۔ فیصلہ سنتے ہی وہ عدالت میں بیہوش ہو گئی۔ زندہ تو وہ اب ہے لیکن ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گئی ہے۔ پرویز ہر طرح اس کا خیال رکھتا ہے، لیکن اس کے ن میں اتر جانا اس کے بس کی بات نہیں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 29

لاشوں کا آبشار

(مکمل ناول)

پیش رس

"لاشوں کا آبشار" ایک عظیم مصنف کی عظیم ترین تخلیق ہے! یہ وہ ناول ہے جس کا ہر لفظ، ہر جملہ اپنی جگہ پر نفسیاتی حقیقتوں کے ذخیرے رکھتا ہے۔ اس کے پورے ماحول میں ایک ایسی کشش اور جاذبیت ہے کہ ابتدا سے انتہا تک ہر کردار، کسی ڈرامہ کے افراد کی طرح ہنستا، بولتا، چیختا نظر آتا ہے۔

اس کہانی کا مرکزی کردار کرنل فریدی اور حمید کے بجائے ایک مجرم ہے مگر ایسا مجرم جو سماج اور سوسائٹی کے لئے ہمیشہ سے ایک مسئلہ رہا ہے، ایسا عجیب وغریب سوال.... جس کا جواب اب تک نہ دیا جاسکا ہے!

اس ناول میں شاید ہی کوئی ایسا کردار ہو جسے آسانی سے بھلایا جاسکے! کنول کو آج تک لوگ یاد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُسے پھر موقع دیا جائے! حمید کی اور اس کی دلچسپ چھیڑ چھاڑ خصوصاً ابتدائی حصے میں اس کا برتاؤ قہقہہ انگیز ہے! نادرہ ایک مجہول سی لڑکی ہے جس کی شکل صرف ایک بار دکھائی دیتی ہے لیکن اس کی چال.... ذہن میں چپک کر رہ جاتی ہے۔ مسٹر

کیو جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے اپنی خوفناک آنکھوں سمیت ہر جگہ ن
آتا ہے۔

اس ناول کا وہ حصہ عجیب و غریب ہے جہاں مصنف نے پاگل خانے
تصویر کشی کی ہے۔ یہ تصویر اتنی مکمل، اتنی جاندار اور انسانی ہمدردی
لبریز ہے کہ بے اختیار.... آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

حمید کے قہقہے اس کی شرارتیں، اس کے جملے، اس کا حیرت انگیز ذ
جو بڑی سے بڑی مصیبتوں میں بھی قہقہے لگانے کے بارے میں سوچ
ہے، ایک انوکھی دنیا کی تعمیر کرتے ہیں۔

اور پھر کرنل فریدی.... جیسا عظیم سراغ رساں اپنے کمال
عروج پر نظر آتا ہے۔

پبلشر

الف لیلیٰ کی ایک رات

ہلکی سردیوں کی ایک خوشگوار رات تھی لیکن یہ خوشگواری اُسی وقت تک قائم رہی جب تک سرجنٹ حمید کو راستہ بھٹک جانے کا احساس نہیں ہوا۔ وہ سر شام ہی دلاور نگر سے چل پڑا تھا۔ کام کچھ اتنا ہی ضروری تھا کہ اس نے ٹرین کے وقت کا انتظار کرنے کے بجائے فریدی کی کار استعمال کی تھی۔ واپسی پر شام ہو گئی۔ تھوڑی دور تو وہ پختہ سڑک سے آیا پھر اس خیال سے کہ سفر مختصر ہو سکے اس نے ایک جگہ کار کو ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ یہ اس نے اپنی یادداشت کے بھروسے پر کیا تھا۔ اس کی دانست میں ایک بار فریدی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ بہر حال حمید کو یقین تھا کہ اس نے کار غلط راستے پر نہیں موڑی تھی۔

اُسے شہر پہنچنے کی کچھ اتنی جلدی تھی کہ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ کیڈلاک جیسی شاندار گاڑیاں کچے راستوں کے لئے نہیں ہوتیں۔

مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے چاندنی ہلکی تھی اور جنگل کے سناٹے سے اس کی ہم آہنگی بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر رفیق سفر تنہائی نہ ہوتی تو اس وقت کیڈی کے پہیوں کے نیچے کی ناہموار زمین نہ جانے کتنے جہانوں کی سیر کرا دیتی اس وسیع کائنات کے رشتے میں پروئے ہوئے دو دلوں کے کتنے راز فاش ہوتے۔ اس کے ذہن کی سطح پر کئی حسین چہرے اُبھر آئے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو اپنے گرد بکھری ہوئی بیکراں خوبصورتی کا ایک حصہ بنانے کے لئے منتخب کرنے لگا۔

بہر حال اس کا ذہن شاعرانہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتا رہا اور وہ خود جنگل میں.... جب کافی دیر ہو گئی اور وہ بدگد کا عظیم الشان درخت نہ ملا جہاں سے اسے بائیں طرف مڑنا تھا تو اچانک

وہ سارے شاعرانہ خیالات سراسیمگی کی دلدل میں جا پھنسے۔ اس دوران میں نہ تو اسے وقت
احساس رہ گیا تھا اور نہ یہی دھیان تھا کہ سڑک سے کتنا فاصلہ طے کر چکا ہے۔ کیڈی کے انجن
کچھ اس قسم کی آوازیں نکلنے لگی تھیں جیسے پانی تھوڑا ہی رہ گیا ہو۔ پٹرول تو خیر ٹنکی میں کافی تھا
کار کے پچھلے حصے میں بھی کئی ٹین بھرے رکھے تھے۔

اس نے کار روک دی لیکن انجن بند نہیں کیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کار اسی طرف
دی جدھر سے آیا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر اُسے دو راستے نظر آئے جو مختلف سمتوں میں چلے گئے
اور ان کے درمیان گھنا جنگل تھا۔ حمید کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ ان میں سے
راستے سے آیا تھا۔ اُس نے نیچے اُتر کر پہیوں کے نشانات دیکھنے شروع کئے لیکن بدقسمتی سے ز
اتنی سخت تھی کہ وہ نشانات نہ ملنے پر اس میں سما بھی تو نہیں سکتا تھا اور آسمان تو خیر ازل سے
دور ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ آخر کار اس نے جیب ٹٹول کر ایک روپیہ
اور دونوں راہوں کو ذہن میں رکھ کر ٹاس کیا۔ روپیہ آواز کے ساتھ زمین پر گرا اور وہ جھک
دیکھنے لگا۔

"ہیڈ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ اب وہ تن بہ تقدیر ایک را
پر ہو لیا۔

کچھ دیر پہلے کی حسین چاندنی کفن یا کسی مقدس کنواری کی طرح بور لگنے لگی تھی۔ رو
چادر اور سناٹے کا ربط ٹوٹ چکا تھا۔ وہ حسین چہرے جو کچھ دیر قبل ذہن کی سطح پر اُبھرے
جھلاہٹ کے غبار میں چھپ گئے اور وہ پختہ سڑک! وہ آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے باوجود بھی نہ ملی۔

کیڈی کا سنجیدہ ترین انجن پیاس سے بے قابو ہو کر شور مچانے لگا تھا۔

"شامت ہے شامت۔" حمید نے بڑبڑا کر کیڈی روک دی۔

چند لمحے بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر نیچے اُتر آیا۔

پانی کا مسئلہ بہت ضروری تھا ورنہ بھٹکنے کو کیا؟ دو چار گھنٹے اور سہی لیکن پانی ہی کہاں مل جا
اگر وہ سڑک ہی سڑک چلا ہوتا تو کہیں نہ کہیں کامیابی ضرور ہو جاتی۔ آتے وقت راستے میں ا
نے کئی تالاب دیکھے تھے مگر یہاں جنگل میں اگر کوئی ہوتا بھی تو ضروری نہیں کہ اس کی رسا

س تک ہو ہی جاتی۔

وہ کھڑا کچھ سوچ رہا تھا کہ دفعتاً اُسے اپنے سامنے کچھ دور پر روشنی دکھائی دی جو کچے راستے
سے اٹھ کر سامنے کی جھاڑیوں پر پھیل گئی اور پھر ایک آواز سنائی دینے لگی جو کسی ٹرک ہی کے
انجن کی ہو سکتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک تیز رفتار ٹرک جھاڑیوں سے نکل کر مخالف سمت میں
مڑ گیا۔ حمید سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سڑک ہی کی طرف سے آئی ہو۔

وہ پھر کیڈی میں جا بیٹھا اور اسی طرف چل پڑا جدھر سے ٹرک آیا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک اُسے پھر رک جانا پڑا۔ بائیں طرف ایک کشادہ راستہ تھا۔ نہ
صرف ہموار بلکہ باقاعدہ دونوں طرف مالتی کی گھنی جھاڑیاں تھیں لیکن خود رو نہیں۔ ان کی کاٹ
چھانٹ اور باقاعدگی کسی آدمی کی مرہون منت تھی۔ یہ راستہ ایک چھوٹے سے سلاخوں دار پھاٹک
پر ختم ہو گیا تھا جو بند نہیں تھا۔ مدھم چاندنی میں ایک سفید سی عمارت کے آثار نظر آرہے تھے۔
حمید کو حیرت تو ضرور ہوئی لیکن کیڈی کے لئے پانی کی ضرورت نے اسے بڑھنے نہیں دیا۔ اس
نے کار موڑی اور پھاٹک سے گذر کر پائیں باغ میں پہنچ گیا۔ جو اپنی وسعت کے اعتبار سے پائیں
باغ سے بھی بڑی کوئی چیز تھی۔ جس کے درمیان میں ایک بڑی سی عمارت تھی لیکن طول و عرض
کی مناسبت سے اس کی اونچائی غالباً بہت ہی کم تھی۔ سامنے ایک طویل برآمدہ تھا جس مین برقی
قمقمے روشن تھے۔ قریب ہی کہیں سے گھڑ گھڑاہٹ کی آواز آرہی تھی جو غالباً کسی زیادہ طاقت والے
ڈائنامو کی تھی۔

برآمدے کے سامنے والی روش پر مڑنے کی بجائے حمید نے کیڈی اسی طرف روک دی۔

برآمدے میں کوئی نہیں تھا اور آس پاس بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ حمید نے سوچا کہ اس جدید
طرز کی عمارت میں جسے ڈائنامو کے ذریعے روشن کیا جاتا ہے گھنٹی ضرور ہو گی۔

وہ کیڈی سے اُتر ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اگر یہ تشبیہہ گھٹیا اور پرانی نہ ہوتی تو وہ یہی سوچتا کہ وہ چہرہ سیاہ پردے کی اوٹ سے اسی طرح
نکلا تھا جیسے بدلی سے چاند نکل آئے سفید سلک کا لمبا لبادہ ہلکورے لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس
لبادے کے اوپر سیاہ بل کھائے ہوئے گیسوؤں میں ایک خوابناک اور سلگتا ہوا سا چہرہ جس کے
خدوخال آنکھوں میں گدگدی پیدا کر رہے تھے اور جب وہ برآمدے کی روشنی کی زد سے نکل کر

روش پر اُتر آئی تو دھندلی چاندنی میں گویا جان پڑ گئی۔

وہ حمید سے ایک گز کے فاصلے پر کھڑی اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی اور حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اپنے جسم کی مشین چلتے چلتے دفعتاً گئی ہو۔

"آپ کون ہیں؟" تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے چاندنی بڑبڑا اٹھی ہو۔

"مم.... مسافر....!" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا چاہئے؟" اس بار گھنٹیاں سی بج اٹھیں اور حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی آواز میں بھی بڑی سیکس اپیل ہے۔

"پانی....!" حمید نے کیڈی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ختم ہو گیا ہے۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کم سے کم الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے

لڑکی واپس چلی گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہولے ہولے ہوا میں تیرتی چلی جا رہی ہو۔

حمید نے جیب سے رومال نکال کر پسینے کی وہ بوندیں خشک کیں جو اس دوران میں اس کے چہرے پر پھوٹ آئی تھیں۔ دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے وہ لڑکیوں کے معاملے میں بالکل اناڑی ہی ہو۔ اس سے پہلے کبھی اسے کسی لڑکی کا قرب نہ نصیب ہوا ہو۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر برآمدے میں دکھائی دی اور اس نے حمید کو اشارے سے بلایا۔

حمید کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہی لڑکی ہے جو کچھ دیر قبل اس کے قریب چاندنی میں کھڑی تھی؟ لباس تو وہی تھا لیکن شکل صورت کے معاملے میں اُسے اپنی یادداشت پر پورا پورا اعتماد تھا۔ یہ وہ لڑکی تو ہرگز نہیں تھی جو کچھ دیر قبل اسکے حواس خمسہ پر بُری طرح چھا گئی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں بھی خوابناک تھیں۔

"راستہ بھٹک گئے ہو۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔ آواز میں اتنی دلکشی نہیں تھی۔

"جی ہاں.... کیا آپ براہِ مہربانی کار کے لئے پانی دلوا سکیں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم آدمی ہو۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی....؟" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"سچ بتاؤ کیا تم آدمی ہو۔" اس بار اس کی آواز شدت جذبات سے کپکپا رہی تھی۔

"اس پر میں نے ابھی تک غور ہی نہیں کیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر پانی....!"

"آپ کھانا بھی میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔" لڑکی اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں نے پچاس سال بعد آدمی دیکھا ہے۔"

یہ سن کر حمید کو بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ اس کے لئے یہ خیال بھی توہین آمیز تھا کہ کوئی لڑکی گھس رہی ہو۔

"تب تو آپ مجھے دیر تک دیکھئے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے حمید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ڈماسٹر....!" حمید بولا۔ "اور آپ کا۔"

"کنول؟" اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "میں ایک تالاب میں اُگی تھی۔"

حمید بدقت تمام ہنسی ضبط کر کے بولا۔ "اور.... میں.... مجھے کچھ شکاری ہمالیہ پہاڑ سے پکڑ لائے تھے۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔"

"ہمالیہ پہاڑ سے؟" لڑکی نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔ "اندر چلو.... یا یہیں بیٹھ جاؤ۔"

حمید نے وہیں بیٹھنا زیادہ مناسب سمجھا۔

"ہاں تو تم کس طرح لائے گئے تھے؟" لڑکی نے پوچھا۔

حمید چند لمحے غور سے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپکے والد صاحب گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔"

"والد صاحب کیا ہوتا ہے؟"

"بہت بُرا ہوتا ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر گھر پر موجود ہو تو آپ جیسی صاحبزادیاں بھیگی بلی بنی رہتی ہیں۔"

"بلی بھیگ جانے پر اچھی نہیں لگتی۔" وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر آپ پانی دلوا دیتیں....!"

"پانی! اوہ.... کھانے کے بعد۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"تب تو آدمی نہیں معلوم ہوتے۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"اچھا مجھے بھوک ہے.... منگوائیے کھانا۔"

"طالوت.... او طالوت۔" لڑکی نے کسی کو آواز دی۔

حمید بے اختیار جھجک پڑا۔ سامنے والے دروازے سے ایک گرانڈیل حبشی جھپٹ کر ا
جس نے زمانہ قدیم کے حبشی غلاموں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کھانا یہیں لاؤ۔" لڑکی نے اس سے کہا۔

حبشی کے جانے کے بعد حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"طالوت بڑا وفادار جانور ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "جب میں تالاب میں اُگی تھی تو یہ
کی شکل میں کائیں کائیں کرتا ہوا میرے گرد منڈلانے لگا تھا۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں آپھنسا ہے۔ اس ویرانے میں اس قسم کی عمار
موجودگی ہی کم حیرت انگیز نہ تھی۔

"ہاں تو آپ ہمالیہ سے کس طرح لائے گئے تھے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"باندھ کر۔" حمید بولا۔ "اس وقت میرے پورے جسم پر ایک ایک فٹ لمبے بال تھے۔"

"بال! لیکن اب تو نہیں ہیں۔"

"وجہ یہ ہے کہ میں روز صبح اوپر سے نیچے تک شیو کر ڈالتا ہوں۔ سر پر تھوڑے سے
یادگار چھوڑ دیئے ہیں۔"

"اوہ....!"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "اور وہ صاحبہ کہاں اُگی تھیں جو آپ سے
مجھے ملی تھیں۔"

"کون؟ کیا یہاں؟" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں....!"

"لیکن یہاں تو میرے اور طالوت کے علاوہ اور کوئی نہیں۔"

"تو پھر مجھے دھوکا ہوا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُسے ا
کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔ ہر چند کہ وہ اُسے شرارت ہی سمجھ رہا تھا پھر بھی اس مکان اور
کے مکینوں کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ عمارت زیادہ پرانی نہیں ہے۔" حمید پُر خیال انداز میں بولا۔

"ہاں! کل یہ کچھ تھی اور آج کچھ ہے۔ منٹوں میں بنتی اور بگڑتی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"غالباً اس سلسلے میں کسی انگوٹھی یا چراغ سے مدد لی جاتی ہوگی۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ....!" وہ چونک کر حیرت سے بولی۔ "تو آپ جانتے ہیں۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ میں ایک جن کے قبضے میں ہوں۔"

"جی ہاں۔ میں نے آپ کے متعلق الف لیلیٰ میں یہی پڑھا تھا۔" حمید چڑ کر بولا۔ "ویسے کیا
بں آپ کے والد صاحب کا نام پوچھ سکتا ہوں۔"

"والد صاحب۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ "آخر یہ کیا بلا ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ اس وقت وہ بلا گھر میں موجود نہیں ہے۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آپ کچھ خفا معلوم ہوتے ہیں۔"

"مجھے جلدی ہے! اگر آپ پانی دلوا دیتیں تو اچھا تھا۔ ویسے میں پھر کبھی بھی حاضر ہو سکتا ہوں۔"

"کیا میں اتنی بُری ہوں۔" لڑکی ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"آپ غلط سمجھیں مجھے جلد واپس جانا ہے۔"

حمید کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ پاگل ہے۔

"طالوت.... او طالوت۔" لڑکی نے حبشی کو آواز دی۔

وہ پھر جھپٹ کر باہر نکلا۔

"کھانا لاؤ۔"

اس نے ایک میز اٹھا کر ان کے درمیان میں رکھ دی اور اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر
واپس آیا۔ وہ اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا خوان اٹھائے ہوئے تھا۔

جیسے ہی خوان میز پر رکھا گیا حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ خوان میں ایک بڑا سا سانپ کنڈلی
مارے پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں روشنی میں چمک رہی تھیں۔

حمید نے بیٹھے ہی بیٹھے جست لگائی اور دوسرے لمحے میں وہ برآمدے کے نیچے تھا۔

"پیارے.... میری جان۔" لڑکی چیختی ہوئی جھپٹی۔

اُس نے حمید کو دبوچ لیا اور آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "یہ طالوت.... سور بڑا کمینہ ہے۔ تم ڈر گئے؟"

”نہیں.....!“ حمید دانت بھینچ کر بولا۔ ”شاید یہ پاگل خانہ ہے۔“

”دولت خانہ۔“ لڑکی نے سنجیدگی سے تصحیح کی۔

حبشی خوان اٹھا کر پھر اندر چلا گیا۔ وہ شروع سے اب تک مشین کی طرح حرکت کرتا آیا تھا اس دوران میں ایک بار بھی اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا وہ کسی جال میں پھنسنے والا ہے۔

”خفا ہو کر نہ جاؤ۔“ لڑکی نے اُسے برآمدے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

حمید کا عجیب حال تھا۔ غصہ ہنسی اور ندامت تینوں نے ایک ساتھ اس پر یلغار کر دی تھی لڑکی اُسے پھر برآمدے میں کھینچ لے گئی۔

”یہ طالوت..... واقعی بڑا کمینہ ہے میں معافی چاہتی ہوں۔“

حمید حقیقتاً اس فکر میں تھا کہ کسی طرح نکل بھاگے۔

”تو آپ پانی.....!“

”آج رات یہیں ٹھہر جاؤ تو کیا حرج ہے۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

”کیوں؟“

”آج وہ جن نہیں آئے گا۔“

”محترمہ! یہ بیسویں صدی۔ ۔“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”آج کل کے لئے شرارت بیکار ہے۔“

”شرارت! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

حمید نے سوچا کہ اس طرح سر مارنا فضول ہے۔ کیوں نہ وہ بھی انہیں خرافات پر اتر آئے۔ لہٰذا وہ اپنے حرکات و سکنات میں ڈرامائی انداز پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا یہ چاندنی کل بھی اتنی ہی حسین تھی۔“ حمید کی آواز خوابناک تھی۔

”چاندنی.....!“ لڑکی نے سسکی سی لی۔

”ایسی ہی چاندنی تو تھی جب میں۔“ حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کیا؟“ لڑکی کی آنکھیں کچھ اور نشیلی ہو گئیں۔ حمید افق میں دیکھنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

”وہاں..... اس پار..... جہاں بہار کے خوش گلو پرندے..... طربیہ گیت گاتے ہیں سنہری

بدلی خوبانیاں..... تمہیں شہد یلی پر اعتراض تو نہیں۔“

”نہیں! اعتراض کیوں ہوتا۔“

”میں سمجھا شاید تم اسے قواعد کے رو سے غلط قرار دے دو۔“

”محبت کرنے والے قواعد کی پرواہ نہیں کرتے۔“ لڑکی سنجیدگی سے بولی اور حمید سوچنے لگا کہ اب اتنی ڈھیٹ لڑکی سے کبھی ملاقات نہ ہو۔

”تو تم محبت کرنا چاہتی ہو۔“ حمید دردناک آواز میں کراہا۔ لیکن اس کی آواز دبی دبی سی تھی۔ اس کا بھی تو خیال تھا کہ اگر ابا میاں قسم کے کوئی بزرگ گھر پر موجود ہی ہوئے تو کیا ہوگا۔

”سچ مچ بتاؤ تم کون ہو۔“ لڑکی اُس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

”اُدھر چلو.....!“ حمید نے مالتی کی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں برآمدے سے اُتر کر روش طے کر کے لان پر آ بیٹھے۔ لڑکی سوالیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میری داستان بہت درد بھری ہے۔“ حمید ایک آہ جگر خراش کھینچ کر بولا۔ ”اے غنچہ دہن گل..... اندام میں رہنے والا شہر بے نیل و مرام کا ہوں اور لوگ مجھے شہزادہ امرود بخت کہتے ہیں۔“

حمید نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی ایک بے تحاشہ قسم کے قہقہے کو نہایت صفائی سے دبا گئی۔ وہ کہتا رہا۔

”میرے باپ شہنشاہ شلجم نصیب نے مجھے پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک خانہ باغ ترتیب دیا حسب دستور نجومیوں سے حکم لگوا دیا کہ بارہ برس تک عورتیں میری شکل نہ دیکھنے پائیں لیکن بہر حال شہنشاہ شلجم نصیب کہ جب میں پانچ ہی سال کا تھا تو ایک عورت نے مجھے اس طرح دیکھ لیا بس اُس دن سے یہ حال ہے کہ میں صحرا صحرا جنگل جنگل مارا پھرتا ہوں۔ لہٰذا کبھی پٹرول ختم، کبھی پانی ختم۔ اس غریب الوطنی میں ایک بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کے چکر میں پڑ کر کار بھی بیچنی پڑی۔“

حمید آہ سرد بھر کر خاموش ہو گیا۔

”کیا سوچنے لگے۔“ لڑکی تھوڑی دیر بعد بولی۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہیں اُس روسیاہ جن کے پنجے سے کس طرح چھڑاؤں۔"

"آہ میں اس نابکار خوک پیکر سے تنگ آ گئی ہوں۔"

"ایک تدبیر ذہن میں آئی ہے۔"

"کیا؟" لڑکی نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"پتہ لگاؤ کہ اس نے اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیا ہے یا نہیں۔"

"نہیں کرایا۔ میں پوچھ چکی ہوں۔" لڑکی ایک بیساختہ قسم کی مسکراہٹ کو دبا کر بولی۔

"تب تو میں اُسے کسی بیمہ ایجنٹ کے چکر میں پھنسا کر تمہیں صاف نکال لے جاؤں گا۔"

"سچ....!" لڑکی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ایک بار میں نے بھی اسی طرح اپنی جان بچائی تھی۔"

"کیسے؟ کیا بات تھی۔"

"اب سے ایک سال پہلے کی بات ہے۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "صحرا پھرتا پھراتا ایک شہر میں جا نکلا.... کہ نام جس کا نگار سلطانہ تھا۔ شہر پناہ کے پھاٹک نے ایک جم غفیر دیکھا۔ بہت سے لوگ ایک گدھے کو پکڑے اس کی ناز برداریوں میں تھے۔ جیسے ہی میں نے پھاٹک میں قدم رکھا گدھے نے دولتیاں جھاڑیں اور ان لوگوں سے کر تیر کی طرح میری طرف آیا اور میری ٹانگوں میں سے اس طرح نکلا کہ میں دوسرے اس کی پیٹھ پر سوار تھا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں نعرے لگائے اور ٹوپیاں اچھالیں۔ پھر ا مجھے گدھے پر سے اُترنے نہ دیا اور مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے جلوس کی شکل بڑھے۔ میں نے ایک شخص سے کہ مرد عقیل و فہیم معلوم ہوتا تھا اس عزت افزائی کی و تو اس نے کہا کہ 'جہاں پناہ بادشاہ بنا دیئے گئے'۔!"

"بادشاہ۔" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہ اس ملک کی رسم تھی! جب بادشاہ مر جاتا تھا تو لوگ ایک گدھے کو پکڑ کرا بادشاہ کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ گدھا جسے اپنے اوپر سوار کرا لیتا وہی بادشاہ بنا دیا جاتا۔ ا یقیناً بڑی اچھی تھی لیکن اس مرد عاقل نے ایک بات اور بھی بتائی جسے سن کر مجھے وجہ میں گدھے سے اُتر جانا پڑا۔"

ید خاموش ہو کر پائپ سلگانے لگا۔

یا بات تھی!" لڑکی بے چینی سے بولی۔

س نے بتایا کہ مرتے وقت یہ گدھا بادشاہ پر سوار ہو جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں اُترتا اُس کا دم نہ نکل جائے۔ بہر حال میں نے گدھے سے اُتر کر شور مچانا شروع کر دیا کہ ی آنکھیں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ مجمع نے کہا کہ شاہی گدھے کی توہین نہیں برداشت کی نہیں اس کی آنکھوں کی کمزوری کا ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔ بات بڑھ گئی آخر فیصلہ یہ ہوا ھے کو کسی ماہر امراض چشم کے پاس لے جایا جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ گدھے کی آنکھیں ٹسٹ یں اور واقعی وہ کمزور نکلیں.... گدھے کے لئے چشمہ خریدا گیا۔ چشمہ لگتے ہی کمبخت نے ی ہی طرف رخ کیا۔ میں نے پھر غل غپاڑہ مچایا کہ یہ نشے میں معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں ھے کو پکڑ لیا۔ کیونکہ انتخاب کی ساعت ٹل چکی تھی۔ انہوں نے کہا کہ انتخاب کل ہوگا۔ ھا تمہارے ہی ساتھ رہے گا۔ تو اے نازنین پری تمثال وہ گدھا میرے پیچھے لگ گیا۔ جھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں۔ آخر ایک تدبیر سوجھ گئی۔ میں بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کی تلاش شروع کر دی۔ تقدیر مہربان تھی کہ جلد ہی مل گیا۔ میں نے ، گدھے کا تعارف کرایا اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ پھر کافی رات گئے ایجنٹ کے ٹھکانے ہ گیا۔ گدھا وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے وہ رات ایجنٹ ہی کے یہاں بسر کی اور رات بھر ے سونے کے لالچ میں میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں بھی اپنی زندگی کا بیمہ کرا لوں گا۔ ے دن صبح ہی صبح میں اُسے اپنے ساتھ لے کر شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچ گیا۔ پہلے دن کی ج بھی کافی بھیڑ تھی۔ گدھا چشمہ لگائے اداس کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی ے بیزار ہو۔ جیسے ہی دونوں وہاں پہنچے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا میری طرف بڑھنے کمپنی کے ایجنٹ نے کنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس پر نظر پڑتے ہی گدھے کا گیا۔ ایجنٹ اس کے پیچھے دوڑتا ہوا چیخ رہا تھا۔ سنئے تو سہی مسٹر۔ خدارا مستقبل کے لئے کچھ ئے۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے.... آپ کے بوڑھے ماں باپ.... آپ کی عزیز از نقرِ حیات...." پھر گدھے نے کسی طرح جان نہ بچتی دیکھ کر ایک کنوئیں میں چھلانگ اس طرح میں بادشاہ بنتے بنتے بچ گیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ گدھا کثرت سے برانڈی پیتا

تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔ حمید نے اتنی دیر میں بناوٹ کا سارا جال توڑ دیا تھا۔ وہ دیر تک ہنستی رہی پھر یکایک سنجیدہ ہو گئی اور مضمحل آواز میں بولی۔

"پیارے امرود بخت مجھے کسی طرح نکال لے چلو۔ ہائے یہ چاندنی رات اور اُس کا جن کا تصور بھی میرے لئے تکلیف دہ ہے۔"

"اگر تمہیں یقین ہے کہ اُس نے اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کرایا تو تمہیں اس قید دلوادوں گا۔ دوسری بات یہ کہ اب مجھے جانا چاہئے.... اور پانی۔"

"نہ جاؤ پیارے امرود بخت....!" لڑکی ٹھنک کر بولی۔

"اف فوہ! مجھے بیمہ کمپنی کا ایک ایجنٹ بھی تو تلاش کرنا ہے۔"

"اچھا کھانا تو کھالو۔"

"بخشئے! اگر اس بار وہ طالوت کا بچہ....!"

"اوہو! تم سمجھے نہیں تھے۔ دراصل کھانا تیار نہ رہا ہوگا۔ اسی لئے اس نے جھلا کر کی ہو گی۔"

"خیر! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ واقعی آپ کمال کی آدمی ہیں۔ جب بھی گذروں گا آپ سے ضرور ملوں گا۔ اب تو آپ سنجیدگی سے اپنا تعارف کرا دیجئے۔"

لڑکی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

حمید نے سوچا اب اسے کچھ اور سمجھانا بیکار ہے۔ پھر کبھی سمجھا جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں برآمدے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ دونوں میں وہی پہلی تکی گفتگو چھڑی ہوئی تھی۔ لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ کھانے بہت لذیذ ہیں۔ خصوصاً شا کھاتے وقت اسے سچ مچ نیند آنے لگی۔ باہر چاندنی کی خنک چادر پھیلی ہوئی تھی اور اس کی خوشبودار شاہی ٹکڑے گل رہے تھے۔ آنکھوں کے پپوٹوں میں گدگدی ہو رہی تھی اور ہڈی میں سرور انگیز لہریں تھیں اس کا داہنا ہاتھ چمچے سمیت اٹھا ہی رہ گیا اور اُسے گہری نیند

آسمانی فائر

نہ جانے کب تک حمید پر وہ عجیب و غریب نیند طاری رہی۔

دوسرے دن.... اگر سورج کی کرنیں سیدھی اس کے چہرے پر نہ پڑتیں تو وہ سوتا ہی رہتا۔ بہرحال نیند کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ کیڈی ہی میں سفر کر رہا تھا لیکن پچھلی سیٹ پر لیٹے لیٹے وہ کھڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ڈرائیو کرنے والے کی پشت اُس کی طرف تھی اور وہ انسپکٹر فریدی کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

پچھلی رات کے سارے واقعات حمید کے ذہن میں چکر لگا رہے تھے۔ اُس نے ایک بار پھر آنکھیں مل کر چاروں طرف دیکھا اور اُسے یقین آ گیا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ ساتھ ہی فریدی کی آواز بھی سنائی دی۔

"آرام فرمایئے! آرام فرمایئے آپ اٹھ کیوں بیٹھے۔"

حمید نے جست لگائی اور اُس کے برابر پہنچ گیا۔ کیڈی شہر میں داخل ہو رہی تھی۔

"میں کہاں تھا؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے پھر کہا۔

فریدی اپنے ہونٹ بھینچے خاموش رہا۔ حمید کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اُسے معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں پایا ہو۔

"میں تمہارا تبادلہ کرا دینے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تبادلہ تو رات ہی کو ہو گیا ہوتا.... مگر....!"

"میں کوئی سڑی بسی داستان یا اس حرکت کا جواز سننے کے لئے تیار نہیں۔"

"میں کہتا ہوں میری بات تو سنئے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا تو یہی بتا دیجئے کہ میں آپ کو کہاں اور کس حال میں ملا تھا۔"

"حمید! بکواس مت کرو۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس کی داستان سن کر صرف قہقہے لگائے گا۔ یہ بھی اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ پچھلی رات کو اُسے بے وقوف بنایا گیا تھا۔ شاہی ٹکڑے کھاتے وقت طاری ہونے والی غنودگی اُسے یاد تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پھر اُس کے بعد کیا ہوا؟ کیا فریدی اُسے اسی عمارت سے لایا ہے یا کہیں اور سے؟ کوٹھی پہنچ کر فریدی حمید کی طرف دیکھے بغیر اترا اور اندر چلا گیا۔ حمید چند منٹ بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر کیڈی گیراج میں لے جا کر کھڑی کر دی۔

فریدی اندرونی برآمدے میں ٹہل رہا تھا اور اس کا موڈ زیادہ خراب تھا۔ حمید چپ چاپ آ کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ فریدی نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر فریدی نے اُسے کہاں اور کس حال میں پایا تھا۔

وہ بھی اس کے کمرے میں چلا گیا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اس وقت کہیں ٹل جاؤ۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"میرا موڈ بہت خراب ہے۔"

"آپ تو اس طرح تاؤ کھا رہے ہیں جیسے میں آپ کی کنواری لڑکی ہوں۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور آپ نے مجھے کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ لیا ہو۔"

فریدی پھر اُسے گھورنے لگا۔

"اگر آپ فوراً ہی سیدھے نہ ہو گئے تو شاید آپ کو پچھتانا پڑے۔" حمید نے کہا۔

"بک چلو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن تمہاری ان حرکتوں کی بناء پر مجھے بڑی ندامت ہوتی ہے۔"

"کن حرکتوں کی بناء پر؟"

"مجھے چڑھا رہے ہو؟" فریدی تیز لہجے میں بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔"

"بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا ہمیشہ کے لئے۔" حمید نے ڈرامائی انداز میں پوچھا۔

"گیٹ آؤٹ۔"

"میں کچھ نہیں کہتا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو مبتلا رہیے بس اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ نے مجھے کہاں اور کس حال میں پایا تھا۔"

فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کے الفاظ کو تولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کیوں؟" وہ آہستہ سے بولا۔

"بات کچھ ایسی ہی ہے کہ جس پر آپ یقین نہیں کریں گے۔"

"ہوں!" فریدی اپنے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"میں اگلی سیٹ پر تھا یا پچھلی پر۔"

"پچھلی پر....!"

"اور کار کہاں تھی۔"

"سڑک کے کنارے۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔

"سڑک کے کنارے۔" حمید نے اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے دہرایا۔

"اب کوئی ایسی داستان دہرا دو جس پر مجھے یقین آ جائے۔"

"اُف فوہ! یہ تو میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

"ضرور یقین کروں گا۔ کیونکہ تمہارے ساتھ شمپین کی دو خالی بوتلیں بھی تھیں۔"

"بوتلیں؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"چلو بور مت کرو! دفع ہو جاؤ۔"

"عجیب مصیبت ہے۔"

"جاؤ بابا جاؤ.... میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔ میں اب کسی بات کیلئے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"میں شاید جہنم سے بھی اسی طرح نکال دیا جاؤں۔" حمید اپنے جیب میں پڑے ہوئے پائپ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

"تمہارے ساتھ کون تھا۔"

"کیا کسی دوسرے کا سراغ بھی پایا جاتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آئینہ دیکھو....!" فریدی نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید کو اپنے گالوں پر لپ اسٹک کے دھبے نظر آئے۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ آپ یقین نہ کریں گے۔" حمید فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

"خیر آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے وہ داستان دہرانی ہی پڑے گی۔" حمید نے کہا۔

اور پھر اس نے الف لیلیٰ والی داستان شروع کر دی۔ فریدی لاپروائی سے سنتا رہا۔ نہ تو اُ
ہنسی آئی اور نہ اُس نے کسی موقع پر حیرت ہی کا اظہار کیا جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی ک
ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔

"یہ کہانی بیسویں صدی کے معیار سے مطابقت نہیں رکھتی۔" اس نے کہا۔ "لیکن شاید تم نہیں جانتے کہ وہ عمارت کس کی ہے؟"

"نہیں میں نہیں جانتا۔"

"اگر جانتے ہوتے تو اس سے کم از کم اس قسم کی کوئی داستان منسوب نہ کرتے۔"

"کیوں؟ وہ کس کی ہے۔"

"ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی کی۔"

"ڈاکٹر نارنگ کی؟" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ڈاکٹر نارنگ وہ پھر بڑبڑایا۔

اُسے حقیقتاً حیرت تھی۔ ڈاکٹر نارنگ نہ صرف اُس شہر بلکہ پورے ملک کے مشہور تر
آدمیوں میں سے تھا۔ نہ صرف اعلیٰ حکام بلکہ وزراء تک اس کا احترام کرتے تھے۔ بہر حال ح
متحیر تھا کہ وہ اس ڈرامے سے کیا مطلب اخذ کرے جو پچھلی رات اس عمارت میں کھیلا گیا تھا۔ ح
یہ بھی جانتا تھا کہ ڈاکٹر نارنگ غیر شادی شدہ تھا۔ لہٰذا یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ اس کی لڑ
رہی ہوگی۔

"کیوں؟ کیا سوچنے لگے؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب اصل واقعہ بیان کر جاؤ۔"

"خدا کی قسم میں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں ایک فیصدی بھی جھوٹ نہیں۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"خیر....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

پہلی لڑکی.... وہ نہ جانے کون تھی اور کیا تھی۔ کتنی عجیب تھی.... چال کتنی حیرت انگیز تھی۔"

"حیرت انگیز نہیں بلکہ قیامت کہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری بدولت مجھے کافی
مندگی ہوئی ہے۔ پولیس کی ایک گشتی لاری لے کر تمہاری تلاش میں جانا پڑا اور تم جس حال
ملے اس کا تو اس یہی تقاضا تھا کہ میں ڈوب مرتا۔"

"پھر آپ نے وہی بات کہی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "آپ کیوں ڈوب مرتے کیا میں آپ کی
جہ محترمہ ہوں۔"

فریدی کو پھر غصہ آ گیا اور حمید موقع کی نزاکت کا احساس کر کے اُس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "ایک بار دیکھا ہے، اور دوسری بار
یکھنے کی ہوس ہے میں اسی عمارت کے قریب ہی کہیں ایک جھونپڑی ڈالنے والا ہوں۔"

"چھوڑو ختم کرو۔" فریدی اکتا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اگر تم نے کبھی بلا ضرورت شراب
تعمال کی تو میں تمہیں دھکے دے کر نکال دوں گا۔"

"اس وقت ایشیا کا عظیم ترین سراغ رساں بچوں کی سی باتیں کر رہا ہے۔" حمید نے ہونٹ
کوڑ کر کہا اور فریدی پلٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید پھر بولا۔ "اگر میں آپ کو دلاور نگر
کے قریب ہی کہیں ملا تھا تب تو یقیناً میں نے شمپین کی دو بوتلیں صاف کر دی ہوں گی۔ غضب
دا کا شمپین کی دو بوتلیں اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔ کیا میں دلاور نگر کے قریب ہی ملا تھا۔"

"نہیں۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"پھر کتنا فاصلہ رہا ہوگا۔"

"فضول وقت نہ برباد کرو۔" فریدی لاپروائی سے بولا حمید کے خیال دلانے پر وہ بھی اس
سئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے لگا تھا۔ حمید اسے دلاور نگر سے تقریباً پینتیس چالیس میل کے
فاصلے پر ملا تھا۔ شمپین کی دو بوتلیں صاف کر دینے کے بعد اتنی دور کا سفر شاید فولاد کے آدمی سے
بھی نہ ہو سکتا اور یہ چیز بھی تقریباً ناممکن تھی کہ حمید نے اتنا سفر کر چکنے کے بعد رک کر دو
بوتلیں پی ڈالی ہوں۔ یہ بات فریدی بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ حمید شراب کا عادی نہیں ہے۔
دوسری بات یہ کہ اگر کوئی عورت وہاں اس کے ساتھ آئی اور اسی کی ترغیب پر حمید نے یہ حرکت
کر ڈالی تو پھر وہ خود کہاں گئی۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنی دور پیدل تو نہ گئی ہوگی۔

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا جو اس طرح ہونٹ سکوڑے بیٹھا تھا جیسے سیٹی بجا ارادہ کر رہا ہو۔

"آج تمہیں پاگل خانے میں داخل ہونا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا اور فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ دو

"پاگل.... خانے.... میں۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "میرا خیال ساجد حقیقتاً پاگل نہیں ہے۔"

"کون ساجد؟"

"کرنل فرید والا کیس بھول گئے۔"

"کرنل فرید۔" حمید اپنے ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔

"چھ ماہ قبل کی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا تمہیں کیوں یاد ہوگی۔ کرنل ف پراسرار طریقے پر قتل کر دیا گیا تھا اور جس کی بہن غائب ہو گئی تھی۔"

"نہ جانے کتنوں کی بہنیں روزانہ غائب ہوتی رہتی ہیں۔ میں کہاں تک خیال رکھوں۔ مسکرا کر بولا۔

"تب پھر تمہیں اس کیس کی تفصیل کہاں یاد ہوگی۔ معاملہ تقریباً دب ہی گیا تھا۔ لیک رات کو....!"

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو! فریدی بول رہا ہے.... ارے۔"

فریدی کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ پڑا.... اور اس نے مضطربانہ انداز میں اُ اٹھایا۔ "ہیلو.... ہیلو.... کہاں.... کیسے؟.... آتا ہوں۔" وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے طرف مڑا۔

"چلو....؟" وہ دروازے کی طرف بھاگا۔

حمید اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

گیراج سے کار نکالتے وقت اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ حمید نے کبھی اسے اس حال نہیں دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

"وزیر خزانہ۔" فریدی تھوک نگل کر بولا۔ "وزیر خزانہ بھرے مجمع میں قتل کر دیئے گئے۔"

"بھرے مجمع میں۔" حمید اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

کیڈیلاک سڑک پر فراٹے بھرتی رہی اور وہ دونوں خاموش رہے۔ نہ تو حمید نے یہ پوچھا کہ حادثہ کہاں ہوا اور نہ ہی فریدی نے بتایا۔ اس کی آنکھیں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور ہاتھ اسٹیئرنگ پر حرکت کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ جسم قطعی بے جان معلوم ہوتا تھا۔

حمید کار میں لگے ہوئے آئینے میں دیکھ دیکھ کر اپنے چہرے سے لپ اسٹک کے دھبے صاف رہا تھا۔

"اپنے یہاں سے کس کس کی ڈیوٹی تھی۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کئی انسپکٹر تھے، سپرنٹنڈنٹ بھی تھے۔ بڑی حیرت کی بات ہے۔ وزیر خزانہ کی مخالفت کہیں ی نہیں تھی۔ نیک نام وزراء میں سے تھے۔"

"یہ حادثہ کہاں ہوا۔"

"یونیورسٹی میں.... وہ شعبہ فلکیات کا افتتاح کر رہے تھے۔ تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔"

"قاتل ضرور پکڑ لیا گیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"قاتل....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کسی نے شاید قاتل کی شکل بھی نہ دیکھی ہو۔"

"کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"میں اس وقت تمہیں یہی بتانے جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔"

"کیا؟"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔

اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو حمید اس کی خاموشی پر جھنجھلا جاتا۔ لیکن خود اس کا ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ اسے اپنے سوال کا دھیان تک نہ رہا۔

یونیورسٹی کی کمپاؤنڈ پولیس والوں سے بھری تھی۔ ہر طرف سرخ پگڑیاں اور خاکی ٹوپیاں نظر آ رہی تھیں۔ خصوصاً جلسہ گاہ جو کئی بڑے بڑے شامیانوں پر مشتمل تھی عجیب افرا تفری کا عالم تھا۔ فریدی اور حمید بھیڑ میں گھستے چلے گئے۔ ڈائس کے گرد پولیس آفیسروں نے گھیرا ڈال دیا تھا

ڈائس پر شہر کے اعلیٰ حکام اور کچھ معززین سرگوشیاں کررہے تھے۔ انہیں میں فریدی کے محک
آئی۔جی اور ڈی۔آئی۔جی بھی تھے۔ ڈائس کے داہنے سرے پر ایک مذہبی پیشوا دعائیں پڑھ رہا تھا
فریدی کو دیکھ کر ڈی آئی جی نے اسے ڈائس پر آنے کا اشارہ کیا۔

گولی مقتول کی پیشانی پر لگی تھی۔ حمید نے لاش پر سے اپنی نظریں فوراً ہی ہٹالیں وہ
بدبخت کے متعلق سوچ رہا تھا جس نے اتنے اچھے آدمی کو موت کی آغوش میں دھکیل دیا تھا۔ ملک
میں ان کی علم دوستی اور خدا ترسی کی دھوم تھی۔ نہ جانے کتنے یتیم اور بیوائیں انہیں کے سہارے
زندگی بسر کررہی تھیں۔

فریدی تھوڑی دیر تک لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر ڈی۔آئی۔جی اُسے ڈائس کے
اتار لے گیا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔

"میں نے ہی تمہیں فون کیا تھا۔" ڈی۔آئی۔جی فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اُف میرے خدا
نہ جانے وہ کیا بلا تھی۔ میں یہیں موجود تھا.... وہ تقریر کررہے تھے۔"

"قاتل....؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کہاں کا قاتل، کیسا قاتل، نہ جانے وہ کیا چیز تھی۔ شکل تو رائفل جیسی نہیں تھی لیکن
آواز ویسی ہی تھی۔"

فریدی پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فضا میں تیرتی ہوئی آئی تھی۔" ڈی۔آئی۔جی کہتا رہا۔ "بس ایک لحظہ ڈائس کے سامنے
معلق رہی اور آنریبل منسٹر دوسرے لمحے میں نیچے تھے۔"

"اور وہ پھر اسی طرح واپس گئی جیسی آئی تھی؟" فریدی نے کہا۔

ڈی۔آئی۔جی اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "پھر میں نے تو دیکھا نہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ
تیر کی طرح اوپر چڑھتی چلی گئی.... اور پھر نظروں سے غائب ہوگئی۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی پہلے ہی سے واقف تھا۔ اس کا یہ جملہ کہ کسی نے شاید قاتل کی
شکل بھی نہ دیکھی ہو۔ اسی پر دلالت کرتا ہوا معلوم ہورہا تھا۔

"آنریبل منسٹر تقریر کررہے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں انہوں نے تقریر شروع ہی کی تھی۔"

"مائیک سے کتنے فاصلے پر تھے۔"

"وہی جو فاصلہ عموماً رکھا جاتا ہے۔"

"مائیک کہاں گیا؟" فریدی مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"مائیک.... بھئی مائیک سے کیا۔" ڈی۔آئی۔جی نے بے دلی سے کہا۔ "پتہ نہیں اس
افراتفری میں کیا ہوا۔"

"میں مائیک کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے کسی کے حواس درست نہیں۔ تمہیں کیا الزام دوں۔" ڈی۔آئی۔جی نے کہا اور
ڈائس کی طرف چلا گیا۔

فریدی متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"آخر مائیک کیوں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ بھی ڈائس کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے ڈائس پر کھڑے ہوکر
چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

"اوہ....!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ ڈائس سے اُتر کر سیدھا اُس طرف پہنچا
جہاں مائیکروفون کے لوازمات اکٹھا تھے۔ وہ چند لمحے اُن کا جائزہ لیتا رہا پھر حمید سے بولا۔

"تم یہیں ٹھہرو.... یہ ساری چیزیں روکی جائیں گی۔"

وہ پھر ڈی۔آئی۔جی کے پاس واپس آیا۔

"میں نے وہ سارا اس سامان رکوادیا ہے؟"

"کون سا....؟" ڈی۔آئی۔جی نے پوچھا۔

"مائیکروفون کے لوازمات۔"

"بھئی اس سے کیا ہوگا۔" ڈی۔آئی۔جی جھنجھلا کر بولا۔

"کیا وہ مشین اتنی بڑی تھی کہ اس میں کم از کم ایک آدمی بیٹھ سکے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں اتنی بڑی نہیں تھی۔"

"تب پھر مشینیں اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتیں۔ میٹرو کمپنی میں جہاں سے مائیکروفون آیا ہے
پہلی فرصت میں پہرہ لگانا چاہئے تاکہ کوئی چیز ادھر سے اُدھر نہ ہونے پائے۔"

"اور....!" ڈی۔ آئی۔ جی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"جلدی کیجئے۔" فریدی نے کہا اور بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

دوسرا حملہ

ایک گھنٹے کے اندر اندر پورا ملک سراسیمگی کا شکار ہو گیا تھا۔ اخبارات کے ضمیمے چھپ رہے تھے شہر میں تو ایسا سناٹا تھا جیسے قبرستان ہو۔ دوکانیں بند تھیں۔ سڑکوں پر فوجی دستے گشت کر رہے تھے۔ راہ گیر سرگوشیوں میں گفتگو کرتے ادھر سے اُدھر نکل جاتے اگر کسی کے ہونٹوں مسکراہٹ بھی آئی تو وہ دوسرے ہی لمحے میں چونک کر اس طرح سنجیدہ ہو جاتا جیسے اس سے یہ لاش کے سرہانے سرزد ہوئی ہو۔

وزیر خزانہ بہت اچھے آدمی تھے اور جب کوئی بہت اچھا آدمی قتل کر دیا جاتا ہے تو کائنات ذرہ ذرہ سوگوار معلوم ہونے لگتا ہے۔ ہوائیں تک آہیں بھرنے لگتی ہیں۔

عام آدمیوں سے زیادہ وہ لوگ پریشان تھے جن کی ذمہ داری مقتول کی جلسہ گاہ سے صحیح سلامت واپس جانے ہی پر ختم ہو سکتی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کے بڑے کمرے میں سب اکٹھا تھے۔

آئی۔ جی کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور اس کے گرد بیٹھے ہوئے دوسرے آفیسر ایک دوسرے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چند لمحے پیشتر ان کے درمیان.... گرما گرم بحثیں ہوئی تھیں اور فیصلہ ہوئے بغیر ختم بھی ہو گئیں تھیں۔

اُس آسمانی رائفل کا مسئلہ اتنا آسان نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی نشست میں اس کی تہہ تک پہنچا جا سکتا۔ اس کے متعلق تو اتنا بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ آئی کس سمت سے تھی اور کس سمت۔ دیکھنے والے صرف اتنا بتا سکتے تھے کہ وہ ایک لمبے اور لمبائی کی مناسبت سے بہت ہی چوڑے صندوق کی شکل کی تھی۔ فائیر کی آواز ایسی ہی تھی جیسی کسی رائفل کی ہوتی ہے۔

انسپکٹر آصف انسپکٹر ماتھر کی طرف جھکا ہوا آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "شرلاک ہومز کے صاحب ندارد ہیں۔ خواہ مخواہ میٹرو والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ میرے شیر کی ہر بات نرالی ہو

بھلا مائیکروفون سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

انسپکٹر ماتھر کوئی جواب دینے کے بجائے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ آئی۔ جی اپنی بھاری بھرائی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "یہ درست ہے کہ اس آسمانی حربے کے سامنے سبھی بے بس تھے سوال تو یہ ہے کہ کسی ایسے حربے کا وجود ہی کیوں! آخر ہم سب کس لئے ہیں۔ مجھے اپنے محکمے فخر تھا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

"مجھے سب سے زیادہ شکایت تم سے ہے۔" آئی۔ جی کی آواز پھر سنائی دی۔

اور ان سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں کیونکہ آئی۔ جی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ دروازے میں انسپکٹر فریدی دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے سرجنٹ حمید تھا۔ دونوں کے چہروں سے ...ن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کچھ نہ کر سکا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ ...۔ حمید کے رینک کا کوئی آدمی میٹنگ میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

"مائیکروفون کا کیا قصہ تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ایک خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن فی الحال کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ ویسے میں اب بھی یہی ...ہوں کہ اس حادثے کا کچھ نہ کچھ تعلق مائیکروفون سے ضرور ہے۔"

"کیوں؟"

"ابھی سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی کہ مشینیں آدمی کی قوت ارادی کی پابند ہو جائیں۔ وہ ...ین کسی میکانکی ہی سسٹم کے تحت چلتی ہوں گی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے! کہتے جاؤ۔" آئی۔ جی بولا۔ "میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ یقیناً وائرلس ہی سے کنٹرول ...جاتی ہو گی۔"

"اور اس میں ٹیلی ویژن سسٹم کا بھی دخل معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اسی لئے میں مائیک پر زور دے رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اگر ہم یہ نہیں تسلیم کرتے تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ کسی آدمی کی قوت ارادی کی پابند ہے۔ اسے چلانے والے نے سوچ لیا کہ آنریبل منسٹر کو ختم کرنا ہے۔ لہٰذا وہ مشین ان کی تلاش میں چل پڑی۔"

آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ شاید اسے فریدی کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔

"شاید آپ کو وہ اڑن بم یاد نہیں۔" انسپکٹر آصف فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "جو پچھلی جنگ عظیم میں جرمنوں نے استعمال کئے تھے۔"

"اڑن بم....!" آئی۔ جی آصف کو گھورنے لگا۔ "ان کا یہاں کیا سوال؟"

"اڑن بموں کا سسٹم دوسرا تھا۔" فریدی نے آصف کو مخاطب کیا۔ "ان کی اڑان اور ... میں سمت اور فاصلے کے تعین کو دخل تھا۔ اس لئے وہ بعض اوقات غلط جگہوں پر بھی گر پڑ... ہیں۔ فرض کیجئے وہ برلن سے لندن کے لئے روانہ ہوگئے تو وہ ادھر اُدھر بھٹکتے ہوئے لندن نہ پہنچیں گے۔ انہیں کنٹرول کرنے والی مشین انہیں لندن کی سمت برلن اور لندن کے درمیان فاصلہ کا تعین کر کے روانہ کرے گی۔ بس اتنے ہی فاصلے پر پہنچ کر وہ گر جائیں گے چاہے وہ لن... ہو چاہے کوئی اور جگہ۔ سمت کے تعین میں ذرا سی بھی غلطی انہیں لندن کے بجائے کہیں اور ... سکتی ہے۔"

"غیر متعلق بحث سے کیا فائدہ۔" آئی۔ جی نے اُسے ٹوکا۔

"ہاں تو جناب والا میں یہ عرض کر رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ آنریبل منسٹر کے گر... افراتفری کے دوران میں مائیکروفون بدل دیا گیا۔"

آئی۔ جی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ شخص جو میٹرو کمپنی کی طرف سے مائیکروفون پر مامور تھا، حراست میں ہے۔" فر... پھر بولا۔ "اس کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ جلسہ شروع ہونے سے آدھا گھنٹہ قبل مائیکرو... خراب ہو گیا تھا۔ اُس نے اُسے بنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اتنے میں ایک آد... یہ تجویز پیش کی کہ کمپنی سے دوسرا منگوالیا جائے چونکہ مائیکروفون کی دیکھ بھال کرنے والا ... اس لئے اس نے خود جانا مناسب نہ سمجھا۔ اس پر اس نامعلوم آدمی نے کہا کہ اگر وہ مائیکروفو... طلبی کے لئے تحریر دے دے تو وہ منٹوں میں لاسکتا ہے۔ محافظ نے منیجر کے نام ایک پرچ...

...ے دیا اور وہ آدمی دوسرا مائیکروفون لے آیا۔"

"اوہ....!"

"لیکن جلسہ گاہ میں بعد کو جو مائیکروفون ملے۔ اُس میں کوئی خاص بات نہ تھی۔"

"خاص بات؟"

"یعنی ان کا میکینزم وہی تھا جو عام طور پر ہوتا ہے۔"

"اُس دوسرے آدمی کا پتہ چلا۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی نہیں! اس میٹرو کے منیجر کا بیان ہے کہ دوسرا کوئی مائیکروفون جلسہ گاہ میں گیا ہی نہیں ...رنہ اس صورت و شکل کا کوئی آدمی اس تک پہنچا تھا۔ دوسرا مائیکروفون جو جلسہ گاہ میں ملا تھا اس ...ے متعلق اس نے بتایا کہ وہ میٹرو کمپنی کا نہیں تھا۔ ویسے اس پر میٹرو کمپنی ہی کا نام درج تھا۔ ...بٹرولاؤڈ اسپیکر سروس۔"

آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"حقیقتاً تم محکمے کی ناک ہو۔"

فریدی کے ساتھیوں کے منہ چڑھ گئے لیکن ڈی۔ آئی۔ جی بے اختیار مسکرا پڑا تھا۔ یہ مسکراہٹ کچھ ایسی ہی تھی جیسے کوئی باپ اپنے بچے کی تعریف کسی دوسرے سے سن کر کھل اٹھے۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔

"تو اب کیا کرنا چاہئے۔"

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب میرے طریقہ کار سے بخوبی واقف ہیں۔" فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

اس پر ڈی۔ آئی۔ جی نے آئی۔ جی کی طرف جھک کر آہستہ سے کچھ کہا اور آئی۔ جی پرخیال انداز میں سر ہلانے لگا۔

کچھ دیر پورے کمرے میں سرگوشیاں ہوتی رہیں پھر آئی۔ جی کی آواز سنائی دی۔

"بہر حال آپ لوگ اپنی آنکھیں کھلی رکھئے۔ یہ کیس خاص طور سے کسی کے سپرد نہیں کیا جارہا ہے۔ ہر ایک کو کوشش کرنی ہے۔"

اس مختصر سی ہدایت کے بعد میٹنگ برخواست ہوگئی۔ سب چلے گئے لیکن فریدی وہیں

موجود رہا۔

"اب بتاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔ آئی۔ جی کی نظریں بھی اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نے پچھلی رات اس رائفل کو پرواز کرتے دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟" دونوں بیک وقت بولے۔

"اور میرا خیال اُسی طرف گیا تھا۔"

"تو کیا تم پہلے ہی سے اس کے متعلق جانتے تھے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"تھوڑا بہت۔"

"پھر بھی تم نے کچھ نہ کیا؟"

"کل رات سے قبل مجھے اُس کے وجود پر یقین نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "حقیقتاً کل رات بھی مجھے یقین واثق نہیں تھا۔ اس کا تو اس وقت خیال آیا جب میں نے حادثے کی خبر سنی تھی۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا؟"

"شہر کے اُتری حصے میں وہ زیادہ بلندی پر نہیں تھی۔"

"کدھر گئی تھی؟"

"مشرق کی سمت!" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس کا امتحان کر رہے تھے۔"

"تو کیا تم ان لوگوں سے بھی واقف ہو۔"

"جی نہیں۔"

"بہر حال تم نے اپنی معلومات کو چھپا کر اچھا نہیں کیا۔" آئی۔ جی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"جناب والا.... معلومات کی نوعیت ہی ایسی نہیں تھی کہ جس پر فوری ایکشن کیا جاسکتا۔"

"یعنی....!"

فریدی نے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کرنل فرید کا کیس تو یاد ہوگا۔"

"کرنل فرید۔" ڈی۔ آئی۔ جی ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہ جس کی بہن....!"

"جی ہاں! وہی....!"

"کیا کیس تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"کرنل فرید! ایک ریٹائرڈ فوجی تھا۔" فریدی بولا۔ "دولت مند مگر شریف قسم کے لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اب سے چھ ماہ قبل کسی نے اسے اس کی کوٹھی ہی میں قتل کر دیا۔ اس کی بہن قتل والی رات ہی سے غائب ہے اس کا پرائیویٹ سیکریٹری اس حادثے کے بعد پاگل ہوگیا تھا جو آج بھی پاگل خانے میں ہے۔ بہن کرنل ہی کے ساتھ رہتی تھی۔"

"لیکن اس معاملے سے اس کا کیا تعلق....؟" آئی۔ جی اکتا کر بولا۔

"وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ایک ہفتہ قبل کی بات ہے کہ ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو کرنل کے پرانے ساتھیوں میں سے تھا۔ دوران گفتگو میں اس سے پتہ چلا کہ کرنل ایک اچھا میکینک اور انجینئر بھی تھا۔ وائرلیس اور ٹیلی ویژن اس کے محبوب ترین موضوعات تھے اور وہ پچھلے کئی سالوں سے اس فکر میں تھا کہ انہیں کی بنیادوں پر کوئی حربہ تیار کرے اس وقت میں نے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دی تھی لیکن جب پچھلی رات پرواز کرتی ہوئی وہ شے مجھے نظر آئی تو قدرتی طور پر اس شخص کے الفاظ مجھے یاد آگئے۔"

"کیس کا انچارج کون تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"غالباً انسپکٹر سدھیر۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس زمانے میں گارساں والے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ بہر حال کرنل کے قتل کی نہ تو آج تک وجہ معلوم ہوسکی اور نہ قاتل ہی کا سراغ ملا اور اس کی بہن کی حیرت انگیز روپوشی ابھی تک پردۂ راز میں ہے۔ سدھیر کا خیال ہے کہ شاید وہ بھی قتل میں شریک تھی۔ لیکن میں واقعات کی روشنی میں ایسا سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ کرنل کا سیکریٹری پولیس کو عجیب حالت میں ملا تھا۔ کرنل کی بہن کے بستر پر خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے تھے اور وہ اس طرح بے ترتیب تھا کہ جیسے اس پر سونے والے کو کسی سے جدوجہد کرنی پڑی ہو۔"

"نوکر کہاں تھے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"شاگرد پیشہ میں جو کوٹھی سے کافی فاصلے پر ہے اور انہیں صبح ہی اس حادثے کی اطلاع ہوئی تھی۔"

"کچھ اسکا بھی اندازہ ہے کہ ان تمام معاملات میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

کافی دیر تک ان تینوں میں بحثیں ہوتیں رہیں۔ لیکن آخر میں نتیجہ وہی صفر، نہ کوئی فیصلہ ہوسکا اور نہ طریق کار ہی کا تعین کیا جاسکا۔

"خوفناک ہنگامہ" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے۔

فریدی کے دوسرے ساتھی مائیکروفون کے محافظ کے بتائے ہوئے حلیے سے چمٹے ہوئے تھے وہ انہیں ریٹائرنگ روم میں چھوڑ کر مسکراتا ہوا باہر آگیا۔

شہر کی حالت اب تک ویسی ہی تھی۔ ویرانی اور سوگواری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ فریدی کی کیڈیلاک تیزی سے سڑک پر پھسل رہی تھی۔ حمید اور وہ خاموش تھے غالباً وہ دونوں اس سے بھی بے خبر تھے کہ ایک دوسری کار کیڈیلاک کا تعاقب کر رہی ہے۔

"فی الحال ساجد ہی والی کڑی اپنے ہاتھ میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کون ساجد۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی کرنل فرید کا سکریٹری جو پاگل خانے میں ہے۔ اس سے کرنل کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ بنے ہوئے پاگلوں کو راہ راست پر لانا بڑا دشوار کام ہے اور کرنل کی بہن کا سراغ! نہ تو اُس کا کوئی فوٹو ہی دستیاب ہو سکا اور نہ مکمل حلیہ! حلئے کے متعلق اختلاف بیانیاں پائی جاتی ہیں۔ البتہ ایک چیز سب کے بیانات میں مشترک ہے اور وہ ہے اس لڑکی کی چال۔ سب یہی کہتے ہیں کہ چلتے وقت وہ زمین سے کچھ اوپر تیرتی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ لیکن اس کی حیرت ایک سیکنڈ بھی قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے کان کے قریب ہی ایک فائر ہوا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی چیخ سنائی دی اور حمید کے چہرے پر لاتعداد چھریاں سی آکر لگیں کیڈیلاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔

"یہ حادثہ ایک سنسان سڑک پر ہوا تھا۔ دو ایک لوگ جو ادھر سے گذر رہے تھے فریدی کی کار کی طرف جھپٹے۔ فریدی اپنی پیشانی دبائے حمید پر جھکا ہوا تھا۔ جس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹک کر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ حمید کے چہرے پر کئی جگہ خون رس رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ فریدی نے اسے سنبھالنے کے لئے اپنی پیشانی سے ہاتھ ہٹا لیا اور اس کے چہرے پر بھی خون کی چادر پھیل گئی۔

"ٹھہریئے۔" ایک راہگیر اس کی مدد کے لئے لپکا۔ چار پانچ آدمی کار کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے۔

کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہو گیا تھا۔

فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ حمید کے گولی نہیں لگی تھی۔ کھڑکی کے شیشے کے ٹکروں نے اس کا چہرہ زخمی کر دیا تھا اور خود فریدی کی پیشانی کا زخم بھی انہیں ٹکڑوں کے لگنے کا نتیجہ تھا۔

اس نے رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا اور راہگیر سے بولا۔

"ٹھیک ہے! سب ٹھیک ہے۔"

"کسی نے اس پیلی کار سے گولی چلائی تھی۔" دوسرے نے کہا۔ "میں نے خود دیکھا تھا۔ یہ کیا وقت آگئی ہے اس شہر میں۔"

"گولی! نہیں کسی شریر بچے نے پتھر پھینکا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ ارے جناب مین نے خود دیکھا تھا۔"

"آپ کو دھوکا ہوا ہوگا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

راہگیر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

کیڈیلاک سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔

حمید تھوڑی دیر بعد کسمسایا اور کراہ کر سیدھا ہو گیا۔ سامنے لگے ہوئے آئینے پر نظر پڑتے ہی ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کا سارا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"چھونا مت۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "گھبراؤ نہیں زخم گہرے نہیں ہیں۔ ننھی ننھی رچیں معلوم ہوتی ہیں۔"

"اوہ آپ بھی تو۔"

"میری فکر مت کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس تقدیر ہی تھی.... ورنہ.... گولی میرے اپنے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی ہے۔ اگر کوٹ میں شولڈر پیڈ نہ ہوتا، تو ہڈی صاف تھی۔ البتہ پچھلی سیٹ برباد ہونے کا افسوس ہے۔"

حمید نے پلٹ کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ میں بڑا سا سوراخ تھا۔

"تو کیا وہی رائفل تھی۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نہیں گولی ایک کار سے چلائی گئی تھی۔"

"کار سے۔"

"ہاں اور وہ محض تمہاری وجہ سے نکل گئی۔ میں سمجھا شاید تم اللہ کو پیارے ہو گئے۔"

"کاش گولی میرے ہی لگی ہوتی۔" حمید ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "اب میرے چہرے پر شمار رنگ کے داغ ہوں گے اور کوئی لڑکی میری طرف دیکھنا بھی گوارانہ کرے گی۔"

"لڑکی....!" فریدی نے منہ بنا کر کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"ہائے۔" حمید آہستہ سے کراہا۔

"میں نے مائیکروفون کے معاملے میں ہلڑ مچا کر غلطی کی تھی۔" فریدی بولا۔

پُراسرار مسٹر کیو

اُس حیرت انگیز رائفل کے متعلق نہ صرف شہر یا ملک بلکہ ساری دنیا میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ خصوصاً شہر کے لوگ تو بُری طرح سہمے ہوئے تھے۔ ملک کی سربر آوردہ ہستیاں خوف اور اندیشوں کا شکار ہو گئی تھیں۔

دوسرے دن کے اخبار نے وزیر خزانہ کے قتل کے ساتھ ہی محکمہ سراغ رسانی کے بہترین افراد پر حملے کی بھی خبر چھاپی تھی۔ اخبار بیچنے والے گلی کوچوں میں چیختے پھر رہے تھے۔

"محکمہ سراغ رسانی کے دو آفیسروں پر بھی قاتلانہ حملہ، دونوں آفیسر اپنے زخموں کی ڈریسنگ کرانے کے بعد حیرت انگیز طریقے پر غائب ہو گئے۔"

یہ فریدی اور حمید کے زخمی اور غائب ہونے کی خبر تھی۔ انہوں نے سول ہسپتال میں ا زخموں کی ڈریسنگ کرائی تھی اور پھر اپنے محکمے کے اعلیٰ آفیسروں کو اطلاع دیئے بغیر روپوش ہو تھے۔ اخبارات کی اطلاع تو دراصل یہی تھی لیکن عام آدمی اسے کیا سمجھتے کہ اسی دن محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی کی کار دلاور نگر کی طرف کیوں جا رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ اور دو انسپکٹر بھی تھے۔ ڈی۔ آئی۔ جی خود کار ڈرائ کر رہا تھا۔ پینتیس میل پختہ سڑک پر چلنے کے بعد کار ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ اُس عمار میں داخل ہوتی دکھائی دی جس میں سرجنٹ حمید نے ایک حیرت انگیز رات گذاری تھی۔

ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی عمارت میں موجود تھا۔ اُسے محکمہ سراغ رسانی کے آفیسروں کو ا کوٹھی میں دیکھ کر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ مقتول منسٹر کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔

ڈاکٹر نارنگ دوہرے بدن کا ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان میں رہی ہو گی۔ لیکن صحت مند ہونے کی بناء پر یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ بڑھاپے کی سرحدوں میں قدم رکھ چکا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ گفتگو کرنے کا عادی تھا اور دورانِ گفتگو میں اپنی نظریں مخاطب کے چہرے سے ہٹائے رکھتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ اُسے کبھی کسی سے کرخت آواز میں گفتگو کرتے ئے نہیں سنا گیا۔

"میں اُن تمام لوگوں سے مل رہا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ "جن سے مقتول منسٹر کے قریبی تعلقات تھے۔"

"میں بھی انہی بدنصیبوں میں سے ایک ہوں۔" ڈاکٹر نارنگ کی آواز کپکپا گئی۔

پھر ڈی۔ آئی۔ جی کافی دیر تک مقتول کے دوسرے دوستوں کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ جب واپسی کیلئے بالکل تیار تھا تو اُس نے اچانک ڈاکٹر نارنگ سے کہا۔ "مجھے ایک شکایت بھی ہے۔"

"کہئے۔" ڈاکٹر نارنگ نے میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف نظر جماتے ہوئے کہا۔

"یہاں پرسوں رات کو میرے محکمے کے ایک آدمی کے ساتھ بڑا خطرناک مذاق کیا گیا۔"

"یہاں....!" ڈاکٹر نارنگ چونک پڑا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"کسی صاحبزادی نے اُسے کوئی نشہ آور چیز کھلا دی تھی۔"

"صاحبزادی نے۔" ڈاکٹر نارنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، وہ راستہ بھٹک کر ادھر نکل آیا تھا۔"

"اُسے غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ یہ حادثہ کہیں اور پیش آیا ہو گا۔"

"اُسے یقین ہے؟"

"تب اس نے خواب ہی دیکھا ہو گا۔" ڈاکٹر نارنگ مسکرا کر بولا۔ "یہاں ہمیشہ اس عمارت کا منتظم چند نوکروں کے ساتھ رہتا ہے اور وہ بھی میری ہی طرح تجرد کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں زیادہ تر شہر میں رہتا ہوں۔ کبھی کبھی ادھر بھی آنکلتا ہوں۔ پرسوں میں یہاں نہیں تھا۔ یہاں کسی لڑکی کی موجودگی سرے ہی سے مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس طرف اس ساخت کی کوئی اور عمارت نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"نہیں۔"

"اس نے بالکل یہی نقشہ بتایا تھا۔ جو میں اس عمارت کا دیکھ رہا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا

"مجھے حیرت ہے۔"

"اس نے ایک حبشی غلام کا بھی تذکرہ کیا تھا۔"

"حبشی غلام۔" ڈاکٹر نارنگ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "تب تو اُس نے حقیقتاً خواب دیکھا ہوگا۔"

"دو لڑکیاں تھیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی بات نظر انداز کر کے بولا۔ "ان میں سے ایک ایسی تھی جسے ہم عرصہ سے تلاش کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نارنگ یک بیک سنجیدہ ہو گیا اور پھر اس نے کسی کو آواز دی۔ چند لمحے بعد ایک قبول صورت نوجوان اندر داخل ہوا۔ جس نے سمر کا سوٹ پہن رکھا تھا اور گردن میں شوخ رنگوں والی ٹائی تھی۔

"پرسوں رات کو یہاں کون تھا۔" ڈاکٹر نارنگ نے اس سے پوچھا۔

"جج.... جی.... کوئی بھی تو نہیں.... کوئی نہیں۔" منتظم ہکلانے لگا۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"جی کوئی نہیں.... میں.... سس.... سچ....!"

"ہکلا کیوں رہے ہو.... کوئی ضرور تھا۔" ڈاکٹر نارنگ کی آواز بلند ہو گئی اور سیکریٹری کانپنے لگا

"جج.... جی.... مم.... معافی چاہتا ہوں۔"

"کون تھا....؟"

"ڈائرکٹر ناگر....!"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"فلم ڈائرکٹر، میرا دوست ہے۔ ادھر شوٹنگ کی غرض سے آیا تھا۔ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر ٹھہرا لیا تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی حبشی بھی تھا ان کے ساتھ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور دو لڑکیاں بھی۔"

"جی نہیں صرف ایک تھی کنول۔"

"کسی مسافر کو بیوقوف بنایا گیا تھا؟" ڈاکٹر نارنگ نے پوچھا۔

"جی ہاں.... وہ کنول کی شرارت تھی.... میں منع کرتا رہا.... مگر؟"

"اُسے کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔" نارنگ نے پوچھا۔

"نشہ آور.... اوہ.... شاید وہ اسی لئے سو گیا تھا۔"

"صاف صاف بتاؤ۔"

"اُسے بیوقوف بنانے کا پروگرام کنول ہی نے بنایا تھا۔" منتظم نے کہا اور شروع سے آخیر تک پوری داستان دہرانے کے بعد بولا۔ "کنول اور حبشی کے علاوہ کوئی اور اُس کے سامنے نہیں گیا۔ پھر کنول نے اُسے کھانا کھلایا اور کھاتے ہی کھاتے وہ سو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کوئی نشہ آور چیز تھی۔ پھر ہم اُسے اسی کی کار میں ڈال کر سڑک پر چھوڑ آئے تھے۔"

"تم جانتے ہو کہ تم لوگوں نے کتنا بڑا جرم کیا ہے؟" نارنگ بولا۔ "اگر وہ سانپ اُسے کاٹ لیتا تو۔"

"جی.... دراصل اُس میں زہر نہیں تھا۔ ناگر اُسے کسی سین کی شوٹنگ کے لئے لایا تھا۔"

"لیکن کسی کو کوئی نشہ آور چیز کھلا دینا بھی جرم ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" منتظم گڑگڑایا۔

"لڑکیاں دو تھیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی نہیں ایک تھی۔"

"تمہاری بدولت مجھے ذلت نصیب ہوئی۔" ڈاکٹر نارنگ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وہ ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "آپ اسے لے جائیے اور جو کاروائی مناسب سمجھئے کیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" منتظم پھر گڑگڑانے لگا۔

"دوسری لڑکی کون تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے گرج کر پوچھا۔

"جج.... جی.... دوسری لڑکی.... مم.... ناگر کی محبوبہ تھی۔"

"تم نے اب تک اُسے چھپایا کیوں تھا۔"

"وہ.... نن.... ناگر....!"

"گھبراؤ نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نرم لہجے میں بولا۔ "میں نارنگ جی کی بدنامی کے خیال سے

تمہیں درمیان میں نہ لاؤں گا۔"

منتظم تھوڑی دیر تک سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر تھوک نگل کر بولا۔ "پہلے وہی لڑکی باہر آ
تھی پھر اُس نے اندر جا کر اُس مسافر کا تذکرہ کیا۔ ناگر اندر تھا اس نے جھانک کر باہر دیکھا اور کنو
سے تھوڑی دیر تک سرگوشیاں کرتا رہا۔ پھر اُس نے کنول کو باہر بھیج کر اس لڑکی کو ایک کمر
میں بند کر دیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ وہ مسافر دراصل ایک ایسا رئیس ہے جو اس کی محبو
پر ڈورے ڈالنے کی فکر کر رہا ہے.... وہ اُسے اچھی طرح بیوقوف بنا کر رخصت کرے گا۔ اس کے
بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس لڑکی کا تذکرہ کسی سے نہ کروں کیونکہ وہ اسے بعض
پروڈیوسروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"تمہیں اس لڑکی سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔"

"جی نہیں وہ بہت کم گفتگو کرتی تھی اور اس کی آنکھیں....!"

"ہاں ہاں کہو! گھبراؤ نہیں۔"

"اس کی آنکھوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بیداری میں بھی کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔"

"تم ناگر کو کب سے جانتے ہو۔"

"پچھلے ماہ اس سے شہر میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"یہاں پہلی بار آیا تھا۔"

"نہیں دوسری بار۔ اس سے پہلے بھی اس نے یہاں دو تین دن تک قیام کیا تھا۔ لیکن اس
وقت وہ اکیلا ہی تھا۔"

"اس کا پتہ۔"

"سولہ پرنس اسکوائر.... دولت گنج۔"

"سپرنٹنڈنٹ نے پتہ نوٹ کیا اور ڈی۔ آئی۔ جی نے ہاتھ کے اشارے سے گفتگو کا سلسلہ
کر دیا۔"

"جاؤ....!" ڈاکٹر نارنگ سیکریٹری کو گھورتا رہا۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "مجھے اس واقعے
افسوس ہے۔"

"اب بہتر یہی ہے کہ تم اپنا بستر گول کرو۔"

"حضور میں تباہ ہو جاؤں گا۔" منتظم گڑگڑایا۔

"تمہیں بیس منٹ کے اندر اندر کوٹھی چھوڑ دینی ہے۔" ڈاکٹر نارنگ نے خشک لہجے میں کہا
راٹھ کر باہر چلا گیا۔

منتظم اس کے عادت و اطوار سے اچھی طرح واقف تھا اور اس لہجے کو خوب سمجھتا تھا۔ چارو
چار اس نے اپنی ضروری چیزیں ایک سوٹ کیس میں بھریں اور باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر نارنگ مالتی کی
اڑیوں کے قریب آم کے درخت کے سائے میں کھڑا تھا۔ اس نے منتظم کو جاتے دیکھا اور منہ
یر لیا۔

سوٹ کیس وزنی تھا۔ کبھی وہ اُسے ہاتھ میں لٹکاتا اور کبھی کاندھے پر رکھ لیتا۔ ساتھ ہی
اتھ وہ یہ بھی سوچتا جا رہا تھا کہ کب تک اور کہاں تک اس طرح جائے گا۔

کچے راستے کے دوسرے موڑ تک پہنچتے پہنچتے اس کے دونوں ہاتھ شانوں سے علیحدہ ہوتے
علوم ہونے لگے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح وہ پختہ سڑک تک پہنچ ہی گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں
رہا تھا کہ کدھر جائے۔

دفعتاً سمت مخالف سے ایک کار آتی دکھائی دی۔ چونکہ ونڈ اسکرین سورج کے سامنے نہیں تھا
ں لئے کار ڈرائیو کرنے والے کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی
ر وہ ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "ناگر....!"

کار اس کے قریب آ کر رک گئی۔

"ہیلو راجن.... کہاں؟" کار ڈرائیو کرنے والے نے کہا۔

"ارے یار کیا بتاؤں.... شاید اس وقت پیدل ہی شہر جانا پڑتا۔"

"بھلا کیوں؟ چلو سوٹ کیس اندر رکھ دو۔"

راجن نے پچھلی سیٹ کی کھڑکی کھول کر سوٹ کیس رکھ دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ پچھلی
سیٹ پر ایک آدمی اور بھی تھا۔ اس نے مسکرا کر سوٹ کیس رکھوانے میں مدد دی۔ راجن کے لئے
صورت نئی تھی۔

"ادھر آ جاؤ۔" ناگر نے اگلی سیٹ کی کھڑکی کھولتے ہوئے کہا۔

راجن بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

"پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔" راجن ہانپتا ہوا بولا۔ "تمہاری ہی وجہ سے مجھے ملاز
سے ہاتھ دھونے پڑے۔ میں تمہیں منع کر رہا تھا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ آدمی درا
محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر تھا۔ یار سچ بتاؤ وہ لڑکی کون تھی۔"

ناگر ہنسنے لگا۔ "پرواہ مت کرو پیارے۔ میرا بہت بڑا.... کاروبار ہے۔"

"مگر.... میں نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ البتہ تمہارا پتہ بتاتے وقت مجھے ہوش
تھا.... اور میں نے صحیح پتہ نہیں بتایا۔"

"کسی بات کی فکر مت کرو۔" ناگر گردن جھٹک کر بولا۔

"سچ سچ بتاؤ، وہ لڑکی کون ہے۔"

"میری محبوبہ! میں اُسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کہیں سے بھگا کر لائے ہو۔"

"ہاں....!" ناگر نے کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

کار ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔

"ادھر کہاں؟" راجن نے پوچھا۔

"جلد پہنچیں گے کم از کم دس میل کا فرق پڑ جائے گا۔"

راستہ آٹھ دس فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ دونوں طرف سرکنڈوں کی اونچی اونچی اور
جھاڑیاں تھیں۔

"اور کیا پوچھا تھا پولیس والوں نے۔"

"اور تو کچھ بھی نہیں لیکن حیرت ہے کہ انہوں نے مجھے اس خیال سے گرفتار نہیں کیا
اس میں ڈاکٹر نارنگ کی بدنامی تھی اور ڈاکٹر نارنگ نے مجھے اس طرح نکال دیا۔"

"فی الحال تم شہر میں کہاں جاتے۔" ناگر نے پوچھا۔ "کیا کوئی تمہارا دوست یا عزیز وہاں ہے۔"

"کوئی نہیں! میں تمہارے ہی پاس جاتا اور پھر کوئی اور انتظام کرتا۔"

ناگر نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر راجن بولا۔

"یار وہ کنول بڑی تیز لڑکی ہے۔"

"کیوں.... کہیں عاشق تو نہیں ہو گئے اس پر۔" ناگر نے بھدا سا قہقہہ لگایا۔

"پتہ نہیں کیوں وہ میرے ذہن پر بُری طرح چھا گئی ہے۔"

"تو پھر عشق اور کسے کہتے ہیں۔"

"عشق بہت اونچی چیز ہے۔" راجن سنجیدگی سے بولا۔

دفعتاً راجن کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن پکڑ لی۔ راجن
نے تڑپ کر پلٹنا چاہا لیکن دوسرے لمحے میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا.... اور کار رک گئی۔
کار کے اندر شدید قسم کی جدوجہد ہو رہی تھی۔ ناگر نے دوسرا گھونسہ مارا اور راجن کی نکسیر ٹوٹ
گئی لیکن وہ بھی کمزور نہیں تھا۔ اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا دیئے
ناگر نے پھر ہاتھ اٹھایا لیکن اس بار اسی کا جبڑہ راجن کے ہاتھوں بیکار ہو گیا۔

راجن کار سے نیچے کود گیا۔ وہ دونوں بھی اس کی طرف جھپٹے لیکن شاید راجن لڑنے کے
لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بے تحاشہ ایک طرف دوڑنے لگا.... وہ دونوں اس کا تعاقب کر رہے تھے۔
دفعتاً داہنی طرف کی جھاڑیوں سے ایک فائر ہوا۔ راجن نے بھاگتے بھاگتے چیخ کر ایک جست لگائی
اور گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی کنپٹی سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا۔

تعاقب کرنے والے رک کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر دونوں اس طرف جھپٹے
جدھر سے فائر ہوا تھا۔ جھاڑیاں سنسان پڑی تھیں۔ البتہ ان میں بارود کی ہلکی سی بو پھیلی ہوئی
تھی۔ دونوں چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتے رہے پھر راجن کی طرف لوٹ آئے جو ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

انہوں نے کار کا پچھلا حصہ کھول کر پٹرول کے تین کنستر نکالے اور انہیں لاش پر خالی کرنے لگے۔

"نہ جانے کون تھا؟" ناگر کے ساتھ والے نے کہا۔

"مسٹر کیو (Q) کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"مسٹر کیو!" دوسرا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "آخر یہ مسٹر کیو ہے کون؟"

"کام کرو کام۔" ناگر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "کہیں تمہاری کھوپڑی میں بھی چھٹانک بھر
سیسہ نہ اُتر جائے۔"

"یار میں تنگ آ گیا ہوں.... اس کام سے۔" دوسرا بولا۔

"معلوم ہوتا ہے.... سچ سچ.... موت منڈلا رہی ہے تمہارے سر پر۔"

پٹرول ڈال دینے کے بعد وہ لاش سے دور ہٹ گئے۔ پھر ناگر نے ایک دیا سلائی سلگا کر لاش

کی طرف اچھال دی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہاں آگ ہی آگ تھی۔ واپسی پر انہیں کار میں ا
پرچہ ملا جس پر تحریر تھا "اپنے کام سے کام رکھو! اور حکم کی تعمیل کرو! مسٹر کیو کے متعلق کچھ
موت کو دعوت دینا ہے۔"

حمید پاگل خانے میں

سرجنٹ حمید نے چیتھڑے لگا رکھے تھے۔ آنکھوں میں وحشت تھی اور شیو بڑھا ہوا تھا۔ با
بے ترتیب تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان میں برسوں سے تیل نہ پڑا ہو۔ سر میں خس و خاشا
اور گرد و غبار کا عالم یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ سچ مچ پاگل ہو۔ چہرے پر متعدد چھوٹے چھوٹے زخم
جن پر کھرنڈ جمنے لگی تھی۔ اس کے شناساؤں میں سے اگر کوئی اُسے اس حال میں دیکھ لیتا تو ہرگز
پہچان سکتا۔

وہ تین دن سے اس توقع پر شہر بھر میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ اُسے پا
خانے بھجوادے۔ لیکن وہ ابھی تک تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں ا
نے متعدد شرارتیں کی تھیں مگر لوگوں نے اسے پاگل خانے بھجوادینے کی بجائے اس کی حرکتو
میں خاصی دلچسپی لی۔ عموماً اس کے پیچھے ہر وقت چھوٹے چھوٹے بچوں کی خاصی بھیڑ ہوا کرتی تھ
اس نے فریدی سے کہا کہ اس دردسری سے کیا فائدہ، براہِ راست اسے پاگل خانے میں
دیا جائے۔ لیکن فریدی نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ فریدی کا کہنا تھا کہ مجرم بہت منظم معلو
ہوتے ہیں۔ ذرا سی غلطی پوری اسکیم پر پانی پھیر سکتی ہے۔

جس دن سے ان دونوں پر حملہ ہوا تھا فریدی بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ خود روپوشی اخ
کر کے اسی نے ڈی۔ آئی۔ جی سے استدعا کی تھی کہ وہ ڈاکٹر نارنگ سے مل کر حمید والے معاملے
تحقیق کرے.... اور یہ معاملہ تو اب کافی روشنی میں آچکا تھا کہ وہ لڑکی جو حمید کو اس عمارت
پہلے نظر آئی تھی کرنل فرید کی روپوش بہن نادرہ ہی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ڈاکٹر نارنگ کے
سے جو پتہ حاصل کیا تھا وہ سرے ہی سے بیکار ثابت ہوا۔ اس عمارت میں ناگر نام کا کوئی آدمی
رہتا تھا اور فلمی دنیا میں بھی کوئی اس نام سے واقف نہیں تھا۔ نہ کنول نامی کسی ایکٹریس ہی کا سر

ل سکا اور اس خبر نے تو ڈی۔ آئی۔ جی کی رہی سہی امیدوں پر پانی ہی پھیر دیا کہ ڈاکٹر نارنگ نے
پنے منیجر کو اسی دن برطرف کر دیا تھا۔ بہرحال اب راجن کی بھی تلاش جاری تھی۔

ان دو تین دنوں کے دوران میں حمید کو بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے وہ سچ مچ
پاگل ہو گیا ہو۔ وہ قریب قریب ہر وقت دعا مانگا کرتا تھا کہ اے پاک پروردگار اپنی پہلی فرصت
میں پاگل خانے بھجوادے۔ ورنہ یہ پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے ہوئے چلنے والے شریر بچے مجھے سچ مچ
پاگل بنا دیں گے۔ اپنی اسکیم کامیاب ہوتے نہ دیکھ کر اس نے کئی بار سوچا کہ اب عورتوں کو بھی
چھیڑنا شروع کردے لیکن پھر خیال آیا کہ عورتوں کو چھیڑنے والے کو کسی طرح معاف نہیں کیا
جاتا خواہ پاگل آدمی ہو خواہ پاگل کتا۔ بعض اوقات تو لوگ ایسے پاگل کتے کو بھی مار مار کر آدمی
بنا لیتے ہیں۔

آج صبح ہی سے وہ ادھر اُدھر اچھل کود مچاتا پھر رہا تھا۔ کسی کو مسکرا کر آنکھ مارتا، کسی کو منہ
چڑھایا اور کسی کو چونچ دکھاتا۔ صبح ہی صبح اس نے سب سے پہلی شرارت یہ کی تھی کہ ایک چوراہے
کے گول چبوترے پر جا چڑھا تھا۔ ٹریفک کا سپاہی موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے اس کے فرائض
انجام دینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ وہ ناچ ناچ کر گذرتی ہوئی کاروں کو گذرنے اور رکنے کے
اشارے کرتا۔ ڈرائیور ہنس ہنس کر اُسے گھونسہ دکھاتے اور گذر جاتے۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہی کرتا رہا۔ پھر ڈیوٹی والا ٹریفک کانسٹیبل آگیا اور اُس نے بدقت
تمام اُسے چبوترے سے ہٹایا لیکن وہ بھی اسے پاگل خانے بھجوادینے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ حمید
دل ہی دل میں اُسے گالیاں دے کر وہاں سے ہٹ گیا۔

لیکن آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ پاگل خانے ضرور جائے گا۔

بڑے چوک میں پہنچ کر سچ مچ اُسے اپنی قسمت جاگتی معلوم ہونے لگی۔ اس نے ڈسٹرکٹ
مجسٹریٹ کو دیکھا جو اپنی کار سے اُتر کر فٹ پاتھ پر چڑھ رہا تھا۔ حمید نے سوچا کہ یہ آخری موقعہ
ہے۔ اگر یہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مرتے دم تک پاگل خانے کا دیدار نصیب نہیں ہوگا۔

"ہائے جانی سنو تو سہی۔" حمید ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پیچھے لپکتا ہوا بولا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چلتا رہا۔

"او نیلی ہیٹ.... پلٹ میری جان.... ہائے رکو جانی.... نیلی ہیٹ.... نیلی ہیٹ۔"

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پلٹ پڑا۔

حمید نے سینے پر ہاتھ مارا اور اُسے آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"مری جان.... اب تو رحم کرو، عاشق دلگیر پر۔"

پتہ نہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دل پر کیا گذر رہی تھی۔ البتہ اس کے ڈرائیور نے جھپ
کر حمید کی گردن پکڑلی اور حمید اس سے لپٹ پڑا۔

اس طرح اُسے پاگل خانے پہنچنے کا موقع نصیب ہو گیا۔

پاگل خانے کے پھاٹک کے قریب ہی اندر کی جانب ڈسپنسری تھی جس کے آگے ٹ
کا سائبان پڑا ہوا تھا۔ حمید نے بے شمار آدمی دیکھے جو انتہائی سنجیدگی سے کسی نہ کسی کام میں مشغو
تھے۔ کوئی پھولوں کی کیاریوں میں پانی دے رہا تھا۔ کوئی مہندی کی باڑھ کتر رہا تھا۔ کوئی رسی بٹ
تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ پاگل تو کسی طرح نہیں ہو سکتے۔

اُسے ڈسپنسری والے سائبان کے نیچے ایک بنچ پر بٹھا دیا گیا۔ اچانک ایک صاحب جو کافی
تڑنگے تھے اُس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ
تھا کہ وہ خود بھی تو پاگل ہے۔ اگر کسی سے ہاتھاپائی کی نوبت آگئی تو اسے تکلیف نہ کرنا پڑے گی۔

وہ صاحب تھوڑی دیر تک حم کو گھورتے رہے پھر انہوں نے کولہے ہلانا شروع کر دیئے۔

"ابے.... ابے.... یہ کیا کر ہا ہے۔" سائبان کے نیچے سے کسی نے للکارا۔

"بھائی کے سامنے دم ہلا رہا ہوں۔" اُن صاحب نے آنکھوں سے حمید کی طرف اشا
کر کے کہا۔

وہ دوسرا آدمی بھی چبوترے پر چڑھ آیا۔ اس کے چہرے پر لمبی سی ڈاڑھی لہرا رہی تھی ا
آنکھوں میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

"دُم....!" اُس نے اپنی ڈاڑھی پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح ہلائی جاتی ہے.... ا
تک تمہارا دماغ صحیح نہیں ہوا۔"

پھر اُن میں سے ایک ڈاڑھی ہلاتا رہا اور دوسرا کولہے مٹکاتا رہا۔

حمید نے اٹھ کر ناچنا شروع کر دیا۔ عافیت اسی میں نظر آئی۔ آخر وہ بھی پاگل ہی تو تھا۔

جو لوگ ادھر اُدھر کاموں میں مشغول تھے وہ بھی ایک ایک کر کے اکٹھا ہونے لگے۔ بڑ

شکل سے پاگل خانے کے منتظموں نے اس ہنگامے کو فرو کیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید کا طبی معائنہ شروع ہوا جو اتنی جلدی اور لاپروائی سے ختم کر دیا گیا کہ
ید کو حیرت ہونے لگی۔

بہر حال ڈاکٹر نے رپورٹ میں لکھا کہ وہ ایسا پاگل نہیں تھا جسے کہیں الگ باندھ کر رکھا
ہائے۔ حمید کے چیتھڑے اُتروا کر پاگل خانے کا لباس پہنایا گیا جو ایک جانگھیا ایک شلوکے اور ایک
روضع سی ٹوپی پر مشتمل تھا۔

اُسے باغ میں نئی کیاریاں کھودنے اور کھاد ڈالنے پر لگا دیا گیا۔

حمید کی نظریں اُسے ڈھونڈ رہی تھیں جس کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔

اس کے ساتھ اور بھی کئی آدمی اُسی کام پر لگے ہوئے تھے۔ وہ انہیں بار بار گھورنے لگتا تھا کہ
آخر انہیں پاگل کیسے سمجھ لیا جائے۔ وہ سب نہایت سنجیدگی اور خاموشی سے اپنے کاموں میں
مصروف تھے۔

دفعتاً باغ کے باہر اس جگہ شور سنائی دیا جہاں کچھ پاگل رسیاں بٹ رہے تھے۔ حمید اچھل کر
کھڑا ہو گیا۔ ایک پاگل ایک درخت کے تنے سے چمٹا ہوا چیخ رہا تھا۔ "مار ڈالوں گا.... سالے
لو.... وحشت تیری کی....!"

وہ اپنا سینہ تنے سے ٹکائے زور کر رہا تھا۔ پاگل خانے کے دو محافظ اُس کی طرف جھپٹے۔ پہلے
تو انہوں نے اُسے ہٹانے کی کوشش کی لیکن جب کامیاب نہ ہوئے تو اس پر کوڑے برسانے
شروع کر دیئے۔ مگر وہ درخت سے لپٹا ہی رہا اور پھر کچھ دیر بعد بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ڈسپنسری سے
اسٹریچر آیا اور اسے اس پر ڈال کر مریضوں کے وارڈ میں پہنچا دیا گیا۔ حمید کے ساتھی خاموشی سے
پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک بولا۔

"اس کے لاشعور میں بچپن ہی سے ظالمانہ رجحانات پرورش پاتے رہے ہیں۔"

حمید بوکھلا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ پچاس بچپن سال کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا۔ چہرے
پر گھنی اور بڑی ڈاڑھی تھی۔ پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی۔ آنکھیں غمناک اور دھندلی تھیں ناک
کے جوڑ پر نظر آنے والا نشان ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اب سے پہلے کبھی چشمہ لگاتا رہا ہوگا۔

"لاشعور حیوانی جبلتوں کا گہوارہ ہے۔" اس نے ایک پاگل کو مخاطب کر کے کہا۔ "سمجھتے ہو؟"

پاگل نے نفی میں سر ہلا دیا اور پہلے پاگل نے کہا۔ "ایک قسم کا منطقی شعور سمجھ لو۔ اعتراض بھی کہہ سکتے ہو۔ منطقی شعور دراصل حیوانی جبلتوں کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ مگر تم اسے کیا سمجھو گے۔ خیر اسے یوں سمجھو میں اس وقت ناچنا چاہتا ہوں لیکن مجھے نہ ناچنا چاہئے۔ منطقی شعور کہتا ہے کہ تم یونیورسٹی کے پروفیسر ہو۔ تمہیں ہرگز نہ ناچنا چاہئے.... لیکن میں ناچ شروع کر دیتا ہوں۔"

اس نے سچ مچ گا گا کر ناچنا شروع کر دیا۔

سیاں نے انگلی مروڑی رے.... رام کسم شرما گئی میں۔

وہ ٹھمک ٹھمک کر اپنی انگلی مروڑتا اور شرماتا رہا اور ساتھ ہی گھنی ڈاڑھی میں فاحشہ عورتوں کی طرح مسکرانے کی کوشش بھی کرتا جا رہا تھا۔

"شٹ اپ۔" ایک محافظ کا کوڑا اس کی پیٹھ پر پڑا اور وہ تلملا کر دوہرا ہو گیا۔ جب محافظ چلا گیا تو اس نے گھٹنوں میں منہ دیکر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ پاگل بھی غیر شعوری طور پر جابر قوتوں سے خائف رہتے ہیں ورنہ محافظ بس اس کے ایک ہی تھپڑ کافی ہوتا۔ وہ حقیقتاً کوئی پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا کچھ تعجب نہیں کہ اس کا پروفیسر والا حوالہ درست ہی رہا ہو۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد مختلف حصوں سے شور اٹھتا پھر "شٹ اپ شٹ اپ" کی آوازیں آتیں اور سکوت طاری ہو جاتا۔

شام ہو گئی لیکن وہ نہ ملا جس کی حمید کو تلاش تھی۔ پانچ کے گھنٹے کے ساتھ ہی کام رکوا دیا گیا تھا۔ لیکن اب بھی بعض ایسے تھے جو کام ہی سے چمٹے رہنا چاہتے تھے اور انہیں کام سے الگ کرنے کے لئے بھی محافظ کو کوڑے پھٹکارنے پڑتے اور پھر جب وہ سب اپنی بارکوں کی طرف لوٹ رہے تھے تو ایک پاگل نے حمید کے قریب آکر آہستہ سے کہا۔

"کل تک میرا گھونسلہ مکمل ہو جائے گا اور پھر میں اڑ کر اس میں جا چھپوں گا.... انڈے دوں گا۔ بچے نکالوں گا.... چوں.... چوں.... چر چر چر چر....!"

پھر وہ راستے بھر چوں چوں چر چر کرتا گیا۔

بارکوں کے قریب پہنچ کر حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کسی نے اسے ت کے قیام کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہاں مختلف قسم کی عمارتیں تھیں۔ بعض عمارتوں میں ں کوٹھریاں تھیں جن میں لوہے کی سلاخوں والے دروازے تھے۔ ان میں غالباً خطرناک قسم ے پاگل رکھے جاتے ہوں گے۔ ایک بہت بڑا ٹین کا شیڈ بھی تھا۔ جس کے نیچے بے شمار پلنگ تھے ن پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اسے بھی پاگل پن کی کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرنی چاہئے لیکن پھر ظوں کے کوڑے کا خیال کر کے اس کی روح لرز گئی۔

دفعتاً اسے قریب ہی کہیں بھینس کے ڈکرانے کی آواز سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک ں نیم کے درخت سے پیٹھ رگڑ رگڑ کر بھینسوں کی سی آوازیں نکال رہا تھا۔ حمید چونک پڑا۔ انکہ اس کا چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن خدوخال وہی تھے، وہی آنکھیں.... یہ جد ہی تھا۔ حمید نے فریدی کے فائل میں گھنٹوں اس کی تصویر دیکھ کر اس کے خدوخال کو ذہن ن کرنے کی کوشش کی تھی۔

جیسے ہی حمید اس کے قریب پہنچا اس نے جھپٹ کر اس کے سینے میں سر اڑا دیا اور پیچھے کی ف ریلنے لگا۔ حمید نے قدم جما دیئے تھے۔ اس نے اس کا سر اپنے بازوؤں میں جکڑ کر آہستہ سے ۔ "بیٹے.... بیٹے ساجد.... تم پاگل نہیں ہو۔"

ساجد تڑپ کر اُس کے بازوؤں سے نکل گیا۔ وہ اُسے حیرت اور خوف کے ملے جلے انداز ، گھور رہا تھا۔

کرنل کی اڑنے والی رائفل نے وزیر خزانہ کا خون کر دیا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ئے کہا۔ "نادرہ ابھی تک غائب ہے۔ اب تمہیں بولنا ہی پڑے گا اور اگر نہیں بولو گے تو بہت ت طریقے اختیار کئے جائیں گے۔"

"تم کون ہو۔" ساجد خوفزدہ آواز میں بولا۔

"میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن تمہیں بولنا ہی پڑے گا۔"

"میں کچھ نہیں.... جج.... جانتا.... میں پپاگل....!"

"ہونہہ پاگل!.... پاگل تو میں بھی ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہاں

میڈیکل ٹسٹ قاعدے سے ہوتا ہی نہیں۔ محض پچھلی ہسٹری دیکھ کر پاگل پن کی قسم کا تعیّ
کر کے نمبر لگا دیئے جاتے ہیں۔ چلو بیٹے الّو جلدی اس قسم کی حرامخوری ہر محکمے میں ہو رہی ہے

"میرا.... شائد.... میرا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔" ساجد آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تو کیا تم نے ہی کرنل کو قتل کیا تھا۔"

"نہیں! ہرگز نہیں۔"

"پھر تمہاری موت کیوں قریب آ گئی ہے۔"

"مار ڈالو.... مار ڈالو.... لیکن مار ڈالنے سے پہلے کسی بلی کی طرح مجھے چوہا سمجھ کر
مت۔" ساجد نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"جب تم مجرم نہیں ہو تو تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہلاؤ نہیں مجھے۔" ساجد کانپتا ہوا بولا۔ "مارنا ہے تو مار ہی ڈالو.... اب تو تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں پاگل نہیں ہوں۔"

حمید اس کے ایک ایک لفظ پر غور کر رہا تھا۔ اس طرح اچانک جھپٹ بیٹھنے کا اس پر جو رد
ہوا تھا وہ بھی اس کے پیش نظر تھا۔

"تم خواہ مخواہ ڈر رہے ہو۔" حمید اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا اور وہ چیخ کر پیچھے ہٹ گ

"میرا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔" حمید پھر بولا۔

ساجد کسی خوفزدہ شکاری کی طرح دبک رہا تھا۔

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یہاں سے نکال کر پولیس والوں کے سپرد کر دیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں.... نہیں!" ساجد مضطربانہ انداز میں بولا اور تھوڑی دیر تک اسے غور سے د
کے بعد کہنے لگا۔

"تو تم مسٹر کیو کے آدمیوں میں سے نہیں ہو۔"

"مسٹر کیو؟" حمید حیرت سے بولا۔ "یہ کون بلا ہے۔"

"مجھے بچاؤ۔" ساجد بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ڈرو نہیں!" حمید نرم لہجے میں بولا۔ "یہ مسٹر کیو کون ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم نے پھر وہی ضد شروع کر دی۔"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ہی کسی کو اُس کے متعلق کچھ معلوم ہو۔ بہر حال مجرموں کا ایک جمِ غفیر اس کا تابع فرمان ہے۔"

"اور تم بھی انہیں میں سے ایک ہو۔"

"مم.... میں۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم سرکاری گواہ بنا کر چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"

"میں یہیں بہتر ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "شاید مسٹر کیو مجھے بیچ عدالت میں بھی زندہ نہ چھوڑے۔"

"اوہ....! تو کیا وہ ایسا ہی خطرناک آدمی ہے۔"

ساجد صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"وہ ہزاروں آدمیوں کا شہنشاہ ہے۔" ساجد تھوڑی دیر بعد بولا "لیکن ان میں سے شاید ہی
ی کو معلوم ہو کہ ایک کا دوسرے سے کیا تعلق ہے۔"

"ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں سمجھ گیا! تم کس طرح اس کے چکر میں پھنسے تھے۔"

ساجد نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں دراصل! مجھ سے ایک بار ایک جرم سرزد ہو گیا تھا جس کے متعلق میں یہ سمجھتا تھا کہ
س پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے گا۔"

"چلو میں تم سے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"لیکن....!" ساجد بولتا رہا۔ "مسٹر کیو کو اس کا علم تھا۔ اس نے مجھے بلیک میل کیا۔ مجھے اس کی طرف سے ایک خط ملا جس میں اُس جرم کی تفصیل درج تھی اور مجھے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر میں نے مسٹر کیو کی ہر خواہش کے آگے سر نہ جھکا دیا تو اس کی اطلاع پولیس کو دے دی جائے گی۔"

"تو تم نے اسے کس طرح مطلع کیا تھا کہ تمہیں منظور ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ٹیلی فون کے ذریعے! اس نے مجھے نمبر لکھا تھا.... کہ اگر مجھے منظور ہو تو اس نمبر پر فون کر دوں۔"

"نمبر یاد ہے؟" حمید نے کہا۔

"ہاں.... تھری زیرو۔"

"تھری زیرو!" حمید حیرت سے بولا۔ "یہ تو ٹیلی فون ایکسچینج کا نمبر ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... لیکن نمبر یہی تھا۔" ساجد بولا۔

"پھر....؟"

"پھر اس نے مجھے دوسرے خط کے ذریعہ کرنل فرید کے یہاں سیکریٹری کی جگہ کرنے کی کوشش کا حکم دیا۔"

"اسی رائفل کے لئے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن کرنل فرید بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے مجھے اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی اور دوسری حیرت انگیز بات یہ کہ کرنل فرید بھی مسٹر کیو کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے قتل سے تین چار دن قبل مجھے اس کا علم ہوا تھا۔ اتفاق سے میرے ہاتھ دو تین ایسے خطوط لگ گئے جو مسٹر کیو نے اسے لکھے تھے۔ بہر حال مسٹر کیو کو بھی اس پر اعتماد نہیں تھا اُس نے مجھے اس کے پیچھے لگادیا تھا۔ جس رات اس کا قتل ہونے والا تھا مجھے مسٹر کیو کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ میں رات کرنل فرید کے گھر پر نہ رہوں۔ مسٹر کیو کا وجود مجھے عرصہ سے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں اس کا سراغ لگاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس نے یہ حکم کیوں دیا ہے میں کرنل کے مکان ہی میں چھپا رہا اور تقریباً بارہ بجے رات کو کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں بیہوش ہو گیا۔ دوسری صبح میں نے خود کو ایک کمرے میں مقفل پایا اور باہر پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ان میں سے کچھ قتل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں بُری طرح گھبرا گیا۔ پولیس والوں سے زیادہ مسٹر کیو کا خوف دامنگیر تھا۔ لہٰذا فوری طور پر اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوجھا کہ پاگل بن جاؤں۔"

ساجد خاموش ہو گیا۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آخر وہ لوگ اس کی بہن کو کیوں لے گئے۔"

"وہ اس رائفل کے متعلق سب کچھ جانتی تھی۔ شائد استعمال کا طریقہ بھی اسے معلوم

تھا۔" ساجد نے کہا۔

"کیا وہ لڑکی بہت کم سخن تھی۔"

"بہت زیادہ۔" ساجد نے کہا۔

"اس کی چال کیسی تھی؟"

"چال ہی تو سب کچھ تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی چال نہیں دیکھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زمین سے کچھ اوپر تیر رہی ہو۔"

"مسٹر کیو! یا اس کے ساتھیوں کے متعلق اور بھی کچھ جانتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں! بتایا نا کہ میں تقریباً چھ ماہ تک کرنل کے ساتھ رہا لیکن مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ بھی مسٹر کیو ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ شاید اسے بھی میرے متعلق علم نہ رہا ہو۔"

"لیکن تمہیں اس کے یہاں ملازمت کس طرح مل گئی۔"

"مسٹر کیو کے خوف نے دلائی تھی وہ ملازمت۔ ظاہر ہے کہ اگر میں وہ ملازمت حاصل نہ کر سکتا تو میرا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ جس کی دھمکی مسٹر کیو پہلے ہی دے چکا تھا۔ لہٰذا میں نے سر توڑ کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں مسٹر کیو ہی نے کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہو۔"

"لیکن! تم کہہ چکے ہو کہ کرنل نے تم پر رائفل کا راز کبھی نہ ظاہر ہونے دیا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ تمہاری حقیقت سے واقف تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ قطعی واقف نہیں تھا۔" ساجد بولا۔

"بہر حال اُس رائفل نے ایک بہت بڑے آدمی کی جان لے لی۔ خیر اب تم کیا کہتے ہو۔ یہیں رہنا چاہتے ہو یا کوئی اور انتظام کیا جائے۔"

"نہیں میں یہیں بہتر ہوں۔" اس نے کہا اور ایک طرف چلا گیا۔ حمید دیر تک کھڑا اندھیرے میں گھورتا رہا۔

رنگ اور بھنگ

دوسری صبح سرجنٹ حمید بہت مضمحل تھا۔ پاگلوں کے خوف سے اُسے رات بھر ٹھیک سے

نیند نہیں آئی تھی اور ویسے بھی سوتا ہی کہاں۔ اس کیلئے خاص طور پر کوئی انتظام نہیں کیا گ
پورے پاگل خانے میں بد نظمی ہی بد نظمی نظر آتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہاں کے لا
دماغوں میں بھی فتور ہے۔ اُسے رات بھر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا رہنا پڑا تو
صبح ہوتے ہی وہ پاگل پھر بارکوں اور سائبانوں سے جانوروں کی طرح ہانک دیئے گئے
انسانی مشینیں پھر چل پڑیں۔ ان کی آنکھیں ویران تھیں اور چہرے ہر قسم کے جذبات سے
عاری۔ صرف ان کے جسم حرکت کر رہے تھے۔ جب کبھی اُن میں سے کسی کے ذہن کی رو ب
اس پر کوڑے برسنے لگتے اور جب وہ درد سے بے تاب ہو کر چیختا تب بھی اس کے چہرے پر
کے احساس کے آثار نہ ہوتے۔ آنکھیں بدستور ویران اور کھوئی کھوئی ہوتیں۔ بس یہ معلو
جیسے یہ آواز کسی مشین ہی سے نکلی ہو۔

حمید پھر اپنے پچھلے ہی دن والے کام میں آلگا۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ پچھلی
بھی اُسے بھوکا ہی رہنا پڑا تھا۔ کیونکہ ابلی ہوئی پتلی اور بدبودار دال باجرے کی سخت روٹیو
ساتھ حلق سے نہ اتاری گئی تھی۔ بہرحال اب اُسے خوف تھا کہ کہیں اس بھوک کی حالت
محافظوں کے کوڑے نہ کھانے پڑیں۔ آج اسے ان لوگوں میں ساجد بھی دکھائی دیا جو ایک ن
درخت کے نیچے چٹائی بن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے اور آنکھوں سے
جھانک رہا تھا۔ وہ تقریباً دو گھنٹے سے سر جھکائے بیٹھا چٹائیاں بن رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی کسی خوفزد
کی طرح سر اٹھا کر اپنی پشت کی طرف دیکھنے لگتا اس کے قریب ہی کچھ اور بھی تھے۔ وہ بھی ا
طرح خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً حمید نے ایک چیخ سنی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ساجد اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک
پر ٹوٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ محافظ اس کی طرف دوڑتے اس کا سر کئی بار نیم کے تنے سے ٹکر
ساتھ ہی اس کے منہ سے کسی بگڑے ہوئے کتے کی سی غراہٹ بھی نکل رہی تھی۔ دو محافظ
بھی بُری طرح بھنبھوڑ ڈالا۔ کئی محافظ اور آ گئے انہوں نے اسے رسیوں سے جکڑ کر ان بارکو
طرف روانہ کر دیا جہاں خطرناک قسم کے پاگل رکھے جاتے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اب سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔ یا پھر یہ مسٹر کیو سے محفوظ رہنے
لئے دوسری حکمت عملی تھی۔ ظاہر ہے کہ اب اسے ایک الگ کمرے میں بند کر دیا جائے گا او

تک باہر نہ نکالا جائے گا جب تک ڈاکٹروں کو یقین نہ ہو جائے کہ وہ اب کسی پر حملہ نہیں
ے گا۔

ہنگامہ فرو ہونے کے ایک گھنٹے بعد ایک محافظ حمید کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ نیچے جھک کر
ے کی پشت پر پڑے ہوئے نمبر دیکھے اور حمید سے اٹھنے کو کہا۔

"پ.... پیاؤں۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بے۔" اُس نے حمید کی گردن پکڑ کر دھکا دیا۔ حمید چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگا۔
ڈسپنسری کے سائبان کے نیچے ایک آدمی کھڑا ڈاکٹر سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف
ر مسکرایا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ سوچنے لگا کہ کمال کا
بدلا ہے ظالم نے.... مسٹر کیو کیا مسٹر کیو کا باپ بھی اسے نہیں پہچان سکتا۔ فریدی نے اس
پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسے پاگل خانے سے نکال لائے گا۔ حمید نے دل ہی
ل قہقہہ لگایا اور سوچنے لگا۔ آج پھنسے ہو دوست۔ مری جان۔ فریدی صاحب۔ اب کم از کم
نئے پریشان کئے بغیر نہ مانوں گا۔

"آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔" وہ ڈاکٹر صاحب سے دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ میرا سگا بھائی ہے اور میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ بڑی مشکل سے ڈسٹرکٹ
یٹ صاحب اس پر راضی ہوئے ہیں۔" پھر وہ حمید کی طرف مڑ کر بڑے پیار سے بولا۔

"بومیاں۔"

"بھائی جان۔" بومیاں سلمہ جھپٹ کر اُس سے لپٹ گئے اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

حمید نے دل میں سوچا کہ غضب کا ایکٹر ہے۔ اس گھبراہٹ میں کتنا بے ساختہ پن تھا۔ یہ
ہٹ کتنی قدرتی تھی۔ اگر سگا بھائی بھی پاگل ہو جائے تو لوگ غیر شعوری طور پر اس سے
ے ہی رہتے ہیں۔

"مانتا ہوں استاد۔" حمید نے دل میں کہا۔ "مگر میں تمہیں تنگ ضرور کروں گا۔"

وہ اپنے ساتھ کپڑے بھی لایا تھا۔ سفید کرتا اور پاجامہ۔ پاگل خانے کے کپڑے اتروالئے گئے۔
پاگل خانے کے باہر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ حمید اچھل کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار چل
ا۔ حمید اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر پھیر کر اُسے چمکار رہا تھا۔ راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ حمید

سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی اس کی افتادِ طبع کی بناء پر خاموش ہے۔ سوچتا ہوگا کہ اگر میں نے
میں پہل کی تو حمید نچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ خیر صاحب دیکھنا ہے کہ یہ خاموشی کتنی دیر
رہتی ہے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ وہ ان تکالیف کا گن گن کر بدلہ لے گا جو اُسے پاگل خانے میں
پڑیں تھیں وہ اونگھتا اور سوچتا رہا.... ڈیڑھ دن کی تھکن اور پچھلی رات کی بیداری کے اثرات
کے ذہن پر حاوی ہوتے گئے اور وہ سیٹ کی پشت سے لگ کر خراٹے لینے لگا۔

پھر اسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب اسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا۔

کار ایک عالی شان عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ کار سے اُتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا
کچھ بولنے ہی والا تھا کہ اپنی شرارت والی اسکیم کا خیال آ گیا۔

"غررر.... غررر.... غرچ....!" اس نے حلق سے آواز نکالی اور اپنی دانست میں
کے ساتھ گھسٹنے لگا جو اس کا ہاتھ تھامے اندر کھینچے لئے جا رہا تھا۔

متعدد راہداری کے چکر کاٹنے کے بعد وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے اور پھر حمید کی ر
مچ فنا ہو گئی۔ کمرے کے وسط میں وہی حبشی طالوت کھڑا تھا۔ جسے اُس نے اپنی الف لیلیٰ والی ر
ڈاکٹر نارنگ کے بنگلے میں دیکھا تھا۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ لیکن.... وہ سوچ رہا تھا کتنی زبر
غلطی ہوئی اب اسے سچ مچ فریدی پر غصہ آنے لگا تھا۔ اگر اس نے یقینی طور پر کوئی ڈھنگ کا
بتادی ہوتی تو وہ مجرموں کے ہاتھ میں کیوں پڑتا.... مگر.... خیر.... اس نے شروع
کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس کی بناء پر اُسے پاگل نہ سمجھا جاتا۔ اس نے مذاق ہی مذاق میں
تک اپنا پاگل پن برقرار رکھا تھا اور یہاں سے نکل بھاگنے کا بس ایک یہی حربہ رہ گیا تھا۔ حمید
دل و دماغ کو متوقع اور غیر متوقع ہر قسم کے حادثات کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت ارادی
تحت منظم کرنے لگا۔ حمید کے ساتھی نے اسے طالوت کی طرف دھکیل دیا۔ طالوت اپنے
چوڑے بازو پھیلائے آگے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ حمید نے اُس کے جسم سے ٹکراتے ہی
میں ہاتھ ڈال کر دو عدد بوسے اس کے رخساروں پر رسید کر دیئے۔

طالوت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ حمید چاروں خانے چت ز
گرا۔ طالوت حیرت سے آنکھیں پھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید پھر اٹھ کر اس کی طرف ج
طالوت نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کی طرف تان دیئے۔ حبشی بڑا قد آور تھا۔ حمید شاید اس

ں سے بھی نچا رہا ہو۔ طالوت اُسے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا اور حمید اس لئے بار بار اچھل
ہ شاید دو چار بوسے اور نصیب ہو جائیں۔ ویسے اسکے منہ کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔
وہ شخص جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر اچانک وہ سنجیدہ ہو کر
ی میں غرایا۔ "یہ بنا ہوا پاگل ہے۔ تمہیں اسے راہِ راست پر لانا ہے۔"

"نہیں.... نہیں....!" حبشی غلط سلط انگریزی میں چیخا۔ "یہ سچا پاگل ہے۔"

"بکو نہیں! اسے ٹھیک کرو۔"

"کیوں.... تم جھوٹے پاگل ہو۔" حبشی نے کھسیانے انداز میں پوچھا۔

"بھوں.... بھوں۔" حمید کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ حبشی کا منہ چوم لینے کی کوشش ابھی
اری تھی۔

"کتیا کے بچے۔" حبشی نے ہنس کر اس کی گردن دبوچی اور حمید چوٹ کھائے ہوئے کتے کی
"چیاؤں چیاؤں" کرنے لگا۔ طالوت پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ حمید کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہٹ
ھی پیٹ دباتا اور کبھی منہ۔

"خاموش خاموش۔" دوسرا آدمی حلق پھاڑ کر چیخا۔

طالوت کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ حمید اب دوسرے آدمی کی طرف جھپٹا۔ پہلے تو
کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ لیکن دوسرے لمحے میں سنبھل کر اس نے جو
اتھ جھاڑا ہے تو میاں حمید کو دن میں تارے نظر آ گئے۔ وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا لہٰذا
نا برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر ڈھیر ہو گیا۔ لیکن وہ بھی طے کر چکا تھا کہ چاہے جان چلی جائے
ت نہیں تسلیم کروں گا۔ وہ جھپٹ کر پھر اٹھا اور یہی حرکت دہرا دی۔

حبشی پیٹ دبائے پورے کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔ حمید کی اس حرکت نے تو اسے بے دم
ا۔

"کیا ہلڑ ہے۔" دوسرے کمرے مین ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی اور ایک لڑکی اندر
آئی۔ لیکن اب حمید اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حمید اسے
انداز کر کے طرح طرح کی حرکتیں کرتا ہوا حبشی ہی کے پیچھے دوڑتا رہا۔

"طالوت۔" دوسرے آدمی نے اُسے پھر للکارا؟ "خاموش رہو! ورنہ گولی مار دوں گا۔"

اچانک وہ سہم کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دراصل اب اس میں ہنسنے کی سکت ہی نہ رہ گئی تھی۔ حمید
نے سوچا کہ اب تھوڑی سی خدمت اس لڑکی کی بھی کرنی چاہیئے۔

اس نے ڈرامائی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اور قدیم ہندوستانی رقص کا ایک پوز
ہوا لڑکی کے سامنے جھک گیا۔ پھر اس کے بعد کتھک کے بول بولتا ہوا جو ناچا ہے تو ایک ساتھ
کلی، بھارتیہ ناٹیم اور منی پور کے وہ وہ پینترے دکھائے ہیں کہ حبشی پر تو گویا ملک الموت ہی
ہو گیا۔ لڑکی بھی ہنس رہی تھی اور وہ دوسرا آدمی کبھی ہنستا تھا اور کبھی جھنجھلا کر پیر پٹخنے لگتا۔

"یہ پاگل نہیں ہے.... ہرگز نہیں ہے۔" وہ حلق کے بل چیخا اور حمید کا گریبان پکڑ لیا۔
پاگل نہیں ہو۔ میں تمہاری کھال اڑا دوں گا۔"

حمید نے دانت نکال کر قہقہہ لگایا جو اتنا ہذیانی قسم کا تھا کہ لڑکی خوفزدہ آواز میں چیخ پڑی۔

دفعتاً قریب ہی کسی کمرے میں فائر کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی شیشوں کے ٹوٹ کر گر
سے چھناکے بھی پیدا ہوئے۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے
قہقہہ لگایا۔ وہ سمجھا شاید پولیس آ گئی۔

"اسے دیکھو۔" دوسرے آدمی نے حبشی سے کہا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل
راہداری میں رک کر وہ دونوں شاید اندازہ لگانے لگے کہ آواز کس کمرے سے آئی تھی۔ پھر
ایک کمرے میں گھس گئے۔ سامنے والی کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر زمین پر بکھر گیا تھا اور کمرے
میں بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ مرد کی نظر سامنے والی میز پر پڑی جس پر ایک بوتل رکھی تھی
جھپٹ کر اُس کے قریب آیا۔ بوتل کے نیچے ایک کاغذ کا ٹکڑا دبا ہوا تھا جس پر کچھ تحریر تھا وہ اسے
اٹھا کر پڑھنے لگا۔

"کیا ہے؟" لڑکی اس کے قریب پہنچ کر بولی۔

"مسٹر کیو۔" اُس نے سرگوشی کی۔ لڑکی کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔ لیکن اس نے اس کا
ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس کی سزا موت ہے۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "مسٹر کیو کو دیکھنے کی خواہش ہی جرم ہے"

"ہوں! جیسے میں جانتی نہیں۔" لڑکی بڑے ناز سے لچک کر بولی۔

"نہیں.... تم نہیں.... جان سکتیں۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تم مسٹر کیو ہو۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

مرد نے ایک ڈراؤنا سا قہقہہ لگایا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پھر اسی کمرے میں آ گیا جہاں
وہ چھوڑ گیا تھا۔ بوتل جس میں کوئی سیال شے بھری ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

یہاں حمید اور حبشی دونوں ہی تھک کر بیٹھ گئے تھے۔

"اسے مضبوطی سے پکڑو۔" اس نے حبشی سے کہا۔ حمید اس کے ہاتھ میں بوتل دیکھ کر پہلے
را تھا حبشی نے اُسے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ ہاتھ پیر ہلانا بھی مشکل نظر آنے لگا۔

لڑکی کے ساتھی نے بوتل سے عرق نکال نکال کر اس کے منہ پر چھینٹے مارنے شروع
کئے۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ چہرے پر چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے اپنی جگہ چھوڑ رہے
ہیں۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اب جان بچنی محال ہے۔ بہر حال وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

ایک ایک کر کے پلاسٹک کے سارے ٹکڑے نکال لئے گئے اور دفعتاً وہ لڑکی چیخ اٹھی۔

"ارے.... یہ تم ہو! امرود بخت۔"

حبشی اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ حمید تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں.... میں.... سرجنٹ حمید؟.... اور اب واپس جا رہا ہوں۔"

حمید دروازے کی طرف مڑا لیکن حبشی جھپٹ کر درمیان میں آ گیا۔

"اس کا مطلب۔" حمید لڑکی کے ساتھی کی طرف مڑ کر بولا۔

"انسپکٹر فریدی کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا لیکن تمہیں پچھتانا پڑے گا۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"پاگل خانے کیوں گئے تھے؟" اُس نے اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم ہو کون؟" حمید بگڑ کر بولا۔

مرد نے پھر حبشی کی طرف دیکھا اور اس نے حمید کو پکڑ لیا۔ حمید نے تعرض نہیں کیا تھا۔ وہ
جانتا تھا کہ ہاتھ پیر مارنے کا وہی انجام ہوگا جو کسی دلدل میں پھنسے ہوئے آدمی کا ہوتا ہے۔ وہ
اچھی طرح اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ حبشی کی قوت کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتا۔

"فریدی کہاں ہے۔" مرد نے آگے بڑھ کر حمید کے منہ پر تھپڑ مارا۔

حمید حتی الامکان پرسکون رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہارے ساتھ کیوں چلا آیا۔" حمید نے اس سے پوچھا
وہ حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے شاید یہ توقع نہیں تھی کہ حمید اتنا پرسکون نظر آئے گا۔

"میں جانتا تھا کہ تم ڈاکٹر ناگر ہو۔"

"پھر....؟"

"میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے اس طرح کنول سے ایک بار پھر ملاقات ہو جائے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

کنول اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خاموش کھڑی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

"سنو ناگر! یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں اس لڑکی کو تم سے چھین لے جاؤں گا۔" حمید نے پھر کہا۔

"فریدی کہاں ہے۔" ناگر گرج کر بولا۔

"کنول! میں وہ دلچسپ رات ابھی تک نہیں بھولا۔" حمید نے ناگر کی سنی ان سنی کر کے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اسی بار پھر ناگر نے ایک بھرپور ہاتھ حمید کے منہ پر مارا اور حمید تو حقیقتاً اس وقت کمال ہی کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا اسے توہین اور چوٹ کا کچھ احساس ہی نہ ہو۔

"میں پتھر ہوں میرے دوست.....!" اس نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں اپنے ہاتھ کی ڈریسنگ نہ کرانی پڑے۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" ناگر حلق کے بل چیخا۔

"کوئی نئی بات نہیں۔ ہزاروں بار یہ جملہ سن چکا ہوں اور ہزاروں ہی لاشیں میں نے اپنے قدموں میں دیکھی ہیں۔"

"پیس ڈالو اسے۔" ناگر نے حبشی کو مخاطب کیا اور حبشی کی گرفت تنگ ہونے لگی۔

حمید کو اپنی ہڈیاں کڑکڑاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ لیکن وہ حتی الامکان کوشش کر رہا تھا کہ اس کا جسم ڈھیلا نہ ہونے پائے۔ اپنے ذہن کو درد کے احساس سے بچانے کے لئے اس نے بڑبڑانا

شروع کر دیا۔

"کنول! میں تمہیں اس جن کے.... قبضے سے نکال لے جاؤں گا.... بیمہ کمپنی کا ایجنٹ مل گیا ہے۔"

"شٹ اپ....!" کنول نے اُسے ڈانٹا۔ پھر اپنے ساتھی سے کہنے لگی۔ "اس سے کیا فائدہ۔ غصے میں حکم کی تعمیل نہیں کر رہے ہو۔ مار ڈالنے کا حکم تو نہیں۔"

دفعتاً ایسا معلوم ہوا جیسے ناگر ہوش میں آ گیا ہو۔

"چھوڑ دو۔" اُس نے طالوت سے کہا۔

اور حمید ایک صوفے پر جم گیا۔

"ایک سگریٹ پلاؤ گے۔" اس نے بڑی لاپروائی سے ناگر کو مخاطب کیا۔

"کیا یہ پاگل نہیں ہے۔" لڑکی حیرت سے بولی۔

"نہیں۔" ناگر کے لہجے میں سختی تھی۔

حمید ہنسنے لگا۔ کنول اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم قتل بھی کئے جا سکتے ہو۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہارے لئے میں دس بار قتل ہونا منظور کر لوں گا۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

ناگر کنول کی طرف پلٹا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ کنول کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں نفرت کی ہلکی سی جھلک دیکھی لیکن پھر وہ دوسرے لمحے میں مسکرانے لگی۔ اس نے ایک اچٹتی سی نظر حمید پر ڈالی اور کمرے سے چلی گئی۔

"میں نے تم سے ایک سگریٹ مانگی تھی۔" حمید نے ناگر کو مخاطب کیا۔ ناگر کے چہرے پر شدید قسم کی الجھن کے آثار تھے۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر حمید کے سامنے ڈال دیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس سے یہ حرکت بے خیالی میں ہوئی ہو۔

"مگر نہیں ایسی حالت میں سگریٹ پینے سے ممکن ہے مجھے غش ہی آ جائے؟" حمید نے بڑبڑا کر کہا۔

"کیوں؟" ناگر نے چونک کر پوچھا۔

"میں کل رات سے بھوکا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "پاگل خانوں کی غذا ہوش مندوں کے لئے

قطعی ناموزوں ہے اور پھر میں تو کھانے کی میز سے بعض اوقات محض اس لئے اٹھ جاتا ہوں کہ کسی طشتری سے کچھ مسالے کی بو نہ آتی ہو۔"

"تم پاگل خانے کیوں گئے تھے۔" ناگر نے بیساختہ پوچھا۔

"ایک آدمی کی تلاش میں! جس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے۔" حمید نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ چھپانا بے کار ہے۔ مجرم ان کی اسکیم سے واقف ہو گئے ہیں ورنہ وہ اس وقت یہاں نہ ہوتا۔

"لیکن یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی۔" حمید بولتا رہا۔ "کیونکہ آج ہی اُس نے ایک دوسرے پاگل کو قریب قریب ختم ہی کر دیا ہے اور اب اُسے خطرناک پاگلوں کی کوٹھری میں بند کر دیا گیا ہے۔"

"تم اُس سے ملے تھے۔"

"نہیں.... اُسے تو میں نے اس وقت پہچانا جب محافظ اُسے زنجیروں میں جکڑے ہوئے کوٹھڑی کی طرف لے جا رہے تھے۔"

"وہ کون ہے۔" ناگر نے پوچھا۔

"تم آخر مجھے یہاں لائے کس لئے ہو۔" حمید نے بات اڑا دی۔ "اس رات کو مجھے بیوقوف بنانے کا کیا مطلب تھا۔"

"دیکھو دوست.....!" ناگر نرم لہجے میں بولا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم فریدی کا پتہ بتا دو۔ ورنہ یہ بڑی خراب جگہ ہے۔"

"اس کا علم یہاں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "میں پوچھتا ہوں۔ تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہیں۔"

"ہم لوگ بہت بُرے ہیں اور فریدی کا پتہ چاہتے ہیں۔" ناگر مسکرا کر بولا۔

"اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے نہیں معلوم، کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔"

"یہاں.....!" ناگر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ضد کا نتیجہ موت ہی ہوا کرتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ آج بھی مذاق ہی کر رہے ہو۔" حمید نے ایسی سنجیدگی سے کہا جس میں لاپرواہی بھی شامل تھی۔

"اے.....!" ناگر حبشی کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ترکیب نمبر تیرہ۔"

حمید کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ترکیب نمبر تیرہ کیا چیز تھی۔ حبشی اُسے گود میں اٹھا کر ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ پشت پر جکڑ دیئے گئے اور ناگر نے کوڑا سنبھالا۔

چھلانگ لگانے والا

حمید کی آنکھ کھلی تو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ پورے جسم میں کچھ اس قسم کی سوزش تھی جیسے اس کی کھال اتار کر کسی نے اُسے نمک کے ڈھیر میں دبا دیا ہو۔

پچاس کوڑے تک تو اُس نے گنے تھے۔ لیکن اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اچھا ہی ہوا کہ اُسے فریدی کے پروگرام کا علم نہیں تھا ورنہ ممکن تھا کہ وہ اس اذیت سے بچنے کے لئے سب کچھ بتا ہی دیتا اپنی زندگی میں شاید پہلی بار اس نے اتنی بے بسی محسوس کی تھی لیکن پھر بھی یہ یقین کر لینے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آ رہی تھی کہ فریدی اس کی طرف سے غافل ہوگا۔

اچانک ایک تیز قسم کی روشنی کا بڑا سا دھبہ اس کی پشت کی طرف اندھیرے میں رینگ آیا۔ حمید چونک پڑا۔ لیکن وہ اتنی ہی تیزی سے مڑ نہ سکا۔ کیونکہ جسم کو جنبش دینے کا خیال ہی اذیت ناک تھا۔

کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سوئچ آن کرنے کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

یہ کنول تھی۔ لیکن وہ پہلے کی طرح تر و تازہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں.... وہ تھوڑی دیر تک کھڑی اُسے دیکھتی رہی پھر اس کے قریب ہی زمین پر دو زانو بیٹھ گئی۔

حمید نے پھر آنکھیں کھولیں اور تکلیف کی شدت سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"تم بتا کیوں نہیں دیتے۔" کنول نے سرگوشی کی۔

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے نحیف آواز میں کہا۔ "اور اگر جانتا بھی ہوتا...."

"یہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔" کنول کی آواز دردناک تھی۔

"کون؟"

"میں تمہارے لئے کیا کروں۔" کنول کی آواز میں بے چینی اور بے بسی تھی۔

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کنول متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"تم کیا کرو۔" حمید بولا۔ "وہی کوڑا اٹھالاؤ.... اور تم بھی شروع ہو جاؤ۔"

کنول نے اپنے دانت اتنی سختی سے بھینچ لئے کہ جبڑوں کا گوشت اُبھر آیا۔ شاید وہ آنسوؤں کے ایک بیساختہ قسم کے ابال کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ البتہ اس کی غمگین آنکھیں حمید کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم کل رات سے بھوکے ہو۔" اُس نے پھر سرگوشی کی۔

"ٹھیک یاد آیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیا تم آج مجھے وہی خواب آور دوا نہیں دے سکتیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے جسم پر دہکتے انگاروں سے لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔"

وہ سچ مچ رو پڑی۔ لیکن اُس نے جلد ہی اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

کہیں دور بھاری قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو رفتہ رفتہ نزدیک آتی گئی اور پھر حبشی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا پیالہ اٹھائے ہوئے نظر آیا اُسے دیکھتے ہی کنول حمید سے بلند آواز میں بولی۔

"میں کہتی ہوں تمہیں بتانا ہی پڑے گا ورنہ سسکا سسکا کر مار ڈالے جاؤ گے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نحیف آواز میں بولا۔

حبشی نے پیالہ کنول کے قریب رکھ دیا۔ چند لمحے خونخوار آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر چلا گیا۔

کنول نے چمچے سے حمید کے منہ میں دودھ ٹپکانا شروع کیا۔

"میں... تمہیں... اس جن... کے قبضے سے..." حمید رک رک کر بولتا رہا۔ "ضرور... رہائی دلاؤں گا۔"

کنول کچھ نہ بولی۔

"مجھے یقین ہے۔" حمید اسے ہاتھ کے اشارے سے روک کر بولا۔ "اس میں بھی کوئی چال ہو سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"تم مجھ سے ہمدردی جتا کر مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتی ہو۔"

کنول نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ منہ سے تو کچھ نہ بولی لیکن اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں.... اور حمید کا دعویٰ تھا کہ مرتے دم تک عورتوں کی آنکھوں کی زبان سمجھتا رہے گا۔

"تم نے اس رات مجھے بیوقوف کیوں بنایا تھا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں بتا سکتی.... لیکن.... تم کسی طرح یہاں سے نکل جاتے تو اچھا تھا۔"

"کیوں....؟"

"یونہی۔"

"مسٹر کیو کا خوف۔" حمید نے کہا اور کنول بے ساختہ اچھل پڑی اور اس کے بعد اس سے جو فعل سرزد ہوا وہ قطعی اضطراری تھا۔ وہ جھپٹ کر دروازے کی طرف گئی اور ادھر اُدھر جھانک کر پھر واپس آگئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ تھوک نگل کر آہستہ سے بولی۔

"خاموش رہو.... تم....!"

"باہر کوئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر بیٹھ کر اُس کے حلق میں دودھ ٹپکانے لگی۔

"خدا کے لئے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہاں کسی کے سامنے اس کا نام نہ لینا ورنہ اسی وقت ختم کر دیئے جاؤ گے۔"

"تم نے اسے دیکھا ہے۔"

"کسی نے نہیں دیکھا۔"

"تم اُس کے پھندے میں کس طرح پھنسیں۔"

"یہ سب مت پوچھو۔"

"ناگر کون ہے!"

"یہاں سے نکلنے کے لئے کچھ سوچو۔" وہ جلدی سے بولی۔

"تمہارا نام کنول ہے یا کچھ اور۔"

"یہی ہے! یہی ہے۔" وہ بے چینی سے بولی۔ "تم اتنے مطمئن کیوں ہو۔"

"میں ہر حال میں مطمئن رہتا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تب تم بھی جن ہی معلوم ہوتے ہو۔" کنول نے پیالے کی طرف اشارہ کیا۔

چوٹوں کی تکلیف معمولی نہیں تھی لیکن حمید کسی طرح بھی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہے یا اس نے کوڑوں کی اُس بارش کو ذرہ برابر بھی اہمیت دی ہے۔

"تم بہت اچھی ہو۔" حمید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"تم سچ مچ امرود بخت ہی معلوم ہوتے ہو۔" کنول مسکرا پڑی۔ "کچالو بن گیا ہے تمہارا مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔"

"اگر اس وقت منہ میں دودھ نہ ہوتا تو کچالو کے نام پر پانی بھر آیا ہوتا۔"

کنول صرف مسکرا کر رہ گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ساجد کی بات ٹھیک ہی نکلی کسی "مسٹر کیو" کا وجود ضرور ہے اور یہ لوگ بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کرنل کی بہن نادرہ کے متعلق بھی پوچھے لیکن فوراً خیال آگیا کہ وہ اپنی پاگل خانے والی ناکامی کی داستان ناگر کو سنا چکا ہے۔

اس کا ذہن پھر بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ پیالے کا دودھ ختم ہونے سے پہلے ہی اُس نے ہاتھ اٹھا کر کنول کو روک دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی اس کو دیکھتی رہی پھر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔ حمید نے نیند کے دباؤ سے جھکتی ہوئی پلکوں کو زبردستی اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ! میرے لئے یہی بہتر ہے۔ آج کی خواب آور دوا زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگی۔"

اور پھر وہ سو گیا۔ کنول تھوڑی دیر بیٹھی اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتی رہی اور پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ وہ راہداری کے موڑ پر پہنچی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔ پیالہ ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔

یہ ناگر تھا اور بُری طرح بدحواس نظر آ رہا تھا۔

"پولیس....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "طالوت کہاں ہے۔"

"باورچی خانے میں۔"

"چلو....!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتا ہوا بولا۔ "پولیس نے گھیرا ڈال دیا ہے۔"

باورچی خانے سے انہوں نے طالوت کو لیا اور ایک تاریک راہداری میں گھستے چلے گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں پوری عمارت پولیس والوں کے بھاری قدموں کی آوازوں سے گونج

اٹھی۔ گوشہ گوشہ چھان لیا گیا لیکن حمید کے علاوہ اور کوئی نہ ملا۔ حمید گہری نیند سو رہا تھا۔ پولیس والوں نے اسے اس کی کوٹھڑی سے نکال کر ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر ڈال دیا۔ پھر وہ عمارت کی تلاشی لینے میں مشغول ہو گئے اور انہیں اس کا بھی دھیان نہ رہا کہ وہ حمید کو تنہا چھوڑ آئے ہیں۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کے ساتھ دو سب انسپکٹر تھے اور وہ تینوں اس کامیابی کے خیال میں مگن تھے کہ ہر قسم کے خدشات سے گویا محفوظ ہی ہو گئے تھے۔

جب وہ تلاشی لے کر پلٹے تو ان کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ ڈرائنگ روم خالی اور حمید غائب تھا۔ وہ پھر دیوانوں کی طرح پوری عمارت میں پھیل گئے۔ لیکن لاحاصل حمید کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

حمید کو یقین تھا کہ اس کی نیند خود بخود نہیں ٹوٹی کیونکہ آنکھیں کھلتے ہی اسے اپنے منہ میں کسی کڑوی یا کسیلی چیز کا مزہ محسوس ہوا اور ایک خاص قسم کی بو بھی اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔ وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ بستر بہت ہی نرم اور پر تکلف تھا اور ملائم تکیوں سے ویسی ہی خوشبو آ رہی تھی جیسے وہ اپنے تکیوں کے لئے استعمال کرتا تھا۔ کمرہ بھی وہ نہیں تھا جس کے فرش پر چت لیٹے لیٹے اس نے کنول کے ہاتھ سے دودھ پیا تھا۔ اس کی نظریں کھلی ہوئی کھڑکی کے باہر رینگ گئیں۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی.... لیکن یہ کیا؟ چاندنی کی کرنیں زمین پر مچلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ ایسی تعجب خیز بات تھی کہ وہ اپنی تکالیف کا احساس کئے بغیر اچھل کر کھڑا ہو گیا اور جھپٹ کر کھڑکی کے قریب پہنچا لیکن دوسرے ہی لمحے میں دل چاہا کہ اپنے منہ پر تھپڑ مارے۔ چاند کی کرنیں زمین پر نہیں بلکہ دریا کی لہروں پر مچل رہی تھیں۔ کھڑکی سے تقریباً دس بارہ فٹ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ داہنی طرف اسے پل نظر آیا اور پھر وہ کسٹم ہاؤس کی عمارت کو بھی پہچان گیا شاید وہ اسی عمارت کے کسی کوارٹر میں تھا۔ دفعتاً اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر مڑا۔ دروازے میں ایک آدمی نظر آیا جس کی شکل حمید کے لئے نئی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا اور حمید اس کی آواز پہچان کر اچھل پڑا۔

"یہ فریدی تھا۔"

وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ کے پاس ریوالور ہوگا؟"

"ہاں! کیوں؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تھوڑی دیر کے لئے ادھار دے دیجئے۔"

"کیوں؟"

"میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو گولی مار دوں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

فریدی اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"اگر تم اس وقت مجھے توپ سے بھی اڑا دو تو بُرا نہ مانوں گا! میرے اچھے بیٹے۔"

"ذرا پیٹھ دیکھئے میری۔"

"میں دیکھ چکا ہوں.... اور اس کے لئے ان کا جسم کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔"

فریدی نے اُسے پلنگ پر لٹا دیا۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر حمید داستان بیان کر چلا۔ حالانکہ اس نے سب سے پہلے اسی کے متعلق معلوم کرنا چاہا تھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچا۔ لیکن فریدی نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ خود اپنی روداد پہلے سنائے۔ جیسے ہی حمید مسٹر کیو کا نام لیا فریدی تقریباً اچھل پڑا۔ وہ تحیر خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... کہتے چلو.... پھر بتاؤں گا۔"

حمید نے بیان جاری رکھا اور جب وہ خاموش ہوا تو فریدی نے پوچھا۔

"وہ لڑکی.... یعنی نادرہ بھی کہیں نظر آئی تھی۔"

"نہیں.... لیکن مسٹر کیو کے نام پر چونکے کیوں تھے۔ کیا آپ پہلے سے اس کی شخصیت واقف ہیں۔"

"ہاں.... لیکن اس کی اس حیثیت کے متعلق شاید خواب میں بھی نہ سوچ سکتا۔" فرید خیال انداز میں بولا۔

"یعنی....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس نام کا تعلق سیکرٹ سروس والوں سے ہے۔"

"آپ انہیں جانتے ہیں۔"

"میں صرف ان کی تعداد جانتا ہوں۔ وہ پانچ ہیں اور یہی نام استعمال کرتے ہیں کہاں

اور کون ہیں؟ اس کا پتہ نہیں۔ میں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ ان کا پتہ لگاؤں۔ وہ بھی بہر حال سرکاری ہی آدمی ہیں۔"

"اور اُن کا ٹیلی فون نمبر بھی تھری زیرو ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اور یہی ٹیلی فون نمبر ایکسچینج کا بھی ہے۔"

"ہاں؟ اور شاید یہی چیز تمہیں الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"قطعی....!"

"مسٹر کیو کے لئے ٹیلی فون ایکسچینج میں خاص طور سے انتظام کیا گیا ہے۔ مسٹر کیو کے لئے کوئی کال آتے ہی ٹیلی فون آپریٹر اس کا سلسلہ ایک ٹرانسمیٹر سے ملا دیتا ہے۔ اس طرح ایکسچینج سے مسٹر کیو کے لئے ٹیلی فونک ٹرانسمشن ہو جاتا ہے اور آپریٹر تک کو اس بات کا پتہ نہیں چلنے پاتا کہ یہ کال کہاں کے لئے آئی تھی۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ سیکرٹ سروس والے ہی....!"

"نہیں حمید صاحب۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "اتنی جلدی کوئی فیصلہ صادر کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ بہت دنوں بعد ایسا کیس ملا ہے جس میں ذہنی اور جسمانی دونوں طرح کی ورزشیں کرنا پڑیں گی۔"

وہ خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا اور حمید بولا۔

"حمید صاحب! اگر اپنی کھال میں صحیح سلامت رہے تو؟"

"یار مجھے حقیقتاً ساری زندگی اس کا افسوس رہے گا کہ تم اس حال کو پہنچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر آپ کا یہ افسوس میری پیٹھ کی سوزش نہیں کم کر سکتا۔"

"مگر یہ تو سوچو کہ کنول نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بھینس کا دودھ پلایا تھا۔" حمید جلدی سے بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ.... راجن.... ڈاکٹر نارنگ کی دیہی جائیداد کا منیجر کہاں غائب ہو گیا؟" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اوہ....!" حمید متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے اس کے متعلق کنول سے پوچھنا چاہئے تھا....

خیر.... اب آپ بتائیے کہ یہ کم بخت شہزادہ امرود بخت.... کچالو خصال بن کر یہاں تک کیسے پہنچ
"حقیقتاً اس حادثے کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر اپنے جوتے اتار
کر اطمینان سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے تمہارے پاگل خانے پہنچنے والے واقعے کو شہرت دی تھی۔"
"شہرت دی تھی۔" حمید حیرت اور غصے میں بولا۔

"جس لئے شہرت دی تھی اس میں کامیابی بھی ہوئی لیکن ایک جگہ دھوکا کھا گیا.... خیر.
بہر حال میں نے اس لئے اس معاملے کو شہرت دی تھی کہ مجرموں پر اس کا ردعمل دیکھ سکوں
میں جانتا تھا کہ وہ تم پر قابو پانے کی کوشش ضرور کریں گے۔ چنانچہ ایک آدمی نے ڈسٹرکٹ
مجسٹریٹ کا جعلی اجازت نامہ بنایا اور اسے لے کر پاگل خانے پہنچ گیا۔ تم نے پاگل خانے سے
تھوڑے فاصلے پر ایک دوسری کار بھی دیکھی ہوگی جس کے پیچھے گرائپ واٹر کا اشتہار لگا ہوا تھا
میں نے اس کمپنی سے اس مقصد کے لئے حاصل کی تھی.... بہر حال میں نے اس پر تم دونوں
تعاقب کیا۔"

فریدی رک کر سگار سلگانے لگا۔

"اور اس کے باوجود آپ اتنی دیر میں پہنچے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"سنتے تو جاؤ! اس عمارت کے سامنے پہنچ کر میں الجھن میں پڑ گیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ ا
میں مغربی جرمنی کا سفیر رہتا ہے اور وہیں اس کا دفتر بھی ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ ایسے موقع
جس قسم کی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ میں نے نگرانی کیلئے رمیش اور وحید کو وہاں کر دیا اور خود ڈی۔ آئی۔
کے پاس پہنچا۔ بہر حال وہاں کی تلاشی کا اجازت نامہ حاصل کرنے میں دیر ہو گئی اور پھر جب وہا
گھیرا ڈالنے کا انتظام کیا جا رہا تھا تو اچانک یہ اطلاع ملی کہ عمارت دراصل خالی ہے۔ سفیر کا دفتر
دن ہوئے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو گیا ہے۔ دھوکا دراصل اس لئے کھا گیا کہ وہاں
سفارت خانے کا بورڈ نہیں ہٹایا گیا تھا یا ممکن ہے کہ خود مجرموں ہی نے دوسرا لگا دیا ہو۔ بہر حا
باہر تو بورڈ لگا ہوا تھا اور اندر ایک جگہ ایک تختی پر لکھا ہوا ملا۔ 'کرائے کے لئے خالی ہے' خیر...
بے چارے جگدیش وغیرہ تو یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ تم پھر مجرموں کے ہاتھ میں پڑ گئے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"تو وہ لوگ گرفتار ہو گئے۔"

"وہاں.... کوئی ان کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔ البتہ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ پولیس نے دو
گھنٹے تک جھک مارنے کے بعد ایک چور دروازے کا پتہ لگا لیا ہے جو ایک پتلی سی گلی میں کھلتا ہے اور
جدھر کسی نے دھیان تک نہیں دیا تھا۔ یعنی ادھر پولیس نہیں تھی۔"
"انور بھی کام کر رہا ہے یا نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ابھی تک تو اُسے بلایا نہیں۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "سب کو ایک ساتھ
بڑا دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ کیس بڑا پیچیدہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ تازہ دم لوگ بھی
موجود رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حالات کوئی دوسرا رخ اختیار کر لیں۔ فی الحال.... میں نے یہ انتظام
کیا ہے کہ ملک بھر میں اس وقت تک مائیکروفون استعمال نہ کیا جائے جب تک ایکسپرٹ یہ اطمینان
کر لیں کہ اس میں کوئی دوسرا سسٹم بھی تو نہیں پایا جاتا۔"

"ملک بھر میں....؟" حمید حیرت سے بولا۔

"جناب.... یہ کوئی ملک گیر تنظیم معلوم ہوتی ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ دانتوں پسینہ آ جائے گا۔ کیونکہ اس مسٹر کیو نے بڑا عجیب طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"لیکن آپ تو سیکرٹ سروس....!"

"ٹھیک ہے۔" فریدی حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ "یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ سیکرٹ سروس
والے اس قسم کی کوئی حرکت کریں گے۔ اس کیس میں یہی تو ایک اہم نکتہ ہے میرا خیال ہے کہ وہ
دونوں سیکرٹ سروس والے دوسری دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔"

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ ان کی زندگی میں تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی ان کا نام استعمال کر سکے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور حمید کا ذہن نیند کے تانے
بانے میں الجھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ فریدی کی آواز سن کر چونک پڑا اور ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے
نیچے دریا میں کوئی وزنی چیز کافی اونچائی سے گری ہو۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ سمجھتا فریدی کھڑکی
میں چڑھ کر دریا میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ حمید پہلے تو اچھل کر کھڑکی کے قریب گیا پھر دروازے کی
طرف بھاگا۔ آگے ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ حمید دروازہ کھول کر مکان کے باہر آ گیا۔ باہر سناٹا تھا۔

غالباً رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ گھاٹ بھی بالکل سنسان تھا اور پل پر آمد و رفت بھی بند ہو چکی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ شاید ایک منٹ تک بے حس و حرکت کھڑا دریا کی سطح پر نظریں جمائے رہا۔ کچھ دور بڑی بڑی لہریں گرداب کی شکل میں اٹھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی سیاہ سی چیز سطح پر ابھرتی اور ڈوب جاتی۔

حمید کا جسم اور دماغ دونوں ہی تقریباً بیکار تھے۔ یہاں تک وہ محض اضطراری فعل کے تحت پہنچا تھا اور اب اسے ایک منٹ کھڑا ہونا بھی دوبھر معلوم ہو رہا تھا۔ صرف ایک سوال اس کے ذہن میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی نے دریا میں چھلانگ کیوں لگائی؟

وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ کوئی تیرتا ہوا اسی طرف آرہا ہے۔ فریدی نے کنارے پہنچ کر کسی دوسرے آدمی کو پانی سے کھینچ کر باہر نکالا۔

خوفناک آنکھیں

فریدی اُسے کاندھے پر اٹھائے ہوئے گھر کے اندر چلا گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ روشنی میں پہنچتے ہی حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال کر اُس کے پیٹ سے پانی نکالنے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔

"ہیلو....!" دفعتاً وہ رک کر بولا۔ پھر مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا یہ وہی نہیں ہے جو تمہیں پاگل خانے سے لے گیا تھا۔"

"ناگر....!" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی بدستور مشغول رہا۔ اُس نے اس کے گیلے کپڑے اتار کر اُسے ایک چادر میں لپیٹ دیا۔ حمید کھڑکی کے قریب کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی چال تو نہیں۔ پھر وہ صحن کی طرف جھپٹا اور باہر کے دروازے میں کنڈی لگا کر واپس آگیا۔ فریدی کرسی پر بیٹھا بے ہوش آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی دواؤں کا بکس فرش پر کھلا رکھا تھا اور اُس نے اپنے ہاتھ میں انجکشن والی سرنج سنبھال رکھی تھی۔

"تم کھڑے کیوں ہو؟"

"ہمیں غافل نہ رہنا چاہئے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کہیں یہ کوئی چال نہ ہو۔"

"جو کچھ بھی ہے ابھی ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔ "تم اس آرام کرسی پر لیٹ جاؤ.... مگر نہیں تمہاری پیٹھ اس قابل نہیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ.... اچھا ذرا ادھر آؤ۔"

پھر وہ اُسے برآمدے میں لاکر بولا۔ "اسے شاید دو تین منٹ بعد ہوش آجائے۔ جب تک میں نہ کہوں تم اس کے سامنے مت آنا۔ یہاں اس پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ بلکہ سو جاؤ تو بہتر ہے۔"

"کیا آپ نے اسے کودتے دیکھ لیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اس نے پل پر سے چھلانگ لگائی تھی۔" فریدی بولا۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ مسٹر کیوہی کا کسی قسم کا عتاب ہو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا.... اس نے برآمدے میں پڑے ہوئے پلنگ کی طرف اشارہ کیا اور کمرے میں چلا گیا۔

ناگر کو ہوش آگیا تھا۔ وہ پلنگ پر چت پڑا متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی اچھل کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس طرح اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے جیسے دفعتاً اس کی بینائی ہی رخصت ہو گئی ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ "مجھے جہنم میں جھونک دو! میں خود ہی کود جاؤں گا.... مگر میرا قصور.... مجھے میرا قصور بھی تو بتاؤ.... یا پھر مجھے مر ہی جانے دو.... اس طرح ادھیڑو مت.... ایک چوہے کی طرح بے بس نہ کرو۔"

وہ خاموش ہو گیا پھر دفعتاً حلق پھاڑ کر چیخا۔ "سنا تم نے۔"

"سن لیا....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔" ناگر نے اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ اب بھی فریدی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"اگر تم وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی اقدام خودکشی نہ کرو گے تو میں تمہیں پولیس کے حوالے نہ کروں۔" فریدی نے کہا۔

ناگر نے ایک لمحے کے لئے فریدی کی طرف دیکھا اور پھر نظریں ہٹالیں۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے خودکشی کی کوشش کیوں کی تھی۔" فریدی پھر بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" ناگر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"یعنی تم ارادتاً نہیں گرے تھے۔" فریدی اسے پرخیال انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے جانے دو۔" ناگر اٹھتا ہوا بولا۔

"جاؤ....!" فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ وہ اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا لیکن شاید اس بار کسی ریوالور کی گولی کو تمہارے بھیجے کا راستہ تلاش کرنا پڑے۔

ناگر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر پلنگ پر گر کر اپنا برہنہ جسم چادر سے چھپانے لگا۔

"ڈرو نہیں!" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم اب قطعی محفوظ ہو۔ یہاں میری موجودگی میں کوئی تم پر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ ویسے میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم دریا میں خود کودے تھے یا کسی نے تمہیں پھینکا تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"پھر وہی ضد....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میرے ذہن میں صرف یہی ایک خیال تھا کہ کود جاؤں بس کود گیا۔"

"اور وہ تمہارا اپنا خیال نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا....؟" ناگر پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہی کہ تم خود سے نہیں کودے تھے۔"

"تم کون ہو؟" ناگر خوفزدہ آواز میں بولا۔

"ڈرو نہیں! میں ان میں سے نہیں جنہوں نے تمہیں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا تھا۔"

"پھر آخر کون ہو۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور میز پر رکھے ہوئے کپڑے اٹھا کر اُسے دیتا ہوا بولا۔ "انہیں پہن لو۔"

ناگر نے قمیض اور پتلون پہنی! لیکن اس کی تحیر آمیز نظریں بار بار فریدی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"آؤ میرے ساتھ۔" فریدی نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جیسے ہی ناگر کی نظر حمید پر پڑی وہ لڑکھڑا گیا۔ اگر فریدی سہارے کے لئے اپنا بازو آگے نہ کر دیتا تو اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا تھا۔

حمید بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب بتاؤ بیٹے ناگر صاحب۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

ناگر نے آنکھیں بند کر لیں۔

"غالباً....اب تم یہ سمجھ گئے ہو گے کہ میں کون ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"پولیس....!" ناگر کانپتا ہوا بولا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کہ تم پر یہ ساری مصیبتیں اس کی وجہ سے نازل ہوئیں تھیں۔"

"کیا....؟ مم....میں نہیں سمجھا۔" ناگر ہکلایا۔

"تم نے اُسے پولیس والوں کیلئے چھوڑ دیا تھا اور خود فرار ہو گئے تھے۔ لہٰذا تمہارے مسٹر کیو....!"

ناگر کی ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نے فریدی کا جملہ نہ پورا ہونے دیا۔

"تم جھوٹے ہو۔" ناگر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور کمرے میں بھاگ گیا۔

پھر فریدی اور حمید نے بدحواسی کے عالم میں اسے پلنگ کے نیچے گھستے دیکھا۔

"بس....!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "چلو خیر! میں تمہیں سول پولیس کے رحم و کرم پر چھوڑتا ہوں۔" فریدی نے اسے بدقت تمام پلنگ کے نیچے سے نکالا۔

"تم....تم....مسٹر کیو کے آدمی ہو۔" ناگر ہذیانی انداز میں بک رہا تھا۔ "میں کہیں نہیں بچ سکتا۔ کسی طرح نہیں بچ سکتا۔"

"تو تمہیں اسی طرح یقین دلایا جا سکتا ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔" فریدی نے کہا۔

"جھوٹ....بلف....دھوکا....مسٹر کیو کا نام اسکے آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔"

"لیکن اس کا نام مسٹر کیو تو نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس نام سے بھی کوئی واقف نہیں ہے۔"

"ایسا تو نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس کے ساتھیوں کے علاوہ دو اور آدمی بھی ہیں جو
اس نام سے واقف ہیں۔"

"کون؟"

"انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید۔"

"تت.... تو.... آپ.... مسٹر فریدی.... ہیں۔" ناگر کے لہجے میں حیرت تھی۔

فریدی مسکراتا رہا۔ ناگر تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔

"تو پھر.... خدا کے لئے.... مجھے کسی بند گاڑی میں جیل خانے بھجوا دیجئے.... ورنہ وہ مجھے
زندہ نہیں چھوڑے گا.... اور میں نے ابھی تک کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی سزا موت ہو۔"

"تم یہاں ہر طرح محفوظ رہو گے۔" فریدی نے کہا۔ "بشرطیکہ جو کچھ پوچھوں اس کا صحیح
جواب دو۔"

"میں سب کچھ کروں گا۔ مجھے بچائیے۔"

"تم جانتے ہو کہ مسٹر کیو حقیقتاً کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"اسے کبھی دیکھا ہے۔"

"نہیں۔"

"اس رات جب تم نے سرجنٹ حمید کو ڈاکٹر نارنگ کے یہاں بے وقوف بنایا تھا تمہارے
ساتھ کتنی لڑکیاں تھیں۔"

"دو....!"

"جو حمید سے پہلے ملی تھی کون تھی؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ مسٹر کیو کے حکم سے میں اسے وہاں لے گیا تھا۔"

"تمہارے پاس وہ کب سے تھی۔"

"اسی دن آئی تھی۔ جس دن میں وہاں گیا تھا۔"

"کہاں سے آئی تھی۔"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔ مسٹر کیو کے حکم کے مطابق میں سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی

بند گاڑی میں بیٹھ گیا تھا.... وہ لڑکی.... حبشی.... اور کنول.... تینوں مجھے اس میں ملے تھے۔"

"کنول کون ہے۔"

"اس نے مجھ سے آج تک نہیں بتایا۔"

"ڈاکٹر نارنگ کے منیجر راجن سے تمہاری جان پہچان کس طرح ہوئی تھی۔"

"مسٹر کیو کے حکم کے مطابق میں نے اُس سے دوستی پیدا کی تھی۔"

"کیا راجن بھی اُسی کے آدمیوں میں سے تھا۔"

"یہ نہیں کہہ سکتا.... ہو سکتا ہے کہہ رہا ہو۔ مسٹر کیو کے گروہ کے لوگ ایک دوسرے کو اس
وقت تک نہیں جانتے جب تک کہ مسٹر کیو خود نہ چاہے۔"

"راجن تمہیں اس کے بعد ملا تھا۔"

"رر.... راجن....!" ناگر ہکلا کر رہ گیا۔

"جھوٹ نہیں سنوں گا۔" فریدی اُسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"اُسے مسٹر کیو نے ختم کر دیا۔"

"کیسے؟"

"مجھے مسٹر کیو کی طرف سے حکم ملا کہ میں راجن کو دلاور نگر والی سڑک سے لے کر جھریالی
کے جنگل میں مار ڈالوں۔ مدد کے لئے ایک آدمی بھی دیا گیا تھا۔ حکم تھا کہ لاش کو پٹرول چھڑک
کر جلا دیا جائے۔"

"تو تم دونوں نے اُسے مار ڈالا۔"

"نہیں....!" ناگر گھبرا کر بولا۔

"پھر....؟"

"جب وہ ہم سے چھٹ کر بھاگ رہا تھا تو کسی نے سرکنڈوں کی جھاڑیوں سے اُس پر فائر
کر دیا۔ لیکن لاش ہمیں ہی جلانی پڑی تھی۔"

"دوسرا آدمی کون تھا۔"

"پتہ نہیں.... اس دن کے بعد سے اب تک نہیں دکھائی دیا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ کہ تم اس کے چکر میں کس طرح پڑے تھے۔"

ناگر تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اس نے مجھے بلیک میل کیا تھا۔"

پھر اس نے اسی قسم کی ایک داستان دہرادی جیسی حمید کو پاگل خانے میں ساجد نے سنائی تھی۔ ناگر دراصل منشیات کی ناجائز تجارت کرتا تھا۔ مسٹر کیو نے اسے ایک خط کے ذریعہ دھمکی دی تھی کہ اگر اُس نے اس کے احکامات کے آگے سر نہ جھکا دیا تو وہ اس کا راز فاش کردے گا اُسے بھی یہی ہدایت ملی تھی کہ وہ اپنے فیصلے سے فون کے ذریعے آگاہ کرے۔ نمبر وہی "تھری زیرو" تھا۔

"ٹیلی فون کرنے کے متعلق کوئی اور بھی ہدایت ملتی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... کہ گفتگو شخصی ٹیلی فون کی بجائے کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے کی جائے۔"

"اس کے بعد کسی قسم کی گفتگو یا مشورے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔" فرید نے پوچھا۔

"مسٹر کیو کے خطوط یا تو بذریعہ ڈاک آتے ہیں یا کسی دوسرے پُر اسرار طریقے سے مجھ تک پہنچتے ہیں۔"

"پُر اسرار طریقے سے۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... آج ہی! جب میں آپ کے ساتھی کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کر رہا مسٹر کیو نے مکان کے ایک حصے میں فائر کر کے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ جب ہم کمرے میں گئے تو ہمیں اُس کا خط ملا اور ساتھ ہی ایک بوتل بھی جس میں غالباً سیال ایمونیا تھی۔ خط میں ہدایت تھی کہ میک اپ بگاڑنے کے لئے بوتل کا عرق استعمال کیا جائے۔"

"اوہ....!" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔

"وہ لڑکی کہاں ہے.... کنول....!" حمید نے پوچھا۔

فریدی اسے گھورنے لگا اور حمید نے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

"کنول.... میں نہیں جانتا کہ وہ اب کہاں ہے۔" ناگر نے کہا۔

"لیکن تم تینوں ساتھ ہی تو بھاگے ہو گے۔" فریدی بولا۔

"ہم وہاں ساتھ ہی پہنچے تھے جہاں ہمیں خطرات کے وقت پناہ لینے کا حکم ملا تھا۔ اس کے بعد میں یہاں چلا آیا۔"

"کہاں گئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔ لیکن ناگر نے فوراً ہی جواب نہ دیا۔

"کیا.... میں یقین کرلوں کہ آپ میری حفاظت کریں گے۔" ناگر نے پوچھا۔

"حتی الامکان....!" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

"ہم لوگ! بیلی روڈ کی کوٹھی نمبر سترہ میں گئے تھے۔"

"کس کی کوٹھی ہے۔"

"اس کا علم مجھے نہیں۔ پہلی ہی بار وہاں گیا تھا۔"

"پھر....!"

ناگر خاموش ہو گیا۔ اس پر پھر رعشہ طاری ہو گیا تھا۔

"اس کی یاد بھی میرے لئے پریشان کن ہے۔" وہ کانپتا ہوا بولا۔

"سنو دوست!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بات اور بھی واضح کرتا چلوں وہ یہ کہ مجھے اور حقیقت میں فرق کرنے کا کافی سلیقہ ہے۔"

"میں جو کچھ بھی کہنے جا رہا ہوں اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔" ناگر بولا۔

"خیر.... چلو....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"وہاں اس عمارت کے ایک کمرے میں مجھے کسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا روازے کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے دو خوفناک آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ سرخ سرخ نکھیں۔ میری ہمت نہیں تھی کہ میں کسی طرح نظریں چرا سکتا۔ میں ان کی طرف دیکھتا رہا ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے میرے جسم کی ساری طاقت ان خوفناک آنکھوں میں کھنچی ہو۔ پھر مجھے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز ان آنکھوں سے ہی ہو۔ مجھ سے کہا جا رہا تھا کہ میں ایک بند گاڑی میں پل تک جاؤں اور وہاں سے دریا میں لگا دوں۔ میں خاموشی سے مڑا اور باہر نکل آیا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی تھا کہ مجھے دریا میں چھلانگ لگانی ہے.... اچھی طرح یاد نہیں کہ میں پیدل پل تک آیا یا میں یقیناً کسی بند گاڑی میں یہاں تک کا سفر کیا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فریدی تیز نظروں سے اس کے چہرے کو ٹٹولتا ہوا "اُس آسمانی رائفل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"آسمانی رائفل.... میں اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ناگر نے کہا۔ "کیا وہ بھی مسٹر کیو...؟"

"غالباً....!" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں نے تمہیں اس سے محفوظ رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ لیکن اگر تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو شاید میں تمہارے مسٹر کیو سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہوں۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں.... میں....!"

ناگر کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ فریدی چونک کر پلٹا۔ دروازے میں تین آدمی کھڑے تھے تینوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور اُن کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

بموں کی بارش

فریدی کے سکون میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ڈرامے کا ریہرسل دیکھ رہا ہو۔

"مکان چھوٹا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور مہمانوں کا تانتا بندھ گیا ہے۔"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" آنے والوں میں سے ایک نے سرگوشی کی حمید اور ناگر نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ لیکن فریدی بدستور کھڑا مسکراتا رہا۔ ناگر بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"مارنا مت۔" دفعتاً فریدی چیخا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے ان تینوں آدمیوں کے پیچھے کھڑے ہوئے کسی آدمی کو مخاطب کیا ہو۔ تینوں چونک کر مڑے لیکن دوسرے ہی لمحے میں ان کے ریوالور زمین پر تھے اور فریدی اُن پر پل پڑا تھا۔ وہ تینوں ایک ساتھ پیچھے کی طرف الٹ گئے۔ حمید نے بے تحاشہ چھلانگ لگائی اور زمین پر پڑے ہوئے ریوالوروں پر قبضہ کرلیا۔

"ابے او گیدڑ کے بچے۔" حمید نے ناگر کو للکارا۔ لیکن اس نے سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ کی۔ وہ اسے اُسی حال میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ فریدی ان تینوں سے گتھا ہوا تھا۔

"ہینڈز اپ۔" حمید آہستہ سے بولا اور فریدی انہیں چھوڑ کر الگ ہٹ گیا اور ان تینوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔

تھوڑی دیر بعد حمید اور ناگر انہیں رسیوں سے جکڑ رہے تھے اور فریدی ریوالور لئے کھڑا تھا۔

"اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ابھی آیا۔"

وہ باہر چلا گیا اور حمید قیدیوں کے چہروں سے نقاب نوچنے لگا۔

"ان میں سے کسی کو پہچانتے ہو۔" حمید نے ناگر سے پوچھا۔

ناگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

وہ تینوں سر جھکائے زمین پر بیٹھے رہے۔

"تمہیں کس نے بھیجا تھا۔" حمید نے انہیں مخاطب کیا۔

لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان میں سے دو تو خائف نظر آتے تھے۔ لیکن ایک کے چہرے پر اب بھی خوفناک عزائم کی جھلک تھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی اندر داخل ہوا۔

تینوں کو اٹھایا گیا۔ ان کے ہاتھ ان کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

باہر کھڑی ہوئی کار میں انہیں دھکیل دیا گیا۔ اگلی نشست پر فریدی اور ناگر بیٹھے پچھلی پر حمید اور مجرموں میں سے دو نیچے تھے اور تیسرا سیٹ پر۔

"تعاقب کا خیال رکھنا۔" فریدی نے حمید سے کہا اور کار اسٹارٹ کردی۔

حمید پچھلے شیشے سے سڑک کی طرف دیکھتا رہا.... پھر ان کی کار جنگل کی طرف مڑ گئی۔

پل کے قریب والے کوارٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے جاتے وقت اسے بند کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ان کے جانے کے تقریباً آدھ گھنٹے بعد ایک دوسری کار آکر وہاں رکی اور اس پر سے ایک آدمی نیچے اترا۔ اس کے علاوہ اس کار میں اور کوئی نہیں تھا۔

اُس نے بھی اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوارٹر کے دروازے کے قریب آکر رک گیا۔ شاید وہ آہٹ لے رہا تھا۔ اُس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ پھر ایک کنکری اٹھا کر کوارٹر کے اندرونی سائبان پر پھینکی۔ ٹین کا سائبان جھنجھنا اٹھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی آواز نہ سنائی دی۔

دوسرے لمحے میں وہ کوارٹر کے اندر تھا۔ صحن میں ایک کرسی الٹی ہوئی ملی جس کا ایک پایہ ٹوٹا ہوا تھا۔ تینوں قیدیوں کے نقاب فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں اٹھا کر دیکھا اور ایک عجیب طرح کی آواز اس کے منہ سے نکلی جو کسی بھیڑیئے کی غراہٹ سے بہت کچھ مشابہ تھی۔

پھر وہ برآمدے میں آیا چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ کمرے کا بلب روشن
کمرے میں اُسے ناگر کے بھیگے ہوئے کپڑے ملے جنہیں اس نے بہت احتیاط سے اپنے
میں پکڑ لیا۔ تھوڑی دیر کمرے کی مختلف چیزیں الٹنے پلٹنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آیا۔ ناگر
کپڑے کار میں ڈال دیئے۔ اگلی سیٹ سے ایک چھوٹا سا صندوق اٹھایا جس سے ایک بڑا سا تار
رہا تھا۔ زمین پر جھک کر اُس نے فریدی کی کار کے نشانات دیکھے اور وہ صندوق ایک پہیے کے
پر رکھ دیا۔ تار کا سلسلہ موٹر کی بیٹری سے ملاتے ہی صندوق کی سطح روشن ہو گئی۔ صندوق کا او
حصہ دراصل شیشے کا تھا۔ اس کے نیچے ایک بڑی سی سوئی تھی جو آہستہ آہستہ حرکت کر
تھی۔ سوئی کے گردو پیش بے شمار چھوٹی چھوٹی آڑی، ترچھی، اور سیدھی لکیریں تھیں۔
کہیں قوسیں، دائرے اور زاویئے بھی نظر آرہے تھے۔ سوئی اپنا چکر پورا کرنے سے قبل ہی
جگہ رک گئی۔ اُس نے جھک کر دیکھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی کار بھی اُدھر ہی جا رہی تھی جدھر فریدی کی گئی تھی۔

رات ڈھل رہی تھی اور چاند افق کی طرف جھک رہا تھا۔ سناٹے کی چادر کائنات پر محیط
چھیول کے جنگلوں میں گھستے ہی فریدی کو کار کی رفتار کم کر دینی پڑی تھی راستہ ناہموار
بار بار حمید سوچنے لگتا تھا کہ کہیں کار الٹ ہی نہ جائے۔ چاند کے غروب ہوتے ہی اندھیرا پھیل گ

دفعتاً حمید کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"تعاقب....!"

"کیا....؟"

"جی ہاں.... جھاڑیوں میں.... ابھی دور ہیڈ لائیٹیں چمکیں تھیں.... غالباً کوئی کار ہی

"کک.... کون؟" ناگر ہکلا کر رہ گیا۔

تینوں قیدیوں نے اچھلنا شروع کر دیا تھا۔

"ذرا ان کی کنپٹی سہلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کے تین ہی گھونسوں نے انہیں خاموش کر دیا۔ گھونسے کنپٹیوں پر مارے گئے تھے۔

"ان میں سے کوئی ہوش میں تو نہیں۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

حمید انہیں اچھی طرح ہلا کر دیکھنے کے بعد بولا۔ "سب ٹھیک ہے۔ اوہ وہ روشنی پھر....
ب ہی معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی نے کار روک دی لیکن انجن بند نہیں کیا۔ پھر وہ ناگر کو بازو سے پکڑ کر اتر گیا۔ حمید
ی کے پیچھے تھا۔

وہ تینوں قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔

تھوڑی دیر بعد انہیں سچ مچ ایک کار دکھائی دی جو اُن کی کار سے تھوڑے فاصلے پر رک گئی
اور اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی ان کی کار کے پچھلے حصے پر پڑ رہی تھی۔ حمید نے ریوالور نکال
ایک آدمی کار سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔

"شش....!" فریدی حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے بولا۔ "اسے کار کے قریب آنے دو۔"

اس آدمی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریدی کی کار کی طرف بڑھنے کا ارادہ
ہا ہو۔ وہ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا.... پھر اپنی کار میں بیٹھ کر اسے پیچھے کیطرف لے جانے لگا۔

"چلو بڑھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کوئی خطرناک ارادہ۔ اس کے قریب ہی رہو۔"

وہ تینوں اُس کی کار کے ساتھ ہی ساتھ پیچھے کی طرف چلتے رہے۔ کار کافی پرانے ماڈل کی اور
تھی۔ اس لئے اس کا انجن خاصا شور مچا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فریدی نے جھاڑیوں کی
کھڑاہٹ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ انجن کے شور میں جھاڑیوں کی آوازیں
جائیں گی۔ تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار رک گئی اور انجن بند ہو گیا۔
کی اور سناٹے کا وہی عالم تھا۔

"آخر یہ کیا کرنے جا رہا ہے۔" حمید نے سرگوشی کی۔

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی بولا۔

ناگر کانپ رہا تھا۔

"اماں تم آدمی ہو یا بید مجنوں۔" فریدی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ریوالور کی
سامنے ہی رکھنا، ورنہ کہیں اپنے ہی گولی نہ مار لو۔"

پھر وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ضرورت کے وقت فائر کرنے کی اجازت ہے۔"

وہ تینوں سینے کے بل رینگتے ہوئے جھاڑیوں سے نکلے.... لیکن کار بالکل خالی تھی۔

"وہیں مار لیتے تو بہتر تھا۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ پھر دوسرا اور ایسا معلوم ہوا جیسے پورے جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔

"بھاگو.....!" فریدی حمید کا ہاتھ کھینچتا ہوا بولا۔

وہ تینوں تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑ رہے تھے۔

"آخر..... بب..... بات کیا ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا..... ایک دھماکا اور ہوا۔

"شاید ا نے کار پر بم مارا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب ادھر اُدھر پھینک رہا ہے۔"

"مم..... مسٹر کیو.....!" ناگر نے روتی آواز میں پوچھا۔

پھر دھماکہ ہوا۔ کار کے انجن کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

"جھاڑیوں میں..... گھسیں؟" حمید نے پوچھا۔

"بس بھاگتے رہو..... ایسی حماقت نہ کرنا۔ یہ بم غالباً ادھر ادھر کی جھاڑیوں ہی میں جارہے ہیں۔"

"تب تو مارے ہی گئے۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"بیٹے! حمید خاں! اس وقت اُس سے الجھنا ٹھیک نہیں۔ معلوم نہیں اسکے پاس کتنے اور بم ہوں"

کار کی ہیڈ لائیٹس کا عکس سامنے کی جھاڑیوں کے اوپری حصے پر پڑ رہا تھا۔ کار شاید کسی نشیب میں تھی۔ ایک دھماکہ کہیں قریب ہی ہوا اور تیز قسم کی روشنی کے ساتھ ہی انہوں آنچ بھی محسوس کی۔ دوسرے ہی لمحے میں کار سر پر تھی۔ تینوں نے داہنی طرف کی جھاڑیوں چھلانگ لگادی۔ فریدی نے پلٹ کر کار پر فائر کیا۔ دو ریوالور اور چلے۔ لیکن کار تیزی سے گز وہ ابھی تک فائر کئے جارہے تھے۔

"چلو بس بھی کرو۔" فریدی جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

کار کے انجن کی آواز کہیں دور سنائی دے رہی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بھی سناٹے میں گھل مل

"بڑی چوٹ ہوئی۔" حمید بولا۔

"اس کے علاوہ نہیں کہ اب پیدل چلتے چلتے کچومر نکل جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "بموں کا اسٹاک ختم ہوگیا تھا۔"

"چلئے کار کی خبر لیں۔" ناگر بولا۔

"کار..... شاید کار کے ٹکڑے بھی نہ ملیں۔ کیا تم روشنی نہیں دیکھ رہے ہو۔ آگ چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ بس اب یہاں سے نکل چلو۔"

"مجھ میں اب چلنے کی بھی تاب نہیں۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"چلو تو آؤ میری پیٹھ پر۔" فریدی نے کہا۔

فریدی نے اُسے پیٹھ پر لاد لیا۔ آگ پھیلتی جارہی تھی..... ناگر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ فریدی اب بھی اتنی ہی آسانی سے دوڑ رہا تھا جتنی آسانی سے اب تک دوڑتا آیا تھا۔ ناگر کی سانس بری طرح پھول رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کاش سانس ہی درست کرنے کا موقع مل جاتا۔

سڑک پر پہنچ کر فریدی نے حمید کو اتار دیا۔ ناگر گر کر زمین پر ہانپنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ مسٹر کیو کے گروہ میں تم سب سے کچے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اگر..... میں..... آپ کے ساتھ..... نہ ہوتا..... تو..... میرا ہارٹ فیل ہوجاتا۔"

"وہ کار کس کی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"سرکاری۔" فریدی بولا۔ "بھئی جلدی کرو! کم از کم دس میل پیدل چلنا پڑے گا۔"

"کیا بے بسی ہے۔" حمید مضمحل سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"ہے تو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اگر ایسے میں تمہیں کوئی لڑکی مل جائے تو۔"

"جہنم میں گئی لڑکی۔" حمید غرا کر بولا۔

"کیوں بھئی ناگر۔"

"جی..... مجھے تو آپ مسٹر کیو سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہیں۔"

"وہ تینوں مفت میں مارے گئے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی چلتے رہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"مجھے تو اب بھی یقین نہیں کہ میں زندہ ہوں۔" ناگر خوف زدہ آواز میں بولا۔

"کیوں.....؟"

"مسٹر کیو! ایسے آدمیوں کو زندہ نہیں چھوڑتا جنہیں سمجھتا ہے کہ وہ پولیس کے ہاتھ لگ

جائیں گے۔"

"مگر! تم کہتے ہو کہ کسی نے اُسے آج تک دیکھا ہی نہیں ہے۔"

"جی ہاں!"

"پھر اسے کس بات کا خوف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کے ساتھیوں کو پولیس پکڑ بھی لے تو
خود اس پر ہاتھ پڑنا محال ہے۔"

وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی کو اس کا نام ہی معلوم ہو سکے۔

"اوہ....!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ "ٹھیک ہی تو ہے۔ اگر پولیس کو یہ معلوم ہو ج
کہ کوئی مجرم سیکرٹ سروس والوں کی ٹیلی فونک ٹرانسمشن سروس استعمال کر رہا ہے تو اسے ب
کر دے گی اور مسٹر کیو ایک بہت بڑی آسانی سے محروم ہو جائے گا۔"

"تب تو یار ناگر۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں مر ہی جانا چاہئے۔"

"جج....جی...." ناگر چلتے چلتے رک گیا۔

"ہاں! تمہیں مر جانا چاہئے۔"

"لیکن....!" وہ تھوک نگل کر بولا۔ "آپ نے وعدہ کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں مسٹر کیو سے بچاؤں گا۔ لہٰذا میں اسی وقت تمہ
دوبار بچا چکا ہوں۔ لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہیں زندہ رہنے دوں گا۔"

ناگر کے منہ سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے اُسے فرنجک ہو گئی ہو۔

"چپ رہو گھاس....!" حمید اس کی پیٹھ پر گھونسہ جھاڑ کر بولا۔

"میں مر جاؤں گا۔" ناگر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"اچھا! تو لڈو بانٹنے کی بات ہو رہی تھی۔" حمید نے بڑے بے دردی سے قہقہہ لگایا۔ "ظا
ہے کہ مارے جاؤ گے تو ضرور مر جاؤ گے۔"

"مجھے معاف کر دیجئے۔" ناگر گھگھیا کر بولا۔

"ابھی نہیں! مر جاؤ گے تب۔" حمید نے جھلا کر کہا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"واقعی تم بڑے ڈرپوک ہو۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "مجھے حیرت ہے کہ مسٹر
جیسے محتاط آدمی نے تمہیں کس طرح اپنے گروہ میں شامل کر لیا تھا اور مجھے تو اب اس میں بھی ش

کہ تم منشیات کی ناجائز تجارت کرتے رہے ہو۔ ایسے لوگ بھی تھوڑے کیا کافی دلیر ہوتے ہیں۔"

ناگر کچھ نہ بولا۔

"خیر میں تمہیں خود نہیں ماروں گا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تمہیں خودکشی کرنی
ے گی۔"

"خودکشی۔"

"ہاں.... ظاہر ہے کہ مسٹر کیو نے تمہیں ہپنوٹائز کر کے خودکشی ہی کے لئے بھیجا تھا اور اُس
تمہارے پیچھے کسی کو لگا بھی دیا تھا جس نے اسے اطلاع دی کہ تم مرنے سے بچا لئے گئے ہو۔"

"پھر....؟"

"پھر یہی کہ تمہیں خودکشی کر ہی لینی چاہئے ورنہ مسٹر کیو کو بڑا دکھ ہو گا اور میں نہیں چاہتا
اس بے سہارا یتیم کا دل دکھے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" ناگر خوفزدہ آواز میں ہنسا۔

"ویسے! تم رہتے کہاں ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں جانا کہاں ہے۔" حمید نے جھلا کر پوچھا۔

"بکومت.... ہاں.... تم نے نہیں بتایا۔"

"پرنس لین میں۔"

"مالدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ پھر قدرے توقف سے پوچھا "اور کون
ن ہے تمہارے ساتھ۔"

"کوئی نہیں.... میں تنہا رہتا ہوں۔"

"تب خودکشی کے لئے گھر ہی مناسب رہے گا۔"

"نہیں! نہیں۔" ناگر کانپتا ہوا بولا۔ "میں بالکل ویسا ہی محسوس کر رہا ہوں.... دریا میں
ودنے سے قبل.... نہیں.... میں خودکشی نہیں کروں گا۔"

"کیا محسوس کر رہے ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"بالکل یہی کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔ دریا میں کودنے سے قبل بھی یہی ایک خیال
میرے ذہن میں تھا کہ مجھے دریا میں کود جانا چاہئے.... نہیں نہیں میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"تم اپنے گھر میں خودکشی کرو گے۔" فریدی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔
ناگر کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔

خفیہ پیغام

تیسرے دن پرنس لین کی کوٹھی نمبر گیارہ میں ناگر کی لاش پائی گئی۔ داہنی کنپٹی پر گولی تھی۔ پولیس کو اس نتیجے پر پہنچنا پڑا کہ وہ خودکشی کا کیس تھا۔ کیونکہ قریب پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر مرنے والے ہی کے انگلیوں کے نشانات ملے تھے۔ کوٹھی کی تلاشی لینے پر کافی مقدار میں کوکین برآمد ہوئی اور پھر کچھ کاغذات بھی ملے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مرنے والا بڑے پیمانے پر منشیات کا ناجائز لین دین کرتا تھا۔

کوٹھی کے باہر کافی بھیڑ تھی جس میں اخباروں کے رپورٹر بھی تھے۔ پولیس نے کسی کو اندر نہیں جانے دیا۔ سرجنٹ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا لوگوں کی چہ میگوئیاں سنتا رہا پھر وہاں سے چل پڑا۔ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کا چشمہ.... لباس شکاریوں جیسا پہن رکھا تھا۔ اُس نے ایک ٹیکسی کی اور پھر روزنامہ نیو اسٹار کے دفتر کے قریب اُتر گیا۔

دفتر کے سامنے والے ریستوران میں داخل ہو کر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ دوسرے کنارے پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری اور حمید تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا رہا؟" اس آدمی نے پوچھا۔

"تمہاری خودکشی خاصی کامیاب رہی۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

ناگر ہنسنے لگا۔ اس کے چہرے پر بھی فریدی نے اپنی استادی دکھائی تھی۔ اتنا شاندار میک اپ تھا کہ خود ناگر ہی پہلے اچنبھے میں پڑ گیا تھا۔

"کافی بھیڑ ہوگی۔" ناگر نے پوچھا۔

"کچھ مت پوچھو تمہاری شادی پر بھی اتنے آدمی اکٹھا نہ ہوتے۔"

"لیکن لاش کہاں ملی تھی۔"

"اوہ! یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔" حمید اپنی نقلی مونچھوں کو اینٹھتا ہوا بولا۔ "سول ہسپتال سے ایک لاوارث مردہ لے کر اُس پر تمہارا میک اپ کر دیا گیا۔"

"لیکن.... مردے میں خون کہاں سے آیا ہوگا۔"

"یار تم ڈیوٹ ہو! ارے بکرے کا خون۔ ویسے تم بھی کسی بکرے سے کم نہیں ہو۔" حمید نے کہا "اب تم خودکشی کی وجہ بھی پوچھو گے۔"

"یقیناً....!"

"تمہارے مسٹر کیو کو مطمئن کرنے کے لئے۔ ورنہ وہ تمہیں پاتال میں بھی نہ چھوڑتا۔"

"کوئی اور وجہ۔" ناگر نے پوچھا۔ "ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔"

حمید تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے۔"

"کس بات کا۔" ناگر چونک کر بولا۔

"یہی کہ کہیں تمہاری کھوپڑی میں بھس کے بجائے عقل تو نہیں بھری ہوئی ہے۔" حمید نے اشارے سے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے بولا۔

"ایک کام کرو گے.... اوہ اچھا.... ٹھیک! یہ سامنے اخبار کا دفتر ہے نا! یہاں ایک مس ہیں.... جانتے ہو گڈ.... تو یہ لفافہ انہیں دے آؤ۔ کیا سمجھے؟"

حمید نے اس طرح اسے آنکھ ماری جیسے اس لفافے میں کوئی عشقیہ خط ہو۔

"اور یہ لو اپنا انعام۔" اُس نے ایک روپیہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ویٹر سلام کر کے چلا گیا۔

"کیوں اُستاد۔" ناگر اپنی ایک آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"ناگر....!" حمید نے سنجیدگی سے اُسے مخاطب کیا۔

"فرمائیے۔"

"تم نے کبھی عشق کیا ہے۔"

"کس سے۔"

"کسی سے۔"

"ہاں....!" ناگر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے زندگی کے ہر حصے میں دولت سے عشق رہا ہے۔"

"دھت....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم فلسفی معلوم ہوتے ہو.... خیر
تمہیں کنول نہیں پسند آئی تھی۔"

"دولت کسی ایک کنول کی پابند نہیں ہوتی۔" ناگر مسکرا کر بولا۔ "مگر وہ دوسری.... لڑ
میں اُسے کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"اوہو! بر سبیل تذکرہ.... یہ تو بتاؤ کہ اس رات کیا مجھے پہچان کر بے وقوف بنایا گیا تھا؟"

"قطعی....!" ناگر سر ہلا کر بولا۔ "کنول تمہیں پہچانتی تھی۔ اُس نے تو یہاں تک بتادیا تھا
وہ کیڈیلاک مسٹر فریدی کی تھی۔ حمید صاحب! میرا خیال ہے کہ کنول اس گروہ کے بہتر
دماغوں میں سے ہے اور اس حبشی کی تو اس سے روح فنا رہتی ہے۔"

"ہے زوردار....!" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"دنیا کی مکار ترین لڑکی کہہ لو۔" ناگر بولا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ناگر ہی بولا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"ہدایات کا انتظار۔"

"مسٹر فریدی کہاں ہوں گے۔"

"خدا ہی جانے! تمہارے مسٹر کیو کو بھی دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔" ناگر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا یہ کم حیرت انگیز
کہ میں نے خودکشی بھی کر لی ہے اور زندہ بھی ہوں۔ میری جگہ دراصل جیل خانہ میں ہونی چا
تھی۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کے ساتھ بیٹھا گپیں مار رہا ہوں۔"

"شش....!" حمید نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظریں دروازے کی طرف ا
ہوئی تھیں جہاں کرائم رپورٹر انور[1] اور محکمہ سراغ رسانی کا بوڑھا انسپکٹر آصف داخل ہو رہے تھے
انور ایک جواں سال خوبصورت، ذہین مگر لاپرواہ آدمی تھا۔ بظاہر تو ایک معمولی کرائم رپو
تھا۔ لیکن شہر میں ہونے والے جرائم سے اس کا تھوڑا بہت تعلق ضرور ہوا کرتا تھا۔ لیکن
ہوشیار تھا کہ قانون کی گرفت میں آنے سے قبل ہی کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے الگ ہو جاتا۔
کے آفیسروں میں فریدی کے علاوہ اور کسی سے نہیں دبتا تھا۔ فخریہ کہتا تھا کہ میں فریدی کا شا

[1] انور اور رشیدہ کے کارناموں کے لئے جلد نمبر 4 اور جلد نمبر 5 ملاحظہ فرمائیے۔

رشیدہ اس کی دوست تھی۔ دونوں ایک ہی دفتر میں کام کرتے تھے اور ایک ہی فلیٹ میں
ہتے تھے۔ رشیدہ کافی حسین مگر مضبوط اعضاء کی لڑکی تھی۔ چال ڈھال میں نسوانیت کی بجائے
ی قسم کی مردانگی رکھتی تھی۔

انسپکٹر آصف محکمہ سراغ رسانی کے ان آفیسروں میں سے تھا جو عموماً دوسرے کے کاندھے
ر رکھ کر بندوق چلانے کے قائل تھے۔ اس پر جب بھی کوئی آفت آتی وہ انور کے پیچھے لگ جاتا۔
س سے مدد کا طالب ہوتا، کبھی خوشامدیں کرتا اور کبھی دھونس دھڑلے سے کام نکالنے کی کوشش
رتا۔ انور اُسے عموماً "بوڑھے بیٹے" کہہ کر مخاطب کرتا۔ وہ تینوں حمید اور ناگر کے قریب ہی ایک
الی میز پر آبیٹھے۔

انور آصف سے کہہ رہا تھا۔ "چلو جلدی سے آرڈر پلیس کرو۔"

"تم ہمیشہ گردن ہی کاٹنے کی فکر میں رہتے ہو۔" آصف ہنس کر بولا۔ "خیر.... بوائے۔"

اس نے ویٹر کو بلا کر تین آدمیوں کے لئے لنچ کا آرڈر دیا۔

"ہوں.... اب کہہ چلو۔" انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ظاہر ہے کہ تم اس موقع پر نچلے نہ بیٹھو گے۔" آصف نے کہا۔ "میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ
ر مجھ سے مل کر کام کرو تو کیا حرج ہے؟"

"چلو منظور ہے۔ میں مرتے دم تک تم سے مل کر کام کرتا رہوں گا۔ کام بھی تو بتاؤ۔"

"اڑنے لگے آخر! میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"

"خیر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"آخر وہ رائفل.... کس کی ہو سکتی ہے۔" آصف نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری ہی ہے۔" انور نے سنجیدگی اور لاپروائی سے کہا۔

"پھر وہی۔" آصف بگڑ کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

حمید اور ناگر آئس کریم کھانے میں مشغول تھے۔

"تمہارے استاد" آصف تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "تو نہ جانے کس چوہے کی بل میں
جا گھسے ہیں۔"

"اور آخر میں یقیناً کسی ہاتھی کی سونڈ پکڑے ہوئے برآمد ہوں گے۔" انور بولا۔

"ہونہہ....!" آصف نے بُرا سا منہ بنایا۔

ویٹر نے کھانا میز پر لگا دیا تھا۔

"بہرحال تم اطلاعات چاہتے ہو۔" انور نے کہا۔ "لہٰذا سب سے بڑی اطلاع یہ ہے کہ اب [illegible]
تک میں تو خود ہی اندھیرے میں ہوں۔"

"میں اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"تم تو شائد اسے بھی تسلیم نہ کرو کہ بعض اوقات تم بڑے حسین معلوم ہوتے ہو، [illegible]
برسبیل تذکرہ میرے پاس سگریٹ بھی نہیں ہیں۔"

"تم ڈاکو ہو۔" آصف بگڑ کر بولا۔ "میرے پاس زیادہ پیسے نہیں ہیں۔"

"کیوں! کیا اب اس فیشن ایبل بوڑھی عورت سے کچھ نہیں ملتا جس نے مارٹن روڈ پر [illegible]
خانہ کھول رکھا ہے۔"

آصف تحیر آمیز نظروں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر کچھ بڑبڑاتے ہوئے اس نے [illegible]
سے پرس نکالا۔

انور نے ویٹر کو آنکھ کے اشارے سے بلا کر آہستہ سے کہا۔ "اسٹیٹ ایکسپریس کے دو ٹن۔"

"دو نہیں ایک۔" آصف جھلا کر بولا۔

"اس عورت کے پاس ایک لڑکی بھی....!"

آصف نے انور کو جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ دس کا ایک نوٹ نکال کر ویٹر کے ہاتھ میں [illegible]
ہوا جلدی سے بولا۔ "چلو بھاگ کر جاؤ دو ہی لانا۔"

پھر وہ قہر آلود نظروں سے انور کو گھورنے لگا۔ رشیدہ دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرا رہی [illegible]

"آج کل میں بڑی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔" انور سر جھکائے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "فلیٹ [illegible]
تین ماہ کا کرایہ چڑھ گیا ہے۔ لانڈری والے نے تقاضوں کی بھرمار کر رکھی ہے۔ رشیدہ کا [illegible]
قرض دار ہوں۔"

"یار تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"صرف دو سو روپے مجھے بطور قرض دے دو۔" انور اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولا۔ "[illegible]
پائی ادا کر دوں گا۔"

"میں کوئی قارون ہوں۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"خیر نہ دو۔" انور نے معصومیت سے کہا۔ "ویسے میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں۔"

"تم کچھ نہیں کر سکتے۔" آصف بھڑک اٹھا۔

"یہ تو تم سچ کہہ رہے ہو۔" انور نے ٹھنڈے پانی کا گلاس چڑھا کر پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

سگریٹ آگئے اور ویٹر میز صاف کر کے چلا گیا۔ آصف انور کو بدستور گھورتا رہا۔

"تم خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگے ہو۔" اُس نے کہا۔

"ایک ایسا یتیم جو قطعی بے سہارا ہو۔" انور مسمسی صورت بنا کر بولا۔

آصف کی جھلاہٹ اور بڑھ گئی اور وہ رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔

"تم بھی نہیں سمجھاتیں اسے! مجھے یقین ہے کہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔"

"کبھی کبھی سمجھا دیا کرو بھئی۔" انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ ہنس پڑی۔

آصف بل ادا کر کے اٹھنے لگا۔

"تو تم میری مدد نہیں کرو گے۔" انور نے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... نہیں۔"

"خیر اب اس عورت کی خیر نہیں.... اور جو کچھ بھی بیان وہ عدالت میں دے گی ظاہر ہے۔"

"تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

"جتنی بھی طرح دیتا ہوں اتنا ہی تم سر پر چڑھتے ہو۔"

"خیر اگر میں سر پر چڑھا ہوتا تو تم ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور لوتھڑوں کا ڈھیر ہوتے۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔" آصف ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔

"تم میری مدد کرو! میں تمہاری مدد کروں گا اور ساتھ ہی دعا کروں گا کہ خدا میرا اور تمہارا
بیڑا پار کر دے۔"

"تم مجھ سے ایک حبہ بھی نہیں لے سکتے۔"

"تمہاری مرضی! میں زبردستی کا قائل نہیں۔" انور نے آہستہ سے کہا اور اس کے چہرے پر
فرشتوں کی سی معصومیت نظر آنے لگی۔

"اچھا پچھلے ہی مہینے میں مجھ سے ڈھائی سو لے چکے ہو۔"

"یہ بھی تو سوچو کہ تم نے پچھلے مہینے میں لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں ڈیڑھ ہزار کمائے تھے۔"

"آہستہ بولو۔" آصف ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "عجیب لغو آدمی ہو۔"

"بہر حال اگر تم نے ڈیڑھ ہزار میں سے ڈھائی سو نکال دیئے تو کون سا بڑا کمال کیا۔"

"میں ایک پائی بھی نہ دوں گا۔"

"مانگتا کون ہے تم سے۔" انور بھی بگڑ کر بولا۔ "میں براہِ راست اسی سے معاملہ طے کرلوں گا۔"

"کیا....!" آصف اچھل کر بولا۔ "تم اس سے بات بھی نہیں کر سکتے۔"

"بات!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں اسے فلمی گیت تک سناؤں گا۔"

"خیر دیکھ لوں گا۔"

"تمہاری آنکھیں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ چشمہ لگا کر دیکھنا۔"

"اچھا....!" آصف دانت پیستا ہوا بولا۔ "دیکھا جائے گا۔"

وہ تیزی سے ریستوران سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہی ناگر اور حمید بھی اٹھ گئے۔

رشیدہ انور کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم کسی دن ضرور پھنسو گے۔" اس نے کہا۔

"شکار نکل گیا۔" انور ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ہر مہینے تو لوٹتے ہو! غریب کو۔"

"غریب کہتی ہو۔ اس لکھ پتی کو۔ اس سے بڑا راشی شاید پورے محکمے میں کوئی نہ ہو۔"

"حالت تو چماروں جیسی بنائے رکھتا ہے۔"

"نوابی کر کے گردن تھوڑا ہی کٹوائے گا۔" انور بولا۔

"ابھی ابھی فریدی صاحب کا خط ملا۔" رشیدہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیا لکھا ہے؟"

"جیمس اینڈ جعفری کی فرم کے لئے ایک لیڈی اسٹینو ٹائپسٹ کی جگہ نکلی ہے! آج ہی انٹرویو ہے۔ فریدی صاحب نے لکھا ہے کہ میں انٹرویو میں جاؤں۔"

"تو گویا.... وہ چاہتے ہیں کہ تم اس فرم میں ملازمت کرلو۔"

"اور کیا....؟"

"میرے لئے کچھ نہیں لکھا۔"

"نہیں.... بہت ممکن ہے کہ آگے چل کر تم بھی جھونکے جاؤ۔"

"شاید یہ میرے لئے پہلا اتفاق ہے کہ شہر میں ہونے والے کسی جرم کے متعلق لاعلم ہوں۔"

رشیدہ کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"اوہ....!" انور پر خیال انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ وہی رائفل والا چکر ہے۔ وہ ...ں کہاں۔ یہ سب کچھ نہیں لکھا۔"

"خط کس سے ملا۔"

"یہیں کے ایک ویٹر سے۔"

"ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فریدی صاحب کے ہاتھ کوئی کڑی آگئی ہے۔ اسی لئے ان پر حملہ ہوا تھا۔"

"ہو سکتا ہے.... وہ مائیکروفون والا معاملہ بھی معمولی نہیں تھا۔"

"اور شاید وہی حملے کا باعث بھی تھا۔ فریدی صاحب کے اس انکشاف نے اس عجیب و ...یب اسلحے کو قریب قریب بیکار ہی کر دیا۔"

"سرجنٹ حمید کا بھی کہیں پتہ نہیں۔" رشیدہ بولی۔

"ساتھ ہی ہو گا۔"

"اچھا تو اب وقت ہو رہا ہے.... میں چلی۔" رشیدہ کلائی کی گھڑی دیکھ کر اٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ پیسے ہیں تمہارے پاس۔" انور نے کہا۔ "تنخواہ پر لے لینا۔"

"ایک پائی بھی نہیں.... میں نہیں دے سکتی۔"

"نہ جانے کیوں آج بہت حسین لگ رہی ہو۔"

"نہیں میں حبشن ہوں۔" رشیدہ نے منہ بنا کر کہا اور باہر نکل گئی۔

انور انتہائی تلخی سے ہونٹ سکوڑے ہوئے سیٹی بجانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ڈراؤنا آدمی

جیمس اینڈ جعفری کا دفتر رحمٰن لاج کے تین چار فلیٹوں پر مشتمل تھا۔ شہر کی بڑی فرموں میں جیمس اینڈ جعفری کا بھی شمار ہوتا تھا۔ فرم کا ایک پارٹنر جعفری ہی اس کا جنرل منیجر بھی تھا۔ دوسرے حصے دار غیر ملکی تھے۔ جیمس سب سے بڑا حصہ دار اور ہالینڈ کا باشندہ تھا لیکن وہ یہاں نہیں رہتا تھا۔ اس کی یہاں کی تجارت کی دیکھ بھال اس کا مختار مسٹر ہر شفیلڈ کرتا تھا۔ وہ بھی ہر ماہ کے اختتام ہی پر دفتر میں آتا تھا۔ مختصر یہ کہ فرم حقیقتاً جعفری ہی کی کارکردگی کی بناء پر چل رہی تھی۔

جعفری کے کمرے کے سامنے ایک بڑا کمرہ تھا جس میں اس کی سیکریٹری راحیلہ بیٹھتی تھی اور شاید یہی کمرہ ملاقاتیوں کے لئے بھی تھا۔ حالانکہ انٹرویو کا وقت دو بجے تھا لیکن نو ہی بجے سے امیدوار آنے لگی تھیں۔ دو بجتے بجتے تو خاصی بھیڑ ہو گئی۔ ان میں سبھی نوجوان اور قبول صورت تھیں۔ جو نہیں بھی تھیں انہوں نے بننے کی کوشش کی تھی۔ انہیں میں رشیدہ بھی نظر آرہی تھی۔ ابھی تک اس کا نمبر نہیں آیا تھا۔ انٹرویو کے لئے اندر جانے سے پہلے ہر لڑکی اپنے پرس سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنے بالوں اور چہرے پر تنقیدی نظریں ضرور ڈالتی تھی۔ بعض ہونٹوں پر لپ اسٹک کی نئی تہہ چڑھانے لگتیں۔ رشیدہ نے اپنا پرس ٹٹولا لیکن اس میں کیا تھا۔ انور اسے ایک کنگھا تک تو رکھنے نہیں دیتا تھا۔ لپ اسٹک تو خیر اس نے برسوں سے نہیں استعمال کی تھی۔ انور کا قول تھا کہ لپ اسٹک لگانے سے حسن کی عصمت دری ہو جاتی ہے اور چہرے سے فاحشہ پن ٹپکنے لگتا ہے۔ البتہ ہلکے سے پاؤڈر اور اتنے ہلکے سے روج پر کہ سرخی قدرتی معلوم ہو اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ابھی کئی لڑکیاں باقی تھیں کہ سیکریٹری نے آکر رشیدہ کا نام لیا۔

رشیدہ لاپرواہی سے اٹھی اور اس کے ساتھ ہولی۔ سیکریٹری نے دروازہ کھولا اور رشیدہ جنرل منیجر مسٹر جعفری کے کمرے میں داخل ہوئی۔

دو سرخ اور خوفناک آنکھیں اس کی طرف اٹھیں اور رشیدہ کانپ گئی۔ بھاری جبڑوں اور تیکھے خدوخال کا ایک ڈراؤنا آدمی اُسے گھور رہا تھا۔ اس کے شانے کافی چوڑے اور بھرے ہوئے تھے۔ پیشانی اونچی اور بال گھونگھریالے تھے لیکن نہ جانے کیوں اُن میں کوئی دلکشی نہیں تھی۔

"آہم....!" اس نے غرا کر سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کا حلق خشک ہونے لگا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جسم ریشہ ریشہ کانپ رہا ہو۔

"آہم.... نام....!" وہ غرایا۔

"رشیدہ....!" وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

"تعلیم....!"

"بیچلر آف آرٹس۔"

"نانسنس، گریجویٹ کہو.... لڑکی بھی بیچلر.... ایبسرڈ۔"

"گریجویٹ....!" رشیدہ گھبرا کر بولی۔

"لپ اسٹک کبھی نہیں استعمال کرتیں یا آج ہی نہیں کی۔"

"کبھی نہیں۔"

"گڈ....!"

پھر اس نے اپنی سیکریٹری کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "کوئی اور بھی ایسی ہے جس نے لپ اسٹک نہ لگا رکھی ہو۔"

"جی نہیں۔" سیکریٹری کی کپکپائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"سب کو رخصت کر دو۔" وہ غرایا۔ "اور اگر تم نے بھی اس کا استعمال ترک نہ کیا تو تمہیں بھی رخصت کر دیا جائے گا.... سمجھیں۔"

"جی ہاں۔" وہ مری ہوئی آواز میں بولی اور باہر چلی گئی۔

"ڈکٹیشن....!" اس نے رشیدہ کی طرف کاغذ اور پنسل سرکاتے ہوئے کہا۔

رشیدہ کا ہاتھ کانپ رہا تھا لیکن وہ پنسل پکڑ کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بول رہا تھا اور رشیدہ کا ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ایک بار بھی اس سے نظریں چار ہو گئیں تو وہ جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیتوں سے بیکار ہو جائے گی۔

"بس....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جاؤ اسے ٹائپ کرو۔"

رشیدہ کمرے سے چلی آئی۔ بڑے کمرے میں سیکریٹری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی میز پر سر اوندھائے بیٹھی تھی اور اس کے جسم کی متواتر جنبشوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سسک سسک کر رو رہی ہے۔ رشیدہ چپ چاپ بیٹھ کر ٹائپ کرنے لگی۔ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ فریدی نے کہاں پھنسا دیا۔

تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجی اور سیکریٹری اچھل کر سیدھی ہو گئی۔ اس نے جلدی جلدی اپنی آنکھیں خشک کیں لباس درست کیا اور اندر چلی گئی۔ رشیدہ نے محسوس کیا کہ اس نے اپنے ہونٹ صاف کر ڈالے ہیں۔

رشیدہ ٹائپ کر چکنے کے بعد انتظار کرتی رہی۔ سیکریٹری اندر تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اتنی دیر تک ٹٹول ٹٹول کر ٹائپ کرتی رہی۔ لیکن اس کی بھی ہمت نہیں تھی کہ جعفری کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتی۔

جیسے ہی سیکریٹری کمرے سے نکلی وہ کھڑی ہو گئی۔

"ہو گیا۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔ سیکریٹری نے سر کو خفیف سی جنبش سے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور اپنی میز پر بیٹھ گئی۔

رشیدہ اندر چلی گئی۔

"آہم.... سٹ ڈاؤن۔" جعفری غرایا۔

رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے شیٹ اُس کی طرف بڑھا دی۔

"ٹھیک! پہلے کہاں کام کیا ہے۔"

"نیو اسٹار کے دفتر میں۔"

"وہاں سے کیوں چھوڑا۔"

"زائد سٹاف میں تھی۔"

"آہم! کتنی تنخواہ تھی۔"

"ڈھائی سو۔"

"لیکن یہاں صرف دو سو ملیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"گڈ!" اس نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک کر کہا۔ "ایک بات اور.... تم اپنے کام سے کام رکھو گی۔ وہ بات جس سے تمہیں کوئی سروکار نہ ہو اپنی دلچسپیوں کی لسٹ پر نہیں لاؤ گی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"آہم.... کچھ نہیں.... بس۔" اس نے گھنٹی بجائی اور سیکریٹری پھر اندر آ گئی۔

"انہیں کام بتاؤ۔" اس نے ایک کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

سیکریٹری رشیدہ کو لے کر بڑے کمرے میں چلی آئی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور ناک کے نتھنے سرخ ہو گئے تھے۔ اس نے ایک فائل نکال کر رشیدہ کے سامنے ڈال دیا۔

"تاریخ وار ٹائپ کرتی جاؤ۔ ایک ایک نقل بھی ہو گی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

رشیدہ صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ ویسے وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ وہ فائل سے کاغذات نکال کر ٹائپ کرنے بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد جعفری اپنے کمرے سے نکل کر اُن کی طرف دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔ اس کے جوتوں کی چرچراہٹ کافی دیر تک سنائی دیتی رہی۔

رشیدہ ٹائپ کر رہی تھی لیکن اس کا ذہن اسی عجیب و غریب آدمی میں الجھا ہوا تھا اور اس کی سیکریٹری راحیلہ تو اس سے بھی عجیب تر معلوم ہو رہی تھی۔ یہ ایک دبلی پتلی سی کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ آنکھیں بڑی اور پلکیں گھنیری تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہر وقت کسی انجانے نشے سے بوجھل رہتی ہوں۔ رشیدہ نے اسے آفس میں روتے دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اگر اپنے مالک کا رویہ اپنے لئے توہین آمیز سمجھتی ہے تو یہاں کیوں پڑی ہوئی ہے جعفری جیسا وحشی بھی آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔ اس نے اس غریب لڑکی سے کتنی بے دردی سے باتیں کی تھیں۔ شاید وہ عورت کا احترام کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔

رشیدہ سوچتی رہی اور اس کی انگلیاں تیزی سے Key Board پر چلتی رہیں۔ اس نے یہ تک نہ محسوس کیا کہ راحیلہ اس کے قریب ہی آ کر بیٹھ گئی ہے۔

"کیا تمہیں کہیں اور ملازمت نہ ملتی۔" اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا اور رشیدہ چونک پڑی۔

"ملازمت کہاں ملتی ہے آج کل۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"دو ہی تین ہفتوں میں تمہارے گالوں کی ہڈیاں اُبھر آئیں گی۔"

"کیوں....!"

"اوہ! کیا تم نے کچھ نہیں محسوس کیا۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "کیا وہ آدمی ہے درندہ وحشی....!"

"لیکن.... یہی میں بھی سوچ رہی تھی کہ آخر تم....!"

"میں....!" وہ رشیدہ کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں مجبور ہوں۔ میری ایک اندھی بیو ہے چھ بھائی بہن ہیں۔ وہ سب چھوٹے ہیں۔ اگر میں یہاں ملازمت ترک کردوں تو ان کا کیا مجھے یہاں تین سو روپے ملتے ہیں۔ زہر کی تین سو بوندیں، تین سو خنجر، جو چاہو سمجھ لو۔"

"یہ ہمیشہ ایسا ہی رہتا ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"ہمیشہ.... تم ہر وقت یہی محسوس کروگی کہ تم پر ایک سانپ پھن اٹھائے مسلط ہے، نہیں کب ڈس لے۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"ڈیڑھ سال سے.... اور یہ ڈیڑھ سال ایسے معلوم ہوئے ہیں جیسے ڈیڑھ ہزار برس گذ ہوں۔"

"اس فرم کی خاص تجارت کیا ہے۔"

"لوہے کا سامان، سمندر پار کی ادویات، چمڑہ اور بھی کچھ ایسی چیزیں جن کیلئے خاص اسٹاف۔"

"جنرل منیجر کا قیام کہاں ہے۔"

"خدا ہی جانے۔"

"کیوں؟" رشیدہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ ایک قطعی غیر سوشل آدمی ہے۔ کم از کم میں تو قطعی نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا۔ اس کی کیا مشغولیات ہیں۔"

"بیوی بچے ہیں۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"بیوی بچے۔" راحیلہ زہر خند کے ساتھ بولی۔ "جانوروں کے بیوی بچے نہیں ہوا کر۔"

دور کہیں جوتوں کی چرچراہٹ سنائی دی اور راحیلہ اچھل کر اپنی میز پر جا بیٹھی۔ رشـ

انگلیاں Key Board پر دوڑنے لگیں راحیلہ گھبراہٹ میں ایک فائل الٹ رہی تھی۔ جوتوں کی چراہٹ قریب ہوتی جارہی تھی اور پھر کمرہ گونجنے لگا۔ جعفری دونوں کی میزوں کے درمیان رک گیا۔ دونوں اس طرح کام میں مشغول نظر آرہی تھیں جیسے انہیں اس کے آنے کی لاع ہی نہ ہو۔ البتہ راحیلہ کانپ رہی تھی۔

"آہم....!" جعفری غرایا۔ "غپیں لڑ رہی تھیں.... لڑکی۔" اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا۔ "نہ ہی ہو.... لیکن.... آفس ٹائم میں.... صرف کام ہونا چاہیئے۔"

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رشیدہ بدحواسی سے ٹائپ کرتی رہی۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کی آواز اب تک اس کے سر میں دھمک پیدا کررہی تھی اور راحیلہ بالکل پیلی پڑ گئی تھی۔

چار بجے پوری عمارت گھنٹیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ رشیدہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ راحیلہ لیں اٹھا اٹھا کر الماری بند کررہی تھی۔ شاید یہ کام ختم ہونے کی گھنٹی تھی۔ رشیدہ بدستور ٹائپ تی رہی۔

"مشین بند کرو۔" راحیلہ نے اس کے قریب آکر کہا۔

"یہ شیٹ تو نکال لوں۔" رشیدہ بولی۔

"نہیں گھنٹی بجنے کے بعد کوئی کام نہیں کرسکتا۔"

"خیر اگر تم کچھ اور بھی سننا چاہتی ہو تو مجھے اعتراض نہیں۔" راحیلہ نے منہ بنا کر کہا اور اپنا ڈبیگ اٹھانے لگی۔

"ٹھہرو۔" رشیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی جلدی شیٹ ٹائپ رائٹر سے نکالا اور دوسرے کاغذات سمیٹ کر فائل میں رکھ دیئے۔

پھر وہ دونوں آفس سے نکل آئیں۔

"تو ہم گہرے دوست ہیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "آؤ چائے پئیں۔"

"چائے۔" راحیلہ کی آواز کھوئی کھوئی سی تھی۔ "مجھے فوراً ہی گھر پہنچنا ہوتا ہے.... ماں اندھی ہے نا۔ دوسری بہنیں بھی چھوٹی ہیں۔ اگر میں تھوڑا بہت وقت تفریحات کے لئے وقف کردوں تو.... مجھے دراصل یہاں سے جاکر کھانا تیار کرنا ہوگا۔"

"تو پھر مجھے اپنا گھر ہی دکھا دو۔"

"اوہ بڑی خوشی سے۔" راحیلہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "ضرور چلو، ماں بہت خوش ہوگی۔ میرا کوئی دوست نہیں، مجھ جیسی مردہ دل سے کون دوستی کرے گا۔ آج کل دوستیاں تو عموماً کلبوں، باروں اور ریسٹورانوں تک محدود ہوتی ہیں۔ اوہ..... ابھی تک بس نہیں آئی۔"

"ٹیکسی سے چلیں گے۔" رشیدہ نے لاپروائی سے کہا۔

"ٹیکسی.....!" راحیلہ نے اس طرح دہرایا جیسے رشیدہ نے ہوائی جہاز کہا ہو۔

"ہاں..... ہاں..... میرے پاس کافی پیسے ہیں۔ میں اکیلی ہی ہوں نا..... کافی پیسے بچتے ہیں۔"

"تم اکیلی ہو۔" راحیلہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

رشیدہ نے ایک ٹیکسی رکوائی اور دونوں اس میں بیٹھ گئیں۔ پھر اُس نے راحیلہ سے پتہ پوچھ کر شوفر کو بتایا اور ٹیکسی چل پڑی۔ راحیلہ اب تک رشیدہ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا کوئی مرد دوست نہیں۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"نہیں کوئی نہیں۔" راحیلہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں نے آج تک اس کی ہمت ہی نہیں کی۔"

"کیوں؟"

"میں اپنی ہی ذات سے بڑی خائف رہتی ہوں کہ میرے ہی جذبات مجھے تنکے کی طرح نہ جانے کدھر بہا لے جائیں گے پھر میری اندھی ماں کا کیا بنے گا۔ میرے ننھے ننھے بھائی بہن۔"

راحیلہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے جنہیں وہ دوسری طرف منہ پھیر کر چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

رشیدہ کچھ نہ بولی اور اس لڑکی کی بیچارگی پر غور کر رہی تھی۔ دونوں خاموش تھیں۔

دفعتاً راحیلہ چیخ پڑی..... وہ سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔

ٹیکسی کے ڈرائیور کی لاپرواہی تھی یا سامنے سے آنے والی کار میں بیٹھے ہوئے آدمی کی کہ دونوں کاریں بس ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئیں۔ بریکوں کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں سیٹ کی پشت سے ٹکرا گئیں۔

دوسرے لمحے میں انہوں نے غراہٹ قسم کی آواز سنی جو جنرل منیجر جعفری کی آواز کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی کار سے اُتر کر سیدھا ٹیکسی کی طرف آیا کھڑکی کھولی

شوفر کو گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ اس نے ان دونوں کی طرف دھیان تک نہ دیا تھا۔

ڈرائیور کو دو تین ہاتھ جھاڑنے کے بعد وہ نہایت سکون سے اپنی کار میں جا کر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

ڈرائیور کئی منٹ تک گالیاں بکتا رہا۔ ٹیکسی کے گرد اچھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

"کیوں صاحب میری غلطی تھی۔" وہ ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا ان دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔

"نہیں.....!" رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔

"خیر سالے کو پھر کبھی دیکھ لوں گا۔ اُسے بھی یہیں رہنا ہے اور مجھے بھی۔"

ٹیکسی روانہ ہو گئی مگر ڈرائیور بدستور بڑبڑائے جا رہا تھا وہ کچھ اس قسم کی باتیں کر رہا تھا جیسے شہر میں جتنے بھی قتل ہوتے ہیں اسی کے دم سے اور جتنی بھی بدمعاشیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب کا روحِ رواں وہی ہے۔ دنیا میں اب تک جتنے بھی سرکش گذرے ہیں انہیں اسی نے نیچا دکھایا تھا۔

رشیدہ اور راحیلہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبانیں پھیر رہی تھیں۔

حمید کی شرارت

تقریباً آٹھ بجے رشیدہ راحیلہ کے گھر سے واپس آئی۔ راحیلہ کے متعلق اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک سعادت مند بیٹی اور محنت کرنے والی بہن ہے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کی گھریلو زندگی کے متعلق سوچ سوچ کر کافی دیر تک لطف اندوز ہوتی مگر اس کا ذہن تو اپنی فرم کے جنرل منیجر جعفری میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اگر انسپکٹر فریدی نے اسے نہ بھیجا ہوتا تب بھی اور کسی موقع پر اس کی شخصیت رشیدہ کے ذہن پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ضرور پیدا کرتی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اس نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھے گی کیا وہاں کوئی ایسا کام بھی ہوتا تھا جو کسی دوسرے کی کھوجی طبیعت میں بے چینی پیدا کر سکتا ہو۔

وہ فٹ پاتھ پر پیدل چل رہی تھی۔ دفعتاً اُس کے قریب سے گذرتے ہوئے دو آدمیوں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔ وہ دبی زبان سے اسی عجیب و غریب رائفل کا تذکرہ کر رہے تھے جس نے پُر اسرار طریقے پر وزیرِ خزانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ انداز گفتگو ایسا تھا جیسے

وہ اس کے متعلق کچھ جانتے ہوں اور ان آدمیوں سے بھی واقف ہوں جنہوں نے اسے استعمال کیا تھا۔

رشیدہ چپ چاپ ان کا تعاقب کرنے لگی کیونکہ وہ ان کی حقیقت سے ناواقف تھی۔ ان میں ایک سرجنٹ حمید تھا اور دوسرا ناگر، حمید نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ وہ ابھی تک شکاری ہی والے بھیس میں تھا اور اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی اور اس نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رائفل کا تذکرہ چھیڑا۔ دن بھر کی کوفت کے بعد وہ تھوڑی سی تفریح بھی کرنا چاہتا تھا۔ آج وہ اور ناگر ٹیلی فون ایکسچینج کے گرد منڈلاتے رہے تھے۔ ٹیلی فون ایکسچینج میں اُسی دن محکمہ سراغ رسانی کے دو تین آدمی بحیثیت ٹیلی فون آپریٹرز داخل ہوئے تھے۔ انہیں فریدی کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ مسٹر کیو کے پیغامات پر نظر رکھیں اور انہیں نوٹ کر کے اس تک پہنچائیں۔ حمید دن بھر کی رپورٹ لے کر جا ہی رہا تھا کہ رشیدہ نظر آ گئی۔

حمید اور ناگر نے ایک ریستوران کا رخ کیا۔ رشیدہ پیچھے لگی رہی وہ ان کے قریب ہی کی ایک خالی میز پر جا بیٹھی۔ حمید اور ناگر سرگوشیوں میں گفتگو کرتے رہے۔ بظاہر وہ رشیدہ کی طرف سے لاعلم نظر آ رہے تھے۔

رشیدہ نے کافی منگوائی لیکن اسے پتہ نہیں کہ کب ختم ہو گئی۔ وہ دراصل ان کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

اپنی چائے ختم کرنے کے بعد حمید اور ناگر اٹھ گئے۔ رشیدہ کا شبہ یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے جلدی سے بل ادا کیا اور باہر نکل آئی۔ دونوں فٹ پاتھ پر آہستہ چل رہے تھے۔ سڑک سے گذر کر وہ ایک گلی میں مڑ گئے۔ رشیدہ کافی فاصلے پر ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ نہ جانے کتنی پیچ در پیچ گلیوں سے اسے گذرنا پڑا۔ وہ دونوں کہیں رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

وہ پھر ایک تاریک گلی میں مڑے اور رشیدہ جیسے ہی اس گلی میں داخل ہوئی اس نے محسوس کیا کہ دونوں کے قدموں کی آوازیں آنی بند ہو گئی ہیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ دفعتاً کوئی ٹھنڈی سی چیز اس کی کنپٹی سے آلگی۔

"خبردار۔" ایک سرگوشی سنائی دی۔ "آواز نکلی اور کھوپڑی صاف۔ بغیر آواز کا ریوالور

ہے..... آگے چلو..... چلو.....!"

اب ریوالور کی نال اس کی پیٹھ پر تھی اور وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔

"داہنے مڑو..... چلتی رہو..... ٹھیک..... اب رک جاؤ۔"

تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنائی دی اور کوئی دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھلا۔ گلی میں عجیب طرح کی سیلی سیلی سی بدبو گونج رہی تھی۔

"چلو اندر چلو..... شاباش۔" سرگوشی پھر سنائی دی۔ حمید حتی الامکان اپنی آواز بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رشیدہ پرلے سرے کی چالاک اور ذہین ہے اگر پہچان گئی تو ساری تفریح کرکری ہو جائے گی۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ پھر سوئچ آن کرنے کی آواز آئی اور راہداری روشن ہو گئی۔ رشیدہ نے خود کو انہیں دونوں کے درمیان میں پایا۔ گھنی مونچھ والے شکاری کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"آگے بڑھئے..... محترمہ۔" سرجنٹ حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

"اس کا مطلب.....!" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"اندر لغت موجود ہے۔ مجھے مطلب زبانی نہیں یاد رہا کرتے۔"

"مجھے جانے دو..... ورنہ شور مچاؤں گی۔"

"اونچی سے اونچی عورت سے بھی میں یہی توقع رکھتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "چلئے۔"

رشیدہ بے بسی سے چلنے لگی۔ وہ ایک کمرے میں آئے جہاں کئی پرانی اور زنگ خوردہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"تشریف رکھئے۔" حمید نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ بیٹھ گئی۔

"مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کہ میں آپ کو یہاں کس لئے لایا ہوں۔" حمید نے ذہن پر زور دینے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" رشیدہ بگڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"جاؤ ایک چھرا تلاش کرو۔" حمید نے ناگر کو مخاطب کر کے کہا۔ ناگر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید رشیدہ کی طرف دیکھ کر خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے جو لڑکی پسند آتی ہے

اُسے میں اپنی پہلی فرصت میں ذبح کر ڈالتا ہوں۔"

رشیدہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"اس لئے ذبح کر ڈالتا ہوں کہ وہ کسی اور کو نہ پسند آجائے۔" حمید نے پھر کہا۔

"بکو نہیں! مجھے جانے دو۔" رشیدہ جی کڑا کر کے بولی۔

"افسوس!" حمید مغموم آواز میں بولا۔ "میں سمجھا تھا کہ تم پہلی ہی نظر میں مجھ پر عاشق ہو گئی ہو گی۔"

رشیدہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ کسی پاگل کے ہتھے نہیں چڑھ گئی۔ اتنے میں ناگر ایک بڑا سا چھرا لے کر آگیا۔ حمید نے ہاتھ میں لے کر اس کی دھا دیکھی پھر بگڑ کر بولا۔

"اس سے تو موم کی عورت بھی نہ ذبح ہو گی۔ جا کر تیز کرو۔"

ناگر چھرا لے کر پھر چلا گیا۔

"جب سے تمہیں دیکھا ہے۔" حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیٹھ عشقیہ انداز میں بولا۔ "دل کبھ نیچے کبھی اوپر.... تمہارا خون کتنا لذیذ ہو گا۔ اور تمہاری بوٹیاں.... ہائے.... ہائے.... بغ ریشے کا گوشت.... ہولے ہولے احتیاط سے چباؤں گا۔ بوٹیاں دانتوں کے نیچے پھسلیں گی... ہائے.... ہائے۔"

وہ اچھل اچھل کر زور زور سے سینہ پیٹنے لگا۔

رشیدہ کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا لہرانے لگا۔

"سنتی ہو۔" حمید نے پھر ہانک لگائی۔ "تمہاری انگلیوں کی ہڈیاں.... رسیلی ہڈیاں.... کر کرر چباؤں گا۔"

رشیدہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگ یہ پاگل ہے تو اس کا ساتھی تو پاگل نہیں ہو سکتا۔ کس وبال میں پھنس گئی۔

"ڈرو نہیں بھئی۔" حمید بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔ "ڈر کر تم سارا مزہ کرکرا کر دو گی۔"

"مجھے جانے دو۔" رشیدہ گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخی۔

"اس مکان کی دیواریں خاص طور سے بنائی گئی ہیں۔" وہ پُر سکون لہجے میں بولا۔ "تم اچھ

ح چیخ چیخ کر دیکھ لو کوئی جو مدد کو آئے۔ چلو تمہیں ان لڑکیوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں دکھاؤں بن پہلے کھا چکا ہوں۔ ارے اب تو رال بھی ٹپکنے لگی۔ کہاں مر گیا۔ بھائی، اے کیا ابھی تک ابی نہیں تیز ہوا۔"

"خدا کے لئے مجھے جانے دو۔"

"کیا تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں کھا جاؤں۔"

"نہیں....!" رشیدہ بوکھلا کر بولی۔

"اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو مجھے یاد رکھو گی۔"

"ہاں....!" رشیدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کیا سن رہی ہے۔

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"رشیدہ....!"

"تب تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔"

"کیوں....؟"

"رشیدہ جو نام ہے تمہارا۔ ہر وہ نام مجھے بہت پیارا لگتا ہے جس میں شین ہو رشیدہ.... ہائے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ہانک لگائی۔ "ابے تیز ہو گیا چھرا۔"

"تیز کر رہا ہوں۔" کسی دوسرے کمرے سے آواز آئی۔

"جلدی کرو۔"

"نہیں.... نہیں....!" رشیدہ گھگھیائی۔

"ارے.... واہ.... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ سب سے پہلے تمہارے ہونٹ کاٹوں گا پھر لوں کا گوشت اتاروں گا.... ہائے ہائے۔"

وہ کسی ندیدے آدمی کی طرح منہ چلانے لگا۔

"بچاؤ.... بچاؤ" رشیدہ زور سے چیخی۔

حمید ہنسنے لگا۔ دور کہیں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی جلدی جلدی زینے طے کر رہا ہو۔

"چپ رہو.... چپ رہو۔" حمید دھیرے سے بولا۔ "میرا باپ آرہا ہے۔"

"بچاؤ....!" رشیدہ پھر چیخی۔

"عجیب احمق لڑکی ہو۔ خدا غارت کرے تمہیں۔ سارا مزہ کرکرا کر دیا۔"

قدموں کی آوازیں نزدیک ہوتی جارہی تھیں۔ پھر ایک دروازہ کھلا اور رشیدہ کو انسپکٹر فر
دکھائی دیا۔ وہ چیخ کر اس کی طرف جھپٹی اور قریب قریب اس پر گر پڑی۔

"بچائیے! بچائیے مجھے اس پاگل سے۔"

"پاگل....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... پپ پاگل.... مجھے ذبح کرنا چاہتا تھا.... چھرا.... چھرا.... تیز ہو رہا ہے۔"

"سمجھا! ٹھہرو کہاں چلے۔" فریدی نے حمید کو للکارا۔

حمید رک گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ رشیدہ سیدھی کھڑی ہو گئی تھی ح
سے کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔

"حمید! میں تم سے سچ مچ تنگ آ گیا ہوں۔"

"حمید....!" رشیدہ نے آہستہ سے دہرایا اور اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ آہستہ آہستہ
کی طرف بڑھی اور پھر اچھل کر اس کے بال مٹھی میں جکڑ لئے دوسرے لمحے میں وہ اسے اُ
صوفے پر گرائے اس پر چڑھی بیٹھی گھونسوں اور تھپڑوں کی بارش کر رہی تھی۔ فریدی بے تح
ہنس رہا تھا اور حمید ہنس تو وہ بھی رہا تھا لیکن رشیدہ کی چٹکیوں اور بکوٹوں کی وجہ سے اس کی ہنسی
کراہیں اور چیخیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ بدقت تمام فریدی نے انہیں الگ کیا۔ اس دوران
بھی آ گیا تھا اور اس کے ہاتھ میں ابھی تک چھرا دبا ہوا تھا۔

"ابھی تک میرا دل نہیں بھرا۔" رشیدہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"اور ابھی میری تھکن بھی دور نہیں ہوئی۔ انور واقعی بڑا خوش قسمت ہے۔"

"بے حیا۔" رشیدہ نے بھنا کر کہا۔

"کسی عورت کے ہاتھ سے پٹنے میں بڑی لذت پائی جاتی ہے۔"

"اچھا تو ٹھہرو۔" رشیدہ پھر بڑھی لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حمید سے کہا۔ "اب
پیٹوں گا تمہیں۔"

"خدا کی قسم بڑی کوفت ہوگی مجھے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا اور ہنستا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

"تم کیسے پھنس گئیں اس کے چکر میں۔" فریدی نے پوچھا۔

رشیدہ نے سارے واقعات دہرا دیئے۔

"عاجز ہوں اس سور سے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر میں بھی کسی موقعے سے وہ مزہ چکھاؤں گی کہ یاد ہی کرے گا۔"

"بھئی ابھی نہیں.... بہت کام کرنا ہے۔"

"میں نے جیمس اینڈ جعفری میں ملازمت کر لی ہے۔"

"بہت خوب۔ جعفری کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرو اور ادھر اُدھر بھی نظر رکھنا۔"

"کیا اس کا تعلق اسی رائفل....!"

"ہاں.... ہاں.... لیکن کسی کام میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ بڑا خوفناک اور پرلے سرے کا وحشی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تمہیں میری طرف سے براہ
ہدایات ملتی رہیں گی۔ جب ضرورت سمجھوں گا تو انور کو بھی شریک کر لوں گا ویسے اس کا خیال کیا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! وہ کہتا ہے کہ ابھی تک میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔"

"معاملہ ہی ایسا ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنا صحیح نام ہی بتایا تھا نا۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے! میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم غلط نام نہ بتاؤ۔ اس طرح اسے شبہ ہو جاتا۔"

"تو کیا اس طرح شبہ نہ ہوگا۔" رشیدہ نے کہا۔ "شہر کے سارے جرائم پیشہ قریب قریب
میرے اور انور کے نام سے تو واقف ہی ہیں۔"

"فکر مت کرو۔ تم وہاں اکیلی نہیں ہو۔" فریدی بولا۔ پھر اس نے حمید کو آواز دی۔

حمید دانتوں میں پائپ دبائے ہوئے اس شان سے داخل ہوا جیسے کچھ دیر قبل اس نے کوئی
بہت بڑا معرکہ سر انجام دیا ہو۔ رشیدہ کو بھی ہنسی آ ہی گئی۔

"رشیدہ کو گلی کے موڑ تک پہنچا آؤ۔" فریدی نے کہا۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" رشیدہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ایسا بھی کیا۔" حمید اس کے پیچھے چل پڑا۔ ناگر بھی اس کے ساتھ تھا۔

رشیدہ کو پہنچا کر دونوں لوٹے۔

فریدی کمرے میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی برس پڑا۔

"نہ موقع دیکھتے ہو نہ محل! آخر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ گدھے کہیں کے! شرم نہیں آئی پٹتے ہوئے۔"

"آپ کو آگئی.... یہی کافی ہے۔ میں اور آپ الگ تھوڑا ہی ہیں۔" حمید جیب سے دن بھر کی رپورٹ نکالتا ہوا بولا۔ "مسٹر کیو کے نام کئی پیغامات تھے۔ نمبر ا نہیں ملا۔ نمبر ۲........ نہیں ملا.... بہر حال دن میں تقریباً پچاس آدمیوں نے "نہیں ملا" کی ہانک لگائی۔ سبھوں نے پبلک ٹیلی فون بوتھ استعمال کئے تھے۔ پیغام نمبر ۵۳.... سب ٹھیک ہے.... نمبر ۵۴.... دیکھ لیا جائے گا نمبر ۱۵۵ انتظار ہو گیا.... نمبر ۶.... آج رات کو.... نمبر ۵۷.... بنگلہ خالی ہے! کوئی نیا منیجر ابھی تک نہیں رکھا گیا۔"

"آخری پیغام....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "غالباً ڈاکٹر نارنگ کے متعلق ہے۔"

"اوہ ٹھیک یاد آیا.... یہ تو بھول ہی گیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "آج تین بجے شام کو کسی نے ڈاکٹر نارنگ پر بھی حملہ کیا تھا.... حملہ آور پکڑا نہیں گیا۔"

"کہاں.... کس طرح۔" فریدی چونک کر بولا۔

"بیچ بازار میں.... مین روڈ پر.... وہ کار میں جا رہا تھا کہ کسی نے گولی چلائی لیکن وہ بچ گیا۔ شیشے کے کچھ ٹکڑے اس کے جسم پر لگے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں۔

"رمیش! جیون اور اختر!" حمید بولا۔ "جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آخر انہیں وہاں کیوں لگایا گیا ہے۔ کیا وہی مسٹر کیو ہو سکتا ہے۔ جعفری ہے تو خوفناک۔ رشیدہ وہاں کیا کرے گی۔"

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

ڈکٹافون

مسٹر کیو کا مسئلہ ابھی تک فریدی اور حمید ہی تک محدود تھا یا پھر خود اسی کے گروہ والے اس ے واقف تھے۔ رشیدہ تک کو فریدی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا اور اس کا محکمہ تو خیر ھیرے میں تھا ہی۔ اس بار بھی اس نے حسب عادت محکمے کو اپنی مشغولیات کی باقاعدہ رپورٹ ں دی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی تک کو اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ یدی نے اپنے ماتحتوں میں سے پانچ چھ خاص قسم کے آدمیوں کو مختلف کاموں پر لگا رکھا تھا لیکن بھی یہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں ہدایات کہاں سے مل رہی ہیں۔

بہر حال مسٹر کیو کا نام تاریکی ہی میں رہتا اگر واقعات نے دوسرا رخ اختیار نہ کر لیا ہوتا اور ید اس واقعے کا ذمہ دار بھی فریدی ہی تھا کہ مسٹر کیو کو خود ہی اپنا نام ظاہر کر دینا پڑا۔ فریدی کو ے علم تھا کہ اس نام کو سیکرٹ سروس کے بعض ممبر استعمال کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا حمید اور کے تجربات سامنے رکھ کر اُس نے اس کے متعلق تفتیش شروع کر دی۔ ہو سکتا ہے کہ مجرم ے واقف ہو گیا ہو اور اس نے اب کسی قسم کی پردہ داری مناسب نہ سمجھی ہو۔

ناگر کی مصنوعی خودکشی والے دن کے بعد سے ٹیلی فون ایکسچینج میں مسٹر کیو کے نام کے مات موصول ہونے بند ہو گئے تھے۔

جس دن ناگر کی مصنوعی خودکشی منظر عام پر آئی اسی دن ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی پر حملہ کیا گیا ن وہ بال بال بچ گیا۔ اسی رات کو ایک دوسرا حادثہ ہوا۔ وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے معمولی ں تھا۔ ڈاکٹر نارنگ ہی کے گروپ کے دو پارلیمنٹری ممبر اپنی قیام گاہوں پر قتل کر دیئے گئے۔ ری صبح کو ان کے سر جسموں سے الگ پائے گئے اور انتہائی کوششوں کے باوجود بھی اس قسم ے نشانات نہ مل سکے جن سے قاتلوں پر روشنی پڑتی۔

عوام میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی اور خواص کو تو ہر لحظہ ملک الموت کی جھلکیاں دکھائی دیتی یں۔ پہلے وزیر خزانہ انتہائی پُر اسرار طریقے پر قتل ہوئے پھر ڈاکٹر نارنگ پر شہر کی سب سے ری بڑی سڑک پر اعلانیہ حملہ کیا گیا اور اسی رات کو پارلیمنٹ کے دو اور ممبر قتل کر دیئے گئے لہٰذا ان کی سراسیمگی لازمی تھی۔

محکمہ سراغ رسانی کی عمارت میں تو گویا زلزلہ آگیا تھا۔ آئی۔ جی سے لے کر معمو
لباس والے تک بوکھلاہٹوں کا شکار نظر آ رہے تھے۔ سارا عملہ آج پھر بڑے کمرے میں اک
البتہ فریدی اور حمید موجود نہ تھے اور وہ پانچ مخصوص سادہ لباس والے بھی نہیں تھے جنہیں
نے خود ٹریننگ دی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی اور آئی۔ جی میں کسی خاص مسئلے پر بحث ہو رہی تھی کہ ایک کلرک
ڈی۔ آئی۔ جی کو مطلع کیا کہ اس کی فون کال ہے۔

ڈی۔ آئی۔ جی اٹھ کر چلا گیا تقریباً دو تین منٹ تک خاموشی رہی پھر ڈی۔ آئی۔ جی کی
پر ایک انسپکٹر نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔

"ڈاکٹر نارنگ ایم پی کا فون تھا۔" اُس نے آئی۔ جی سے کہا۔ "کوئی خاص بات معلو
ہے۔ مجھے بلایا ہے۔ آواز سے خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ اب یہ سب اپنی حفاظت کیلئے آدمی بھی مانگیں گے۔" آئی۔ ج

ڈی۔ آئی۔ جی چند لمحے بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر نارنگ اپنی شہری قیام گاہ کے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جیسے ہی ایک نو
ڈی۔ آئی۔ جی کا ملاقاتی کارڈ لا کر وہ خود ہی صدر دروازے تک دوڑا چلا گیا۔

"اوہ.... آپ آگئے شکریہ۔" وہ ڈی۔ آئی۔ جی سے مصافحہ کرتے ہوئے مضطربانہ اند
بولا۔ "چلئے.... اندر چلئے.... اوہ! میں اس تکلیف دہی کے لئے شرمندہ ہوں۔ میں خود بھ
آپ تک پہنچ سکتا تھا مگر....؟"

وہ اُسے نشست کے کمرے میں لے آیا۔

"بیٹھئے! بیٹھئے۔ آپ جانتے ہیں کہ پرسوں مجھ پر حملہ ہو چکا ہے اور رات کو میر
ساتھی....!" ڈاکٹر نارنگ تھوک نگل کر رہ گیا۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "وز
بھی میرے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ میں کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ میری.... ہم لوگوں کی
سے تو پورا ملک واقف ہے....!"

"جی ہاں۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ "یہی تو باعث حیرت ہے سارے کے
مخلص اور بے ضرر محب وطن تھے۔"

"اور اب.... ایک ایسی بات ہوئی ہے۔" ڈاکٹر نے خوف زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھتے
کہا۔ پھر مضطربانہ اٹھا اور دروازے تک گیا۔ ایک لمحہ ادھر اُدھر دیکھتا رہا اور لوٹ کر آہستہ
لا۔ "آج صبح مجھے ایک دھمکی آمیز خط ملا ہے کسی نامعلوم آدمی کی طرف سے۔"

اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف بڑھا دیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی لفافے سے خط نکال کر پڑھنے لگا۔ معمولی کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر نارنگ ایم پی.... خوش قسمت تھے کہ کل بچ گئے۔ بہرحال
تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا دیہی بنگلہ ایک ماہ کے لئے بالکل خالی کر دو۔
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو وزیر خزانہ اور تمہارے
دو ساتھیوں کا ہو چکا ہے۔ اگر تم اسے محض دھمکی سمجھو تو یہ تمہاری بھول
ہوگی۔ اس سلسلے میں پولیس سے مدد لینا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ
نہ ہوگا۔ وزیر خزانہ کی موت ہزاروں کے مجمع میں ہوئی تھی تمہارے
دونوں ساتھی بھرے پُرے گھروں میں مار ڈالے گئے لیکن کسی کو کانوں
کان خبر نہ ہوئی۔ کافی عقل مند آدمی ہو۔ اس لئے توقع ہے کہ حکم کے
خلاف نہ کرو گے۔ فقط

مسٹر کیو۔"

"مسٹر کیو!" ڈی۔ آئی۔ جی آہستہ سے بڑبڑایا اور جواب طلب نظروں سے ڈاکٹر نارنگ کی
دیکھنے لگا۔

"اب بتائیے میں کیا کروں۔"

"آپ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا مگر یہ مسٹر کیو۔"

"میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔" ڈاکٹر نارنگ نے بے چینی سے کہا۔ "لیکن کیا آپ کے
اقدامات مجھے بچا سکیں گے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی نے آپ سے مذاق کیا ہو۔"

"مذاق! مجھ سے کون.... مذاق کرے گا۔ شاید آپ بھول رہے ہیں کہ پرسوں مجھ پر حملہ

بھی ہو چکا ہے۔“

”تو سنئے! میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ چپ چاپ بنگلہ خالی کر دیجئے۔ کیا وہاں آپ کے ملازمین ہیں؟“

”جی ہاں!“

”تو انہیں وہاں سے ہٹا دیجئے۔ بقیہ ہم دیکھ لیں گے اور آپ زیادہ تر گھر ہی رہیں تو بہتر ہے۔“

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک اسے تسلیاں دیتا رہا پھر وہ خط اس سے لے کر واپس آ گیا۔

آئی۔ جی اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں اپنے مخصوص ریٹائرنگ روم میں چلے آئے۔

ان دونوں کے درمیان مسٹر کیو کی شخصیت زیر بحث تھی۔

”جہاں تک میرے علم میں ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ ”یہ نام سیکرٹ سروس والے استعمال کرتے ہیں اور اس کا علم میرے محکمے میں فریدی کو ہو تو ہو اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہی ایک ایسا ہے جو متعلق اور غیر متعلق ہر بات پر نظر رکھتا ہے۔“

”لیکن سیکرٹ سروس والے....!“ آئی۔ جی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”اسی الجھن میں بڑی دیر سے مبتلا ہوں۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”آخر یہ فریدی رپورٹ کیوں نہیں دے رہا ہے۔“ آئی۔ جی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

”کبھی نہیں دیتا اور میرے خیال سے اچھا ہی کرتا ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”خصوصاً معاملہ تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جس میں انتہائی رازداری سے کام لیا جائے۔“

”میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ رپورٹ تو اسے دینی ہی چاہئے۔“

”کون سمجھائے اُسے! زیادہ کہئے تو استعفیٰ تیار ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ محض فطری میلان کی بنا پر اس محکمے میں آیا ہے۔ ورنہ خاندانی دولت اتنی کثیر رکھتا ہے جو کئی پشتوں کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔“

”کچھ بھی ہو اتنی خود سری نہیں برداشت کی جا سکتی۔“ آئی۔ جی کی آواز غصے میں کانپ رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”وہ جب بھی اس طرح غائب ہوا ہے کچھ نہ کچھ کر کے ہی واپس آیا ہے۔ گارساں[1] والے کیس کو لیجئے۔“

”آپ خواہ مخواہ اُس کی طرف داری کر رہے ہیں۔“ آئی۔ جی بگڑ کر بولا۔

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا لیکن اس کا چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

---

[1] جوبلی نمبر ”خوفناک ہنگامہ“ ملاحظہ فرمائیے۔

آئی۔ جی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اردلی نے چق ہٹا کر آپریشن روم کے انچارج کی آمد کی اطلاع دی۔

”بلا لو....!“ آئی۔ جی بولا۔

آنے والے نے ایک کاغذ بڑھاتے ہوئے ڈی۔ آئی۔ جی سے کہا۔ ”آپ کے نام ٹرانسمیٹر پر یہ پیغام موصول ہوا ہے۔“

ڈی۔ آئی۔ جی نے کاغذ لے لیا۔ یہ پیغام محض اشاراتی الفاظ (Code Words) میں تھا۔

دفعتاً ڈی۔ آئی۔ جی کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی اور وہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولا۔

”دیکھا آپ نے! ہمیں مسٹر کیو کے متعلق آج ہی معلوم ہوا ہے لیکن فریدی پہلے سے جانتا تھا۔“

”یعنی....؟“

”سنئے!“ ڈی۔ آئی۔ جی کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ ”جناب والا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر کیو نے خود ہی اپنے کو ظاہر کر دیا اور یہ بات بھی آپ سے پوشیدہ نہ ہو گی کہ یہ نام سیکرٹ سروس کے پانچ ممبران استعمال کرتے تھے۔ جب مجھے پہلی بار مجرم مسٹر کیو کے نام سے آگاہی ہوئی تو میں نے سیکرٹ سروس والوں کی تلاش شروع کر دی میں نے ان کے ٹھکانے کا پتہ لگا لیا ہے۔ لیکن وہ خود نہیں ملے اور نہ ان کے ٹرانسمیٹر ہی کا سراغ مل سکا۔ ٹیلی فون ایکسچینج میں بھی پرسوں رات سے اب تک مسٹر کیو کے نام کوئی پیغام نہیں موصول ہوا۔ حالانکہ پچھلا ریکارڈ بتاتا ہے کہ ہر گھنٹے میں آٹھ دس پیغامات اس کے نام ضرور ہوتے تھے۔ آپ اس سلسلے میں سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر سے گفت و شنید کیجئے۔ ویسے میں تو یہی سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ پانچوں عرصہ ہوا ٹھکانے لگا دیئے گئے۔“

ڈی۔ آئی۔ جی خاموش ہو کر فخریہ انداز میں آئی۔ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہوں....!“ آئی۔ جی نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے اور اس طرح اپنے جوتوں کی طرف دیکھنے لگا جیسے ان سے جواب طلب کر رہا ہو۔

”تو کوئی سیکرٹ سروس والوں کی آڑ میں یہ سب کچھ کر رہا ہے۔“ آئی۔ جی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"میرے خیال سے سیکرٹ سروس والوں کے ہیڈ کوارٹر سے تحقیق ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" آئی۔جی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا

"آپریشن روم کے انچارج کو سلام دو۔" آئی جی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد انچارج آ گیا۔

"یہ پیغام....!" آئی۔جی کاغذ اس کی طرف بڑھاتا ہوا "سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر کے لئے.... جواب فوراً چاہئے۔"

آپریشن روم کے انچارج کے جانے کے فوراً بعد کئی منٹ تک خاموشی رہی پھر ڈی آئی جی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ فریدی کسی سیدھے ہی راستے پر لگ گیا ہے۔"

"لیکن مجھے اس کا یہ رویہ قطعی پسند نہیں۔" آئی۔جی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ضروری نہیں کہ وہ ہر معاملے میں دانش مند ہی ثابت ہو۔ اسے دوسروں سے بھی مشورہ کرنا چاہئے۔"

ڈی۔ آئی۔جی شاید بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"بات تو ٹھیک ہی ہے! اگر ہماری لاعلمی میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو ہمیں اطلاع تک نہ ہو گی۔ خیر اگر مل گیا تو میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"سمجھاؤ نہیں بلکہ مجبور کرو۔"

"بہتر ہے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ دونوں کے چہرے گہرے تفکر کا پتہ دے رہے تھے۔ دفعتہً ڈی۔ آئی۔جی چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی تھی۔" وہ آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔

"آواز کہاں....!"

"کچھ کھڑ کھڑ سی تھی۔"

آئی۔جی ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ "واقعی ہم لوگوں کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں رہی۔ غالباً اس الماری میں کوئی چوہا ہے۔"

"چوہا! وہ دیکھئے! سنئے یہ آواز کچھ ایسی ہی ہے جیسی مائیکروفون میں ہاتھ لگنے یا کسی دوسری چیز
رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔"

آئی۔جی غور سے سننے لگا پھر سر ہلا کر ڈی۔ آئی۔جی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہوا
ا۔ "ہے تو۔"

ڈی۔ آئی۔جی نے الماری کھول کر دیکھا۔ وہاں کتابوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا لیکن آواز
ڑے تھوڑے وقفے کے بعد برابر سنائی دیتی رہی۔ دفعتاً اُس نے الماری کے پیچھے جھانک کر دیکھا
اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز سی آواز نکل گئی۔

"ڈکٹافون[1]....!" وہ آئی۔جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہاں ڈکٹافون کا کیا کام۔"

دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آئی۔جی نے آپریشن روم کے
ارج کو پھر بلوایا۔ لیکن اس نے بتایا کہ محکمے کے سارے ڈکٹافون آپریشن روم ہی میں موجود ہیں
اس کمرے میں تو کبھی کوئی ڈکٹافون لایا ہی نہیں گیا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ہماری گفتگو سنتا رہا ہے۔" آئی۔جی نے کہا۔

اس انکشاف پر محکمے کی عمارت کو ایک دوسرے زلزلے سے دوچار ہونا پڑا۔ سارے کمرے
ان مارے گئے اور نتیجے کے طور پر پانچ عدد سٹ اور بھی برآمد ہوئے۔

لیکن ان کا سلسلہ کہاں سے تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک انسپکٹر نے اس کا بھی پتہ لگا لیا۔ ٹیلی فون
ے تاروں پر لپٹے ہوئے باریک باریک تار دکھائی دیئے جن کا سلسلہ دوسرے کھمبے تک جا کر ختم
گیا تھا اور وہیں سے تار نیچے کی طرف لائے گئے تھے۔ دوسرا کھمبہ دراصل مہندی کی ایک بے
تیب باڑھ کے درمیان میں تھا اور اس کی بے مرمت شاخیں کافی اونچائی تک پھیلی ہوئی تھیں۔
مالئے ان تاروں کا آسانی سے دیکھ لیا جانا تقریباً ناممکن ہی سا تھا۔

پھر مہندی کی باڑھ سے ملی ہوئی مالتی کی جھاڑیوں میں ڈکٹافون کا ریسیونگ سیٹ بھی مل گیا۔
ں کی تلاش کے سلسلے میں کافی ہنگامہ برپا ہو گیا تھا اور ڈی۔ آئی۔جی سوچ رہا تھا کہ ان سے ایک
الیائی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

"ہم سے غلطی ہوئی۔" ڈی۔ آئی۔جی نے کہا۔ "اب اس آدمی کا پتہ چلنا دشوار ہے جو انہیں
ستعال کرتا ہے۔"

[1] ایک آلہ سماعت جو دوسروں کی لاعلمی میں ان کی پوشیدہ گفتگو سننے کے لئے استعمال کیا ہے۔

"غلطی تو سچ مچ ہوئی۔" آئی۔جی مضمحل آواز میں بولا۔

"اگر فریدی ہوتا.....!"

آئی۔جی کے حلق سے نکلنے والی غصیلی آواز نے ڈی۔آئی۔جی کو جملہ مکمل نہ کرنے دیا۔

"کیا ہوتا۔" آئی۔جی جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔ "تم لوگوں نے اسے فوق البشر کا درجہ دے رکھ ہے اور اسی لئے اس کا دماغ عرش پر رہتا ہے۔"

ڈی۔آئی۔جی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اب کچھ بولے گا ہی نہیں کچھ دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آ بیٹھے جہاں ڈکٹافون کا پہلا سیٹ ملا تھا۔ وہ دونوں خامو ہی تھے اور ان کے چہروں پر ناگواری کے اثرات پائے جا رہے تھے۔

آپریشن روم کے انچارج کے قدموں کی آہٹ نے خاموشی کا طلسم توڑ دیا۔ وہ آئی۔جی کے سامنے ایک کاغذ رکھ کر واپس چلا گیا۔

یہ سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر والوں کی رپورٹ تھی جو ٹرانسمیٹر پر موصول ہوئی تھی آئی۔جی پڑھنے لگا۔

"پانچوں آدمی کام کر رہے ہیں۔ تین دن قبل ان کی تنخواہیں ادا کی گئی ہیں۔ ان کی جا رہائش کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہو گی ان سے معلوم کر لی جا گی۔ لیکن اس کے لئے بھی اوپر سے آئے ہوئے احکامات ہی کار آمد ثابت ہو سکیں گے۔"

آئی۔جی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"عجیب بات ہے۔"

"ہے تو عجیب ہی۔" ڈی۔آئی۔جی نے کہا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ اب وہ موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ حقیقتاً فریدی کے اس خیال سے متفق تھا کہ سیکرٹ سروس وا بھی مار ڈالے گئے اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر نارنگ کے دیہی بنگلے کی خفیہ نگرانی شروع کرا دے۔

سعی لاحاصل

ایک دن رشیدہ بہت سویرے آفس پہنچ گئی۔ لیکن یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ اُس نے د

نہ ایسا کیا تھا۔ تین چار دنوں کے دوران اس نے جیمس اینڈ جعفری فرم کے متعلق بہت کچھ لوم کر لیا تھا اور جعفری کے سلسلے میں یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ وہ اکثر اپنے کمرے بیٹھے ہی بیٹھے حیرت انگیز طور پر غائب ہو جایا کرتا تھا۔ جعفری کے کمرے کا دروازہ اسی بڑے ے میں کھلتا تھا جس میں رشیدہ اور راحلہ بیٹھا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ دوسری طرف صرف کیاں تھیں اور ان میں بھی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ ورنہ یہ خیال ہوتا کہ وہ باہر نے کے لئے ان کھڑکیوں ہی کو استعمال کرتا ہو گا۔ لہٰذا رشیدہ کا خیال تھا کہ اس کے کمرے میں دروازہ ہے اور وہ اسے ڈھونڈھ نکالنا چاہتی تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ جعفری دس بجے سے آفس میں نہیں آئے گا ورنہ شاید وہ اس کی ہمت بھی نہ کرتی۔ کیونکہ محض اس کی آنکھوں ہی اُس کی روح فنا ہونے لگتی تھی۔ آٹھ بج رہے تھے ساڑھے نو بجے قبل قبل راحیلہ کے آنے بھی امکانات نہیں تھے۔

صفائی کرنے والا کمرے کی صفائی کر کے جا چکا تھا اور چپراسی بڑے کمرے کے باہر اسٹول پر ابڑے مزے سے سگریٹ پی رہا تھا۔ رشیدہ کو خلاف معمول اتنے سویرے دیکھ کر اسے حیرت ئی لیکن رشیدہ نے پچھلے دن کے بقیہ کام کو نپٹانے کا بہانہ کر کے اس کی حیرت زیادہ نہ بڑھنے ں۔ حالانکہ یہ چیز جیمس اینڈ جعفری کی فرم کے قاعدے کے خلاف تھی۔ لیکن چپراسی شاید یہ چ کر چپ ہو رہا کہ مس صاحبہ ابھی نئی پھنسی ہیں۔ جس دن منیجر صاحب نے کان کھول دیئے ب ٹھیک ہو جائے گا۔

رشیدہ فائیل نکال کر ٹائپ کرنے بیٹھ گئی لیکن چپراسی کا مسئلہ؟ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کس رح ٹالا جائے۔ دفعتاً اُسے اُس نے آواز دی۔

"دیکھو.....!" اُس نے کہا۔ "مجھے دو درجن لفافوں اور اتنے ہی پوسٹ کارڈوں کی ضرورت ہے اگر لادو تو بڑا کام کرو۔ ابھی کافی وقت ہے۔"

"لادوں گا! مس صاحب۔" وہ دانت نکال کر بولا۔ "یہ بھی کوئی کام میں کام ہے۔"

رشیدہ پانچ کا نوٹ نکال کر اُسے دیتی ہوئی بولی۔ "بقیہ تمہارے ناشتے کے لئے۔"

"ارے.....ہی.....ہی.....ہی" چپراسی نے ایک بار پھر دانت نکال دیئے۔

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ڈاکخانہ اتنی دور تھا کہ آدھ گھنٹے سے قبل اس کی واپسی ناممکن

تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جعفری کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہاں کچھ زیادہ فرنیچر نہیں تھا۔ سامنے ایک بڑی سی میز تھی اور اُس کے پیچھے ایک چکر کھانے والی کرسی اور ایک تجوری، دونوں بازوؤں میں دو بڑی بڑی الماریاں تھیں جن کی چوڑائی نے دونوں طرف کی دیواروں کو تقریباً ڈھک لیا تھا۔ رشیدہ نے سب سے پہلے دونوں الماریوں کے پیچھے جھانک کر دیکھا۔ دیواریں سپاٹ تھیں۔ پھر وہ میز کی طرف بڑھی۔ کرسی کے پیچھے لکڑی کا ایک بڑا صندوق نظر آیا جو مقفل نہیں تھا۔ رشیدہ نے یونہی بے خیالی میں اُس کا ڈھکن اٹھادیا۔ . . . اور پھر! دوسرے لمحے میں اُس کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ پورا صندوق ریوالورز سے بھرا ہوا تھا اور سب بالکل نئے تھے۔

رشیدہ نے جیمس اینڈ جعفری کی تجارت کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اسلحہ جات کی تجارت اس فرم میں نہیں ہوتی تھی۔ اس نئی دریافت سے پیدا ہو جانے والے جوش نے فی الحال چور دروازے کا خیال تو اس کے ذہن سے نکال ہی دیا۔ صندوق کا ڈھکن بند کر کے وہ الٹے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آگئی۔

وہ کچھ دیر تک اپنی میز پر بیٹھی ہانپتی اور چہرے سے پسینہ پونچھتی رہی پھر یکبارگی اٹھی اور باہر نکل آئی۔ اُسے محکمہ سراغ رسانی کے ان آدمیوں میں سے کسی کی تلاش تھی جنہیں فریدی۔ جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کے قرب وجوار میں رہنے کی تاکید کی کردی تھی۔

سامنے والے ریستوران میں اُسے ایک جانے پہچانے چہرے کی جھلک دکھائی دی۔ سرجنٹ حمید تھا اور اب تک اسی شکاری ہی والے بھیس میں تھا۔ رشیدہ نے تیزی سے سڑک پار کی اور ریستوران میں داخل ہوگئی۔

"ہلو....!" حمید نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔

"میں نے ایک نئی دریافت کی ہے۔" رشیدہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "اس کیبن میں اٹھ چلو۔"

وہ دونوں کیبن میں آکر بیٹھ گئے اور رشیدہ نے پردہ کھینچ دیا۔ پھر اُس نے جلدی جلدی ا[illegible] کارنامہ دہرایا۔

"تمہیں یقین ہے کہ اسلحہ کی تجارت ہوتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سو فیصدی یقین ہے۔"

"اچھا تو تم یہیں بیٹھو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "ابھی آفس میں واپس نہ جانا۔ اس چپراسی کو بھتی رہو اور اس سے جو کچھ بھی منگوایا ہے باہر ہی لے لو تو بہتر ہے پھر تم نہایت آسانی سے اسے سمجھا سکتی ہو کہ تم ابھی آفس واپس نہ جاؤ گی۔ کیونکہ تمہیں ایک دوسرا ضروری کام یاد آگیا ہے۔ سمجھ گئیں۔"

"اچھا پھر....!"

"اپنے وقت سے آفس جاؤ گی۔"

"ٹھیک! لیکن اگر چپراسی نے اس کا تذکرہ کسی سے کر دیا تو۔"

"دیکھا جائے گا.... تم نے ضرور تا تو ملازمت کی نہیں ہے۔"

حمید ریستوران سے چلا گیا اور رشیدہ باہر آبیٹھی۔ اس نے بیرے کو بلا کر ناشتے کا آرڈر دیا اور پاتھ پر نظریں جمادیں۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں چپراسی نکل نہ جائے۔

چپراسی خلاف توقع جلد ہی نظر آگیا۔ لیکن ساتھ ہی رشیدہ کو ایک دوسرا خیال بھی آگیا۔ وہ ری میں اپنا فائل میز پر ہی چھوڑ آئی تھی اور اُس کی عدم موجودگی میں اس کا وہاں پایا جانا قطعی نامناسب تھا لہٰذا اس نے چپراسی کو باہر ہی روکنے کا خیال ترک کر دیا۔ ابھی ساڑھے آٹھ ہی بجے تھے۔

اس نے جلدی جلدی الٹا سیدھا ناشتہ کیا اور باہر نکل آئی۔ آفس پہنچی تو چپراسی لپک کر اٹھا۔

"میں ذرا ناشتہ کرنے چلی گئی تھی۔" رشیدہ نے اس سے لفافے اور پوسٹ کارڈ لیتے ہوئے [illegible] چپراسی نے بقیہ پیسے بھی واپس کرنے چاہے لیکن رشیدہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چپراسی ام کر کے بڑبڑانے لگا۔ "خدا آپ کا بھلا کرے۔ بچے کے لئے چپل ہو جائے گی۔ مس صاحب رے آٹھ بچے ہیں۔ بہت غریب آدمی ہوں۔ یہاں کل ساٹھ روپے ملتے ہیں نہ انعام نہ شن۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔"

"چچ چچ....!" رشیدہ غمناک انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "میں کسی دن تمہارے بچوں سے ملنے کے لئے آؤں گی۔"

"ارے.... آپ مس صاحب.... ہم غریب آدمی ہیں۔"

"غریب سے کیا ہوتا ہے ہمارے بھائی ہو۔"

"خدا آپ کا بھلا کرے۔" چپراسی پیشانی کی طرف ہاتھ لے جاتا ہوا بولا۔ "مگر.... مس

صاحب ایک بات کہوں.... آپ نئی ہیں۔"

"کیا.... کہو کہو۔"

"صاحب بڑا بُرا آدمی ہے۔ کسی کی عزت کو عزت نہیں سمجھتا اس کا حکم ہے کہ نہ وقت سے پہلے آؤ اور نہ وقت کے بعد رکو۔ ولایت ہو آیا ہے نا۔ پانچ برس وہاں رہا ہے۔ کہتا ہے سب کام قاعدے سے ہونا چاہئے۔ اگر اسے کبھی معلوم ہو گیا کہ آپ وقت سے پہلے آئی تھیں.... تو۔"

"اوہ....!" رشیدہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "تو میں چلی جاؤں۔"

"ہاں مس صاحب وہ بہت بُرا آدمی ہے۔"

"تو تم کسی سے کہو گے نہیں۔"

"ارے نہیں صاحب۔"

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک بہت بڑا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا تھا اس نے جلدی سے فائل کو الماری میں ڈالا اور اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی ہوئی باہر نکل آئی۔

بقیہ وقت اُس نے دوسری سڑک کے ایک ریستوران میں گزارا اور ٹھیک سوا نو بجے وہاں سے آفس چل پڑی۔ آفس پہنچتے پہنچتے ساڑھے نو بج گئے۔ بڑے کمرے میں دو پولیس انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ موجود تھے اور راحیلہ کھڑی انہیں گھور رہی تھی۔ شاید وہ بھی ابھی ابھی آئی تھی۔ اس نے رشیدہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور اپنی میز پر بیٹھ گئی۔ رشیدہ نے بھی چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کئے اور راحیلہ سے سر کے اشارے سے ان کی موجودگی کا مطلب پوچھا راحیلہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

رشیدہ نے اپنا فائل نکالا اور ٹائپ رائٹر سنبھال بیٹھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر ایک سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ "کس کا انتظار ہے آپ کو۔"

"جعفری صاحب کا۔" اس نے جواب دیا۔

اتنے میں راحیلہ شاید کسی کاغذ کے لئے جعفری کے کمرے میں جانے لگی لیکن سب انسپکٹر نے اُسے روک دیا۔

"کیوں؟" راحیلہ گھبرا کر بولی۔

"یونہی! تشریف رکھئے۔"

راحیلہ بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"آخر بات کیا ہے؟" رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

ٹھیک دس بجے جعفری دفتر میں داخل ہوا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا انہیں گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"آہم....!" غراہٹ سنائی دی۔ "کیا بات ہے۔"

"اس کمرے کی تلاشی لینی ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"کیوں؟"

"اوپر سے حکم ملا ہے اور یہ رہا تلاشی کا وارنٹ۔"

"آہم....!" جعفری کی غراہٹ بڑھ گئی۔ "اس حماقت کا مقصد۔"

"ہم یہاں فضول باتیں سننے کے لئے نہیں آئے۔" ایک سب انسپکٹر بگڑ کر بولا پھر اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ دندناتے جعفری کے کمرے میں گھستے چلے گئے۔ رشیدہ کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"شاید ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" جعفری نے رشیدہ اور راحیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں جیمس بارٹلے کا فائل لینے اندر جا رہی تھی۔" راحیلہ نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن انہوں نے مجھے اندر نہیں جانے دیا۔"

"ان کی شامت آئی ہے۔" جعفری بلند آواز میں بولا اور رشیدہ متحیر رہ گئی۔ کیونکہ اس نے یہ جملہ دراصل پولیس والوں کو سنانے ہی کے لئے کہا تھا۔

جعفری اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اسکے بعد راحیلہ بھی اٹھی اور رشیدہ نے اس کی تقلید کی۔ سب انسپکٹر بکس کا ڈھکن اٹھائے اپنے ساتھیوں کو گھور رہا تھا اور بکس بالکل خالی تھا۔ رشیدہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اچھا ہی ہوا کہ جعفری پولیس والوں کی طرف متوجہ تھا ورنہ رشیدہ کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالتوں سے کم از کم کھٹک ضرور جاتا۔

"آخر مطلب کیا ہے؟" جعفری گرج کر بولا۔

"ار.... بات یہ ہے۔" سب انسپکٹر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ

یہاں.... اس کمرے میں کوئی چور دروازہ ہے۔"

جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی دوسرے سب انسپکٹر نے کمرے کی دیواروں کو کھٹکھٹانا شرو
کر دیا تھا۔

"گٹ آؤٹ۔" جعفری حلق کے بل چیخا۔ اُس کی خوف ناک آنکھیں اُبل پڑی تھیں او
چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ ہیبت ناک معلوم ہونے لگا تھا۔

"لینگویج پلیز.....[1]"

"آئی [2] سے گٹ آؤٹ۔" جعفری ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے مجبور نہ کیجئے کہ میں آپ کو حراست میں لے لوں۔ آپ اس طرح براہِ را
حکومتی اہلکاروں کی توہین کر رہے ہیں۔"

دفعتاً جعفری اپنا رویہ بدل کر آہستہ سے بولا۔ "مجھے افسوس ہے! لیکن آپ کو بھی یہ
چاہئے کہ معزز اور بے ضرر شہریوں کی توہین کرتے پھریں۔ فرض کرو کہ اگر یہاں کوئی
دروازہ ہے بھی تو حکومت کو اس سے کیا واسطہ۔"

"کچھ دیر قبل...." سب انسپکٹر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہاں سے کچھ غیر قانونی ا
اسی چور دروازے سے باہر لے جائی گئی ہیں۔"

"یقیناً.... حکومت نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔" جعفری نے تلخ لہجے میں کہا اور
اس سب انسپکٹر سے بولا، جو دیواریں کھٹکھٹاتا پھر رہا ہے۔ "کیوں؟ پلاسٹر اور وقت برباد کر
ہو۔ یہ رہا چور دروازہ۔"

اُس نے بڑی میز کو دھکا دیا اور وہ ایک تیز قسم کی آواز کے ساتھ چکنے فرش پر پھسلتی ہ
دوسری طرف چلی گئی۔ پھر اس نے مینٹل پیس پر رکھے ہوئے ایک آدھے مجسمے کا سر گھما
کھٹاکے کی آواز کے ساتھ فرش کا درمیانی حصہ کھسک گیا اور ایک تاریک سی خلاء ظاہر ہو گئی۔

"یہ ہے وہ چور دروازہ۔" جعفری غرایا۔

پولیس والے کبھی حیرت سے اسے دیکھتے تھے اور کبھی تہہ خانے کے تاریک دہانے کو۔"

"جاؤ دیکھو.... کیا ہے اس میں۔" جعفری پھر غرایا۔ "شاید وہ غیر قانونی اشیاء اسی کی
رہی ہوں.... جاؤ نا.... وہاں بھیڑیئے نہیں ہیں۔"

[1] اپنی زبان سنبھالئے   [2] میں کہتا ہوں نکل جاؤ۔

ایک سب انسپکٹر تہہ خانے کی طرف بڑھا لیکن پھر رک کر جعفری کی طرف دیکھنے لگا جو
رسی پر بیٹھ کر اپنا پائپ سلگانے لگا تھا۔ اس نے اپنی بھنوئیں تان کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور
پ کو دانتوں میں دبائے ہی دبائے کہنے لگا۔ "جاؤ نا.... لیکن میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں گا۔
رے پاس برباد کرنے کے لئے وقت نہیں۔"

وہ سب انسپکٹر تین کانسٹیبلوں کے ساتھ نیچے اُتر گیا۔ دوسرا اوپر ہی رہا۔

"لڑکیو! بیٹھ جاؤ۔" جعفری رشیدہ اور راحیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ابھی یہ لوگ نٹ کا
اشہ دکھائیں گے۔"

"میں کہتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔ "آپ اتنے بد تہذیب کیوں ہیں۔"

"آہم.... آدمی کو پہچان کر برتاؤ کرنے کا عادی ہوں۔ میں تمہارے محکمے پر ہرجانے اور
زالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کروں گا.... مذاق ہے۔"

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر واپس آگیا اس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی اپنے ساتھی کی
رف دیکھ کر بولا۔ "شراب کی پیٹیاں ہیں.... اور غالباً....!"

"جناب....!" جعفری نے اُس کی بات کاٹ کر مضحکانہ انداز میں کہا۔ "اور فرم کے پاس
لایتی شراب درآمد کرنے کا لائسنس بھی ہے۔"

"پیٹیاں کھلی ہیں یا بند۔" انسپکٹر نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"بند ہیں۔"

"تو وہ کھولی جائیں گی۔"

"کھولو....!" جعفری لاپروائی سے بولا۔

تقریباً دو گھنٹے تک کام جاری رہا لیکن پیٹیوں میں شراب کی بوتلوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ
نکلا۔ تہہ خانے میں کسی دوسرے دروازے کی بھی تلاش کی جا رہی تھی لیکن بے سود.... پولیس
والے ہانپتے ہوئے تہہ خانے سے نکل آئے۔

"میں پورے آفس کی تلاشی لوں گا۔" ایک بولا۔

"ضرور لو....!" جعفری غرایا۔ "کم از کم دو لاکھ ہرجانے کا دعویٰ کروں گا۔"

رشیدہ کی حالت ابتر تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ فریدی کو کیا جواب دے گی۔ آفس کے

دوسرے کمروں کی بھی تلاشی لی گئی لیکن نتیجہ وہی صفر۔ ریوالور تو کیا ریوالور کی تصویر بھی نہ مل سکی۔ تلاشی ختم ہونے کے بعد جعفری نے چنگھاڑ چنگھاڑ کر سارا دفتر سر پر اٹھالیا۔ پولیس والوں کے چلے جانے پر بھی وہ کافی دیر تک بیٹھا کسی غصیلے بلڈاگ کی طرح غراتا رہا۔

آفس ٹائم کے بعد رشیدہ باہر نکلی تو بُری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ بس سٹینڈ پر حمید سے ملاقات ہوگئی۔ شاید وہ وہاں اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

"کیوں؟ کیا یہ اسی رات کا بدلہ تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"خدا کی قسم مجھے خود حیرت ہے۔" رشیدہ جلدی سے بولی۔ "میں یہی سوچ رہی تھی کہ تم یہی سمجھو گے۔"

"بہر حال مجھے کافی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس وجہ سے اور پریشانی ہے کہ میں نے فریدی صاحب سے مشورہ لئے بغیر تلاشی کا وارنٹ نکلوالیا تھا۔"

"پھر اب بتاؤ میں کیا کروں۔" رشیدہ بے بسی سے بولی۔

"اس لڑکی سے میرا تعارف کرا دو جو تمہارے کمرے میں بیٹھی ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مت فضول بکو۔" رشیدہ نے ایک بے جان سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ بہت شریف لڑکی ہے۔"

"لڑکی تو ہے.... اگر وہ کمینی ہوتی تو میں اسے برداشت کر لیتا۔"

"کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔"

"کبھی نہیں۔ آج صبح تمہاری ہی بدولت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ نتیجے میں یہ ذلت نصیب ہوئی خیر اچھا پھر سہی! ٹاٹا۔"

وہ فٹ پاتھ پر رینگنے والی بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

دو مکار

آرلکچو میں بڑا شاندار پروگرام تھا۔ سردیوں کی خوشگوار رات تھی اور اس لئے اور بھی خوشگوار تھی کہ دوسرے دن اتوار تھا۔

سرجنٹ حمید اور ناگر بیٹھے بڑی دیر سے رقص میں شرکت کرنے والوں کا جائزہ لے رہے ے۔ یہاں وہ کسی خاص مقصد کے تحت نہیں آئے تھے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ اور تھکن نے ہیں نڈھال کر دیا تھا۔ ناگر تو جس وقت سے آیا تھا برابر بیئر پیئے جا رہا تھا۔ حمید اس وقت شکاری ے لباس میں نہیں تھا۔ البتہ میک اپ وہی پرانا تھا۔ اس نے عمدہ قسم کا ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا اور وں میں ہیرے ڈال لئے تھے۔ بہر حال وہ اس وقت راجپوتوں کی کسی شاہی نسل کا ایک متمول معلوم ہو رہا تھا۔ چڑھی ہوئی گھنی سیاہ مونچھیں ظاہری وجاہت میں خاص اضافہ تھیں۔

"ابے او ڈانگر۔" حمید ناگر کی بوتل پر کاگ رکھتا ہوا بولا۔ "اب بس کرو۔"

"باس! ابھی سے باس۔" ناگر انگلی نچا کر بولا۔

"ارے تمہیں بیئر سے بھی نشہ ہو جاتا ہے۔"

"چوتھی بوتل ہے.... ہی ہی ہی میں کیا نشہ۔"

"ابے چل بھی سکو گے اب تم! مینڈک کہیں کے۔"

"مینڈک ہی ہی ہی.... مینڈک.... مینڈک کا اچار کھایا ہے تم نے کبھی۔"

"مت بور کرو۔" حمید بھنا کر بولا۔

"آج میں بہت اداس ہوں۔" ناگر رک رک کر بولا۔

"نہیں دیوداس ہو.... مت دماغ چاٹو۔"

"دیوداس بھی پیتے پیتے مر گیا تھا.... اور میں بھی کسی دن پیتے پیتے مر جاؤں گا.... مم.... .... کنور صاحب.... میں حمید صاحب کہنے جا رہا تھا.... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"کنور رنجیت سنگھ۔ اگر تم ذرا بھی بہکے تو الٹا ہاتھ رسید کروں گا۔"

"میں تم سے کمزور نہیں ہوں.... ہاں۔" ناگر بھنوئیں چڑھا کر بولا۔

"نہیں نہیں تم رستم ہو۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں ناگر نشے میں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ دفعتاً اس کی نظریں جعفری پر جم گئیں جو کاؤنٹر پر بارمین سے باتیں کر رہا تھا۔

"ناگر ڈیئر۔" حمید بولا۔ "کیا تم اسے جانتے ہو۔"

ناگر نے مڑ کر دیکھا۔ اس وقت جعفری مجمعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یک بیک حمید نے محسوس کیا جیسے ناگر کا نشہ ہی ہرن ہو گیا ہو۔ وہ پلٹ کر خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ ساتھ

ہی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان بھی پھیرتا جارہا تھا۔

"کیوں....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اس کی آنکھیں....!" ناگر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تمہیں پسند نہیں آئیں۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"میں جارہا ہوں۔" ناگر اٹھنے لگا۔

"بیٹھو....!" حمید اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آنکھیں.... مجھے نہ روکئے۔"

"بیٹھو....!" حمید نے زبردستی اُسے بٹھادیا۔ ناگر بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"بیئر اور منگاؤں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!" ناگر نے آہستہ سے کہا۔ وہ اب بھی مڑ مڑ کر جعفری کی طرف دیکھتا جارہا تھا

"آخر بات کیا ہے۔"

"وہ آنکھیں۔"

"ارے تو بولو نا بابا! یہ شعر ہے یا مصرعہ۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ وہی آنکھیں ہیں جنہوں نے مجھے دریا میں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا تھا۔"

"اوہ.... تمہیں یقین ہے۔"

"بالکل ویسی ہی ہیں۔"

"تو خیر بھاگنے کی ضرورت نہیں۔"

"میری جان نہ لیجئے۔"

"چپ بے.... ڈیوٹ۔"

ناگر ایک طرف گردن ڈال کر بیٹھ گیا۔

"وہ تمہیں اس میک اپ میں پہچان نہ سکے گا۔" حمید نے اسے تسلی دی۔

"کون؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ.... ارے۔"

"چپ رہو پھسڈی۔"

"خیر جان تو جانی ہی ہے کیوں نہ میں ہی....!" ناگر کا کانپتا ہوا ہاتھ اُس کی جیب کی طرف

ہا تھا۔

"خبردار.... پاگل ہوئے ہو۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہی مسٹر کیو ہے۔" ناگر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"بکو نہیں.... محض آنکھوں کی بناء پر.... اور پھر تم یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو
ہ وہ آنکھیں تمہارے مسٹر کیو ہی کی ہیں۔"

"پھر یہ ہے کون....!" ناگر نے پوچھا۔

"جیمس اینڈ جعفری کی فرم کا جنرل منیجر مسٹر جعفری۔"

"اوہ تب تو۔" ناگر کی آواز میں پھر کپکپاہٹ تھی۔ "تب تو.... پھر آخر فریدی صاحب نے
ں کے پیچھے آدمی کیوں لگائے ہیں۔"

"پتہ نہیں! چلو چھوڑو۔ ہمیں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ جیسا کہا جائے گا کریں
ے۔ ہائے کیا کیا یلا یلیاں نظر آرہی ہیں۔"

"یلا یلیاں کیا؟" ناگر نے پوچھا۔ لیکن وہ اب بھی خوفزدہ نظروں سے جعفری ہی کی طرف
یکھے جارہا تھا۔

"ابے تم یلا یلی نہیں سمجھے۔"

"نہیں۔"

"یلا یلی خوبصورت لڑکی کو کہتے ہیں لفظ "لڑکی" میں "ڑ" مجھے بہت گراں گزرتا ہے اور پھر
ب صورت لڑکی اُسے تو لچکیلا ہی سا نام دینا چاہئے۔ یلا یلی بہت مناسب ہے۔"

"زبردستی خواہ مخواہ۔" ناگر نے منہ بنایا۔ وہ دراصل کسی طرح جعفری کے خیال سے پیچھا
ڑانا چاہتا تھا۔ جواب ہال میں نہیں تھا۔

"زبردستی کیوں؟ ذرا اس یلا یلی کی آنکھیں تو دیکھو۔" دفعتاً حمید چونک کر بولا۔

حمید ایک لڑکی کو بڑی توجہ اور دل چسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"واقعی لاجواب آنکھیں ہیں۔" ناگر بڑبڑایا۔

"لیکن تم کو کسی اور کی آنکھیں بھی یاد آرہی ہوں گی۔"

"کس کی؟"

"خدا کی قسم یہ کنول کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔" حمید سیدھا ہو کر بولا۔

"کنول....!" ناگر ہنسنے لگا۔ "شاید آپ اس کی شکل بھول رہے ہیں۔"

"اور شاید وہ بھی تمہاری موجودہ شکل بھول جائے۔"

"تو کیا میک اپ ہے۔" ناگر نے پوچھا۔

"قطعی! یہ آنکھیں اور یہ گردن جھٹکنے کا مخصوص انداز کنول ہی کا ہو سکتا ہے۔" حمید اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

آرکسٹرا شروع ہو گیا تھا۔ لوگ رقص کے لئے اپنی جگہیں چھوڑ رہے تھے حمید جھپٹ کر اُس لڑکی کے قریب پہنچا۔

"کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" اس نے بڑے سلیقے سے جھک کر کہا۔

"جج.... جی ہاں.... مجھے خوشی ہو گی۔"

اس دوران میں آرکسٹرا نے دھن بدلی اور والز بجنے لگا۔ وہ دونوں رقاصوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ لڑکی نے اپنا جسم تان کر ٹھوڑی آگے کی طرف نکالی اور کولہوں کو پیچھے ہٹا کر حمید کے کاندھوں پر زول ڈال دیا اور حمید نے اسے گول گول چکر دینے شروع کر دیئے۔

"آپ کو والز کا بڑا سلیقہ ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"شکریہ۔"

"آپ کے بال بڑے حسین ہیں۔"

"اور آپ کی مونچھیں۔" لڑکی مسکرائی۔ "حالانکہ نقلی ہونے کی وجہ سے ایسی معلوم ہو ہیں جیسے کسی امرود پر گھاس اگ آئی ہو۔"

"اوہو....!" حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "لیکن آپ کی آنکھوں کے کنول ہمیشہ شاداب رہیں گے۔"

لڑکی ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "تو تم نے پہچان لیا.... امرود بخت۔"

"دور ہی سے پہچان گیا تھا۔"

"تو پھر گرفتار کرادو نا۔"

"ہے ہے! تمہیں میں گرفتار کراؤں گا..... تمہیں یلا یلی کو....!"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"میری لغت میں انتہائی حسین لڑکی کو کہتے ہیں۔"

"تم مکار ہو..... ہر جائی کہیں کے! میں تمہیں کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔"

"پھر بھی تمہارے مالک نے مجھے گولی کا نشانہ نہیں بنایا۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھلا تم جیسے الابلا کو۔"

"میں الابلا ہوں۔" حمید نے بُرا مان کر کہا۔

"بگڑو نہیں میری لغت میں الابلا انتہائی شریر لڑکے کو کہتے ہیں۔"

"کنول ڈارلنگ مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔ بے چارے ناگر کا تو بہت بُرا حشر ہوا۔"

"اُس مسخرے کا حشر۔" کنول ہنس کر بولی۔ "واقعی بہت بُرا ہوا ہے۔ بیئر کی چار چار بوتلیں ب ہی نشست میں صاف کر دیتا ہے۔"

"ارے تم اُسے بھی پہچان گئی ہو۔"

"کیوں نہیں! مجھے عرصہ سے تم لوگوں کی تلاش تھی۔"

"کیوں....!"

"مالک کا حکم! اور جس دن میں نے اطلاع دے دی تم لوگ ٹھکانے لگا دیئے جاؤ گے۔"

"ابھی تک کیوں نہیں دی۔"

"میری مرضی۔"

"کل کہاں ملو گی۔"

"کہیں نہیں..... لیکن تمہارے گرو گھنٹال کا پتہ آج تک نہ چل سکا۔"

"اور تو یہ کہو! اس طرح پتہ لگانا چاہتی ہو۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو جسے میں نے تکلیف سے بچانے کے لئے خواب آور دوا دی تھی۔"

"اس ہمدردی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید ہنس کر بولا۔

"مجرم بھی آدمی ہی ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لئے ان کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا نہیں ہوتا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "تو..... تم آج تک اپنے مالک کی شخصیت کے متعلق کچھ نہیں معلوم کر سکیں۔"

"نہیں.... اب میں اسے پھانسی کے تختے ہی پر پہنچانا پسند کروں گی۔"

"یہ تبدیلی کیوں؟"

"محض اسلئے کہ وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ اُسے بہتے ہوئے خون سے پیار ہے وہ بھیڑیا ہے۔"

"جعفری کو جانتی ہو۔"

"کون.... وہی خوفناک آدمی.... جو ابھی کاؤنٹر پر تھا۔"

"ہاں.... وہی۔"

"آج کل اُس کے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے۔" کنول بولی۔

"کیا خیال ہے کہیں وہی تو تمہارا مالک نہیں۔"

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے اسے اپنی لسٹ پر رکھ لیا ہے۔"

"لسٹ پر۔"

"ہاں مجھے بھی تو تمہاری ہی طرح مجرموں کی تلاش رہتی ہے۔"

"کیوں....؟"

"جس کے متعلق ذرا بھی شبہ ہوا کہ یہ کسی قسم کا مجرم ہو سکتا ہے میں اس کے پیچھے لگ جاتی ہوں اور پھر اس کے متعلق معلومات فراہم کر کے اپنے مالک کو اطلاع دیتی ہوں اور پھر وہ اسے بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

"تمہاری یہی ڈیوٹی ہے۔"

"ہاں....!"

"فی الحال میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ....!"

"کیا....؟"

"ہم سے مل کر کام کرو نا۔" حمید نے اپنی آنکھیں نشیلی بنا کر آہستہ سے کہا۔

"یہ کسی طرح ممکن نہیں۔"

"اونہہ.... چکر پورا نہیں ہوا۔" حمید نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بایاں پیر.... ٹھیک.... کنول ڈارلنگ تم سچ مچ بڑی پیاری ہو۔"

"تم سور ہو۔ مجھے بے وقوف مت بناؤ۔" کنول نے اس کے شانے پر چٹکی لی۔

"تم ایک محبت بھرے دل کے متعلق بہت کچھ جانتی ہو۔" کنول نے منہ بنا کر کہا۔ "تم روز کسی نہ کسی لڑکی کو بیوقوف بناتے ہو۔ ہرجائی ہو تم.... ہری چگ۔"

"میں نے آج تک کسی لڑکی کو بےوقوف نہیں بنایا البتہ بنتا ہی رہا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اب تک کنوارا ہوں۔" حمید کی آواز گلوگیر ہو گئی اور وہ بولتا رہا۔ "بہتیری لڑکیوں نے مجھ سے دی کا وعدہ کیا۔ لیکن بعد میں کیڑے نکال دیئے کسی نے کہا کہ تمہاری ایک ٹانگ چھوٹی ہے اور بڑی.... اچھا تمہیں بتاؤ.... اتنی دیر سے ناچ رہا ہوں تم نے کچھ محسوس کیا؟"

"نہیں تو....!"

"اگر ایک ٹانگ چھوٹی ہوتی تو میں باقاعدہ پھدکتا ہوتا۔ ایک لڑکی نے یہ کہہ کر میرا دل توڑ کہ کٹائی دیکھ کر میری رال ٹپکنے لگتی ہے۔ ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں بڑھاپے میں ل کھوسٹ معلوم ہونے لگوں گا۔"

"اور میں یہ کہتی ہوں کہ تم سے بڑا مکار آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا.... وہ ڑوں کی مار مجھے اب تک یاد ہے اور اس پر تمہارا رویہ۔ کوئی اور ہوتا تو اُس کے منہ سے آواز بھی نکلتی۔"

"خوب یاد دلایا۔" حمید نے کہا۔ "وہ لڑکی نادرہ کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں.... اب میرے ساتھ نہیں ہے۔"

"کنول ڈارلنگ.... میں مرتے دم تک تمہیں یاد رکھوں گا.... ہائے وہ پہلی ملاقات وہ اندنی رات اب بھی اکثر ذہن کے تاریک گوشوں میں پھسل آتی ہے۔ کاش یہ کم بخت تمہارا لک درمیان میں حائل نہ ہوتا۔ میں اُسے کسی دن تھری زیرو پر فون کر دوں گا۔"

"بہت اچھے۔" کنول نے قہقہہ لگایا۔ "اس طرح تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ اب اس ے رابطہ قائم کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔"

"چلو یہی سمجھ لو.... ویسے تم مجھے مکار تو سمجھتی ہی ہو۔" حمید معصومیت سے بولا۔

"فی الحال پیغام رسانی کے لئے آدمی استعمال کئے جا رہے ہیں۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان آدمیوں تک اُس کے پیغام کس طرح پہنچتے ہیں۔"

دفعتاً حمید کی نظر ناگر کی طرف اٹھ گئی جو میز پر سر اوندھائے بیٹھا تھا۔ اس نے رقص میں

بھی شرکت نہیں کی تھی اور پھر اسے جعفری دکھائی دیا جو ناگر کے قریب ہی کھڑا کسی عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ عورت کی پشت حمید کی طرف تھی۔ اتنے میں آرکسٹرا بند ہو گیا تھا۔ رقاص اپنی میزوں کی طرف لوٹنے لگے۔ جعفری سے گفتگو کرنے والی عورت مجمعے کی طرف مڑی اور حمید نے اسے ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ رشیدہ تھی۔

شریف بھیڑیا

رشیدہ اس وقت کسی طرح جعفری سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اگر اسے ذرہ برابر شبہ بھی ہوتا کہ جعفری اسے یہاں مل جائے گا تو وہ ادھر کا رخ ہی نہ کرتی۔ دن بھر کی کوفت دور کرنے یہاں چلی آئی تھی۔ ویسے اسے یہاں جعفری کو دیکھ کر حیرت ضرور ہوئی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ بہت ہی خشک اور غیر سوشل قسم کا آدمی ہے اور پھر اسے بھول کر بھی یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرے گا۔ بہر حال وہ اس کے اس رویہ پر کھٹک ضرور گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید جعفری کو اس کی تلاشی والی حرکت کا علم ہو گیا تھا اور اب وہ اس طرح اسے کسی جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔

رشیدہ نے سرجنٹ حمید اور ناگر کو بھی دیکھا تھا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہوتے ہی حمید پھر اسی لڑکی کے ساتھ ناچنے لگا تھا جس کے ساتھ اس نے پہلے رقص کیا تھا۔ ناگر کو میز پر سر اوندھا دیکھ کر اس نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ شاید زیادہ پی گیا ہے۔ کیونکہ شراب کی بوتل اب بھی اس کی میز پر رکھی ہوئی تھی۔

"آؤ.... لاؤنج میں چلیں۔" جعفری نے دوسرا راؤنڈ شروع ہوتے ہی رشیدہ سے کہا۔

لاؤنج بالکل خالی تھی۔ وہاں بیٹھنے والے سب کے سب رقص میں شرکت کرنے چلے گئے تھے

جعفری نے بیٹھتے ہوئے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "لڑکی تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا۔"

رشیدہ کو اپنی روح جسم سے پرواز کرتی معلوم ہونے لگی۔ وہ اس سے آنکھیں چرا رہی تھی۔

"تم شاید میری آنکھوں کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔" جعفری نے خوفناک آواز میں ہنس کر کہا اور جیب سے تاریک شیشوں کی عینک نکال کر لگالی۔ کچھ دیر رشیدہ کی گھبراہٹ سے غالباً

لطف اندوز ہوتا رہا پھر نرم لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہارے متعلق سب کچھ پتہ لگالیا ہے۔"

رشیدہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

جعفری بولتا رہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم نیو اسٹار کے زائد اسٹاف میں تھیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم وہاں سے ایک رقم کو خرد برد کر دینے کے الزام میں نکالی گئی ہو۔"

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ حقیقتاً انور نے یہی چال چلی تھی۔ غالباً اس کے لئے اسے زیدی سے یہی مشورہ ملا تھا۔ رشیدہ کی علیحدگی کی وجہ غبن دکھائی گئی تھی۔

رشیدہ نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا اور بڑے مسکین لہجے میں بولی۔ "پھر میں کیا کرتی۔ کیا بھوکوں مرتی۔ اگر میں علیحدگی کی اصل وجہ ظاہر کر دیتی تو مجھے کون ملازم رکھتا۔"

"کتنی رقم تھی؟"

"صرف ساڑھے تین سو روپے جو میں نے ایک سول ایجنٹ سے زر ضمانت کے طور پر وصول کر کے بعض ضروریات پر صرف کر دیئے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے کسی طرح ٹھیک کر دوں گی۔ مگر اچانک اس ایجنٹ کی ملاقات براہِ راست منیجر سے ہو گئی۔"

"خیر.... فکر نہ کرو۔ مجھے توقع ہے کہ تم کم از کم میرے ساتھ ایسا نہ کرو گی۔ ویسے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بڑی دلیر لڑکی ہو اور میں کم از کم ہر دلیر فرد کو دولت مند دیکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" رشیدہ نے کہا۔

جعفری نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں تمہیں دولت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"جی....!" رشیدہ کا دل پھر دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن اس بار وجہ خوف نہیں تھی، بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی کا خیال اس کے ذہن میں ہیجان برپا کیے ہوئے تھا۔

"تمہیں دولت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنے مخصوص اسٹاف میں جگہ دینے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" رشیدہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"لیکن لڑکی! ایک بات ذہن میں رکھنی پڑے گی کہ تم مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرو گی۔"

"دھوکا! نہیں کبھی نہیں۔ دھوکہ تو میں نے انہیں بھی نہیں دیا۔ میری نیت درست تھی۔

میں کسی نہ کسی طرح وہ رقم ضرور پوری کر دیتی۔"

جعفری تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہیں میرے لئے تھوڑی سی سراغ رسانی کرنی پڑے گی۔"

"سراغ رسانی۔" رشیدہ چونک پڑی۔

"ہاں! دفتر ہی میں۔" جعفری پرخیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میرے دفتر میں بھیڑوں کی کھال میں کچھ بھیڑیئے بھی گھس آئے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اس شہر میں میرے کچھ حریف بھی ہیں جو مجھے نقصان پہنچانے پر تلے رہتے ہیں۔ تلاش والا واقعہ تم بھولی نہ ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ دفتر ہی کے کسی فرد کے اشارے پر ہوا تھا۔"

"اوہ.... لیکن....!"

"مجھے یقین ہے کہ یہی بات ہے۔" جعفری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کل سے تمہاری تنخواہ پانچ روپے ماہوار لگے گی اور اس سراغ رسانی کے سلسلے کے اخراجات الگ.... بولو! کر سکو گی۔"

"ضرور کر سکوں گی۔" رشیدہ بڑبڑائی۔ "پانچ سو روپے۔ آپ بہت اچھے ہیں اور آپ اتنی بھی دیتے تو میرا فرض تھا۔ مالک کے نمک حراموں کو جہنم رسید ہی ہونا چاہئے۔"

"مجھے تم سے یہی توقع تھی۔" جعفری مسکرا کر بولا۔

"دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے" پھر جعفری بولا۔ "یہ راؤنڈ ختم ہونے سے پہلے ہ ہمیں اٹھ جانا ہے میں تمہیں اس وقت ایک ایسے شخص سے ملانا چاہتا ہوں جس کے پیچھے تم کل ہ سے لگ جاؤ گی۔"

"بہتر ہے۔" رشیدہ نے جلدی جلدی کافی پی اور پھر جعفری بل ادا کر کے اٹھا۔ دونوں دوسر دروازے سے باہر نکل آئے۔ جعفری کی کار قریب ہی کھڑی تھی۔ اُس نے اگلی سیٹ کی کھڑک کھولی اور رشیدہ اس کا شکریہ ادا کر کے اندر بیٹھ گئی۔ جعفری اُس کے برابر بیٹھ کر اسٹیئرنگ کر لگا۔ کار شہر کی سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ رشیدہ نے موج میں آ کر راحیلہ کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"میں جانتا ہوں وہ بڑی ایماندار لڑکی ہے۔" جعفری بولا۔

"آپ سے ڈرتی بہت ہے۔"

"میں دیدہ دانستہ اس پر سختی کرتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"کافی خوبصورت لڑکی ہے اگر کسی جال میں پھنس گئی تو.... اس کا خاندان تباہ ہو جائے گا۔ ی کی بیوہ اندھی ماں....!"

"آپ جانتے ہیں۔"

"کیوں نہیں۔" جعفری بولا۔ "میں اسی لئے اس پر سختی کرتا ہوں کہ وہ سنگھار کرنا چھوڑ ے۔ دفتر کے کئی کلرکوں نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے معاملات کو گے نہ بڑھنے دیا۔"

"سچ مچ آپ فرشتہ ہیں۔"

کار شہر کی ایک ویران سڑک پر جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" دفعتاً رشیدہ چونک کر بولی۔

"بس اب دور نہیں ہے۔ میں دراصل ایک آدمی کی عدم موجودگی میں تمہیں اُس سے ملانا ہتا ہوں۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی مگر اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"کیا تم ڈر رہی ہو۔" جعفری ہنس کر بولا۔ "میری نظروں میں عورتوں کا بہت احترام ہے۔"

اس نے یک بیک ایسی شکل بنائی جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً اس نے رشیدہ سے ہا۔ "کیا کار ڈرائیو کرنا جانتی ہو۔"

"جی ہاں۔"

"اچھا تو چند منٹوں کے لئے اسٹیئرنگ سنبھال لو۔"

رشیدہ نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھا اور وہ اچھل کر پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔

"فکر مت کرو، اسٹیئرنگ کرتی رہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

وہ پچھلا شیشہ گرا کر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ بہت دور سڑک پر ایک بہت بڑا اور متحرک تاریک دھبہ سا دکھائی دے رہا تھا یہ دراصل ایک کار تھی۔ جس کے ہیڈ لائیٹس روشن نہیں تھیں۔ غالباً جعفری کی کار کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ جعفری نے سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک

رائفل نکالی جس کی نال میں نیچے کی طرف ایک بڑی سی ٹارچ فٹ تھی۔

"چلتی رہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "ڈرنا مت میں فائر کرنے جا رہا ہوں۔"

"کیوں....؟" رشیدہ کانپ کر بولی۔

"چسفورڈ کمپنی کا کوئی آدمی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔"

"قتل! نہیں نہیں۔" رشیدہ بوکھلا گئی۔

"اوہ....!" جعفری غرایا۔ "میں صرف اس کی کار کا ایک ٹائر پھاڑنے جا رہا ہوں۔"

اُس نے رائفل سیدھی کی۔ ٹریگر پر انگلی رکھتے ہی ٹارچ روشن ہو گئی اور ساتھ ہی فائر بھی ہوا۔ گولی تعاقب کرنے والی کار کے اگلے پہیے پر لگی تھی۔

غیر ارادی طور پر رشیدہ کا ہاتھ گیئر پر جا پڑا.... اور کار کی رفتار کم ہو گئی۔

"کیا کر رہی ہو۔" جعفری غرایا اور رشیدہ کو رفتار پھر تیز کر دینی پڑی۔ جعفری پھر بولا۔

"بہت ڈرپوک ہو تم۔"

"مجھے کشت وخون سے دلچسپی نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"تو کیا میں خونی ہوں۔" جعفری بگڑ کر بولا۔

"جی نہیں۔" رشیدہ نے جلدی سے کہا۔

جعفری پھر اگلی سیٹ پر آ بیٹھا اور کار ڈرائیو کرنے لگا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم پہلے کسی زمانہ میں پولیس سے مل کر کام کیا کرتی تھیں۔ اب بھی کرتی ہو یا نہیں۔" جعفری اس کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔

"حالات پر منحصر ہے۔" رشیدہ نے بے پروائی سے کہا لیکن اس کا دل پھر دھڑکنے لگا تھا۔

"انور تمہارا شوہر ہے۔"

"نہیں صرف دوست ہے۔"

"بڑے کام کا.... آدمی ہے اگر اُسے بھی میرے ہی فرم میں لے آؤ تو کیا حرج ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ بلکہ میں آپ سے یہ استدعا کروں گی کہ میری تنخواہ میں اضافے کا علم اُسے نہ ہونے پائے۔"

"کیوں....؟"

"میرے زیادہ تر روپے وہی ہضم کر لیتا ہے اور اب تو مجھے اس سے کچھ کچھ نفرت سی ہو چلی ہے۔ واسٹار کے دفتر والی رقم دراصل اسی پر صرف ہوئی تھی۔ اس سور نے میری ذرا بھی مدد نہ کی۔"

"تو تم اس سے الگ ہونا چاہتی ہو۔"

"میں تو چاہتی ہوں لیکن وہ میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔"

"اور اگر میں چھڑا دوں تو۔"

"عمر بھر آپ کا احسان مانوں گی۔"

"اچھا میں کوشش کروں گا۔ ویسے وہ سو فیصدی پولیس کا پٹھو ہے۔"

"ایسا تو نہیں.... وہ پولیس والوں سے رقم اینٹھنا خوب جانتا ہے۔ انہیں اس بُری طرح بلیک میل کرتا ہے کہ خدا کی پناہ۔"

"مجھے معلوم ہے۔" جعفری نے کہا اور کار کی رفتار سست ہو گئی۔ تھوڑی دور چل کر ایک کچے راستے پر مڑی اور شاید ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کی مسافت طے کرنے کے بعد رک گئی۔ جعفری اتر پڑا۔ رشیدہ بھی اتری لیکن سہمی سہمی سی نظروں سے اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں اور سامنے ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کی کھڑکیوں سے زرد رنگ کی ہلکی روشنی چھن رہی تھی۔ دونوں مکان میں داخل ہوئے اور جعفری نے دروازہ بند کر کے ایک وحشتناک قہقہہ لگایا۔

رشیدہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ جعفری کی آنکھیں حد درجہ بھیانک نظر آنے لگی تھیں۔

"کیوں چوہیا۔" اُس کی غراہٹ بلند ہو گئی۔ "تو ایک بھیڑیئے کو راستہ دکھانے کی کوشش کر رہی تھی۔"

رشیدہ چیخ مار کر ایک صوفے پر گر گئی۔

جعفری نے پھر ایک قہقہہ لگایا لیکن یہ قہقہہ معنوی اعتبار سے قہقہہ ہرگز نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی شیر دھاڑ کر رہ گیا ہو۔

رشیدہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے پڑی تھی۔

"فریدی ہی نے بھیجا تھا نا تجھے۔"

"نہیں.... نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔" رشیدہ خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"مجھے جھوٹا کہتی ہے۔"

"ہاں....؟"

"کیا....؟"

"نہیں نہیں....!"

"تیرے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کردوں گا اور کسی کو کانوں کان تک خبر نہ ہوگی۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر غشی طاری ہو رہی ہو۔

"بتاؤ! فریدی کہاں ہے؟" جعفری نے اس کی گردن ٹٹولتے ہوئے کہا اور پھر اس کی گر
سخت ہو گئی۔

"بتاتی ہوں۔" رشیدہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی اور جعفری نے اُس کی گردن چھوڑدی

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پانی....پانی۔"

"تم نہیں جانتیں۔"

"ہاں اس نے مجھے ایک خط کے ذریعے آپ کے یہاں ملازمت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"اور تم نے ملازم ہوتے ہی اپنا کام شروع کردیا۔ کیوں کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ شہر میں جتنے
قتل ہوئے ہیں ان میں میرا ہاتھ ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتی۔ اس نے صرف یہ لکھا تھا کہ میں ہوشیاری سے سب کچھ دیکھتی ا
رہوں۔"

"تمہارے علاوہ اور بھی کوئی ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"خیر....اب اس وقت تک تمہاری رہائی ناممکن ہے جب تک تم یہ سب کچھ اگل نہ دو
جعفری نے رشیدہ کی گردن پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کردیا اور اس کے دونوں ہاتھ پشت
لے جا کر انہیں ایک پتلی سی ڈور سے باندھنے لگا۔ دفعتاً ان دونوں پر ایک بہت ہی تیز قسم کی ر
پڑی اور فوراً ہی غائب ہوگئی۔ جعفری غراتا ہوا کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ باہر بدستور تاریکی
ہوئی تھی۔ اس نے کھڑکی کے باہر چھلانگ لگادی۔ پھر وہ دیوانوں کی طرح قرب وجوار میں
پھر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہانپتا ہوا کمرے میں واپس آگیا۔ رشیدہ کے دونوں ہاتھ پشت پر بن

ہوئے تھے....اور....وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔

"تمہارے حمایتی۔" وہ گرج کر بولا۔ "لیکن دیکھنا ہے کہ وہ تمہیں یہاں سے کس طرح لے
جاسکتے ہیں۔ پولیس....ہوں....پولیس میرے نزدیک بے جان کھلونا ہے، جس کی اسپرنگ
جب چاہوں توڑ دوں۔ تلاشی میں کیا ملا تھا نہیں اور تم نے کیا دیکھا تھا....ہنہہ....!"

گرفتاری اور فرار

رشیدہ کو غائب ہوئے دس دن گذر گئے تھے۔ اس دوران میں انور نے جیمس اینڈ جعفری کا
پورا دفتر ہلا کر رکھ دیا لیکن کوئی نتیجہ نہ برآمد ہوا۔ جعفری نے رشیدہ سے جو کچھ بھی کہا تھا سچ کر
دکھایا۔ پولیس اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکی۔ ایک طرف اس نے خود محکمہ پولیس ہی پر ہرجانے اور
ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر رکھا تھا اور دوسری طرف رشیدہ کے خلاف ایک رپورٹ بھی
درج کرائی تھی۔ اس نے اس پر الزام لگایا تھا کہ وہ اس کی تجوری کا تالا توڑ کر پندرہ ہزار روپے کے
نوٹ نکال لے گئی ہے ثبوت میں اس نے رشیدہ کا ہینڈ بیگ پیش کردیا جو اسے ٹوٹی ہوئی تجوری
کے پاس ہی پڑا ملا تھا۔ تجوری کے ہینڈل پر رشیدہ کے انگلیوں کے نشانات تک مل گئے۔ یہ تجوری
اسی کے کمرے میں رکھی رہتی تھی۔ اس واقعے والی شام کو جعفری نے رشیدہ کو تجوری کی کنجی
دے کر اس میں سے کچھ نکالنے کو کہا تھا۔ اس طرح تجوری کے ہینڈل پر اس کی انگلیوں کے
نشانات باقی رہ گئے تھے اور جعفری نے اُس وقت تک انکی حفاظت کی تھی جب تک پولیس نے
انہیں دیکھ نہیں لیا تھا۔

نہ صرف انور بلکہ حمید اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اس کے لئے سرگرداں تھے۔ البتہ
فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اب تو حمید کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ حمید کو یقین کامل تھا
کہ رشیدہ کو جعفری ہی نے غائب کیا ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کو وقوعے والی رات کو آرلکچنو
میں ساتھ دیکھا تھا۔ اسے اب رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے ان دونوں پر نظر کیوں نہ رکھی۔

اس دوران میں بھی کئی حادثات رونما ہوئے تھے۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر
نارنگ نے اپنا دیہی بنگلہ خالی کرادیا تھا اور ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کی نگرانی کرنے کے لئے محکمہ
سراغ رسانی کے دو انسپکٹر مقرر کر دیئے تھے لیکن دوسری صبح ان دونوں کی لاشیں ملیں۔ اُن کے

سر بڑی بے دردی سے کچلے گئے تھے اور لاشیں راستے پر ڈال دی گئی تھیں اسی رات کو ڈاکٹر نارنگ پر ایک بار پھر حملہ ہوا۔ اس کے بیان کے مطابق جب وہ رات کا کھانا کھا کر پائیں باغ میں ٹہل رہا تھا تو کسی نے اس پر چھرے سے حملہ کیا اور اس کا داہنا بازو زخمی ہو گیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اس نے بتایا کہ وہ حملہ آور کو پہچان نہیں سکا تھا۔ اگر وہ لڑنے پر آمادہ نہ ہو گیا ہوتا تو حملہ آور دوسرا وار ضرور کرتا۔ اس کے نوکروں نے اس کی چیخ سنی تھی۔

ان حادثات کے بعد ڈاکٹر نارنگ کے دیہی بنگلے اور شہری رہائش گاہ پر مسلح پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا۔ لیکن ایک رات بنگلے کے پہرے داروں پر کسی نامعلوم آدمی نے دیسی بم پھینکے۔ نتیجہ کے طور پر ایک ہلاک ہو گیا اور تین کے گہرے زخم آئے۔ البتہ اس کی شہری رہائش گاہ پر پھر کوئی حادثہ نہیں ہوا۔

اب تو ڈی۔ آئی۔ جی کو بھی فریدی پر تاؤ آنے لگا تھا۔ محکمہ سراغ رسانی پر چاروں طرف سے بوچھاڑیں ہو رہی تھیں۔ حکومت نے پورے ملک کے بہترین دماغ ایک جگہ اکٹھا کر دیئے تھے لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ پھر یہ خبر بھی گشت کرنے لگی تھی کہ حکومت عنقریب برطانوی حکومت سے استدعا کر کے اسکاٹ لینڈیارڈ کے نامور جاسوسوں کی خدمات حاصل کرنے والی ہے۔

ڈی۔ آئی۔ جی اپنے آفس میں بیٹھا بُری طرح کھول رہا تھا کہ چپراسی نے ایک کارڈ لا کر پیش کیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی پیشانی پر شکنیں ڈالے اس کارڈ کو چند لمحے گھورتا رہا پھر جھنجھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آنے دو۔“

نیو اسٹار کا کرائم رپورٹر انور سعید چق ہٹا کر اندر داخل ہوا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے مضطربانہ انداز میں کہا جس میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔ ”وہ لڑکی ملی یا نہیں۔“

”وہ تو نہیں ملی۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن اس کا سراغ مع ثبوت مل گیا ہے۔“

”یعنی....!“ ڈی۔ آئی۔ جی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

انور نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اس کی میز پر رکھ دی۔

”یہ کیا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی اُس پر جھکتا ہوا بولا پھر سیدھا ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کچھ نہ بولا۔

”بولتے کیوں نہیں، یہ کون ہے؟“ ڈی۔ آئی۔ جی نے جھنجھلا کر پوچھا۔

”جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری.... اور دوسری رشیدہ ہے۔“

”اوہ....!“ ڈی۔ آئی۔ جی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”اور غالباً یہی مسٹر کیو ہے۔“ انور بولا۔ ”اُسے کسی طرح علم ہو گیا کہ رشیدہ کو فریدی صاحب نے اس کی فرم میں ملازمت کرنے کی ترغیب دی تھی لہٰذا اس نے اُسے غائب کر دیا اور اس کی چالاکیوں سے تو آپ واقف ہی ہوں گے کہ اس نے کس طرح پولیس پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا ہے اور کس خوش اسلوبی سے رشیدہ کو چور ثابت کر کے اس کے خلاف رپورٹ بھی درج کرا دی ہے۔“

ڈی۔ آئی۔ جی اس تصویر کو برابر گھورے جا رہا تھا۔ یہ جعفری اور رشیدہ کی تصویر تھی جس میں وہ رشیدہ کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ رہا تھا۔

”تمہیں یہ ملی کہاں سے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

”ایک خط کے ساتھ فریدی صاحب کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔“

”فریدی۔“ ڈی۔ آئی۔ جی چونک کر بولا۔ ”وہ ہے کہاں.... خط لاؤ۔“

”پتہ نہیں.... وہ کہاں ہیں۔“ انور جیب سے خط نکالتا ہوا بولا۔ ”دستی خط.... آر لکچو کے ویٹر سے ملا تھا۔“

کاغذ پر صرف دو سطریں تحریر تھیں۔

”تصویر بھیج رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم صحیح نتیجے پر پہنچو گے اُسے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کے پاس لے جاؤ.... ”ف“

”مائی گاڈ....!“ ڈی۔ آئی۔ جی حیرت سے بولا۔ ”تو یہی شخص مسٹر کیو ہے۔“

”میرا تو یہی خیال ہے۔“ انور نے کہا۔

”اچھا تو تم جاؤ۔“ ڈی۔ آئی۔ جی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”اخبار میں اس کے متعلق کچھ نہیں آنا چاہئے۔“

”بہتر ہے۔“ انور نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

دوسرا لمحہ ڈی۔ آئی۔ جی کے لئے انتہائی ہیجان آفریں تھا۔ وہ خط اور تصویر لئے ہوئے آئی۔ جی کے دفتر کی طرف لپکا۔

پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کسی کو سانس

لینے کی مہلت بھی نہ ملی لیکن خود جعفری کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پولیس نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ جعفری کے کمرے والا تہہ خانہ بھی دیکھا گیا لیکن لاحاصل.... دفتر کا سارا عملہ حراست میں لے لیا گیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر تھپڑ مارے۔ جلدی میں اس نے ایک زبردست غلطی کی تھی۔ محاصرے سے پہلے اسے معلوم کر لینا چاہئے تھا کہ جعفری دفتر میں موجود بھی ہے یا نہیں۔ آئی۔ جی بھی اس کے سر الزام تھوپ رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود بھی عقل رکھتا تھا۔ اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند لمحوں کے بعد وہ دونوں ہی متفقہ طور پر فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔

"کیا حماقت کی ہے اس لونڈے نے خود کو نہ جانے کیا سمجھ رکھا ہے۔" آئی۔ جی بولا۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ آخر اس کرائم رپورٹر کو تصویر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "خود آرائی کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔"

"بہت ہو چکا۔" آئی۔ جی پھنکارا۔ "پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ میں آج ہی اسے معطل کر رہا ہوں اور ساتھ ہی اس کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کراؤں گا۔ بہت سر چڑھایا گیا ہے۔ میں کس ایسے آدمی کا وجود اپنے محکمے میں برداشت نہیں کر سکتا جو ڈسپلن برقرار نہ رکھ سکے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ریسیور اٹھا لیا۔ چند لمحے بُرا سا منہ بنائے ہوئے سنتا رہا پھر ایک طویل "اچھا" کے ساتھ ریسیور پٹخ دیا۔

آئی۔ جی سوالیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو جان ہی کو آ گیا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بڑبڑایا۔

"کون....؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ڈاکٹر نارنگ.... اب نہ جانے کون سی آفت ٹوٹی ہے کہ بلا رہا ہے۔"

"ابھی کیا ہے! یہ سارے لیڈر ناطقہ بند کر دیں گے۔ فریدی کے لونڈا پن کی وجہ سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔"

ڈی۔ آئی۔ جی دو انسپکٹروں کے ساتھ ڈاکٹر نارنگ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈاکٹر نارنگ برآمدے میں کھڑا پائیں باغ میں پھیلے ہوئے کبوتروں کے لئے دانہ ڈال رہا تھا۔

"فرمائیے۔" میں آج بہت مشغول ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"کیا؟ میں نہیں سمجھا!" ڈاکٹر نارنگ نے حیرت سے کہا۔

"آپ نے فون کیا تھا مجھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھنجھلا کر بولا۔

"میں نے.... نہیں تو۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے بسی سے بولا۔ "وہ مسٹر کیو بھی ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔"

"کیا کیسے.... یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ اندر چلئے۔" ڈاکٹر نارنگ بولا۔

وہ لوگ ملاقاتی کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔

"کیا مسٹر کیو کی شخصیت ظاہر ہو گئی۔" ڈاکٹر نارنگ نے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن اسے فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھئے گا۔ سردست تو وہ نکل بھی گیا ہے۔ لیکن زیادہ دیر تک نہ بچ سکے گا۔ سارے ملک میں وائرلیس کے ذریعہ اس کا حلیہ جاری کر دیا گیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری۔" ڈی۔ آئی۔ بولا۔

قبل اس کے کہ ڈاکٹر نارنگ کچھ کہتا کمرے کے ایک گوشے میں غراہٹ سی سنائی دی۔

"جعفری حاضر ہے۔"

وہ سب چونک کر مڑے۔

جعفری ایک دروازے میں کھڑا انہیں خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ جس کا رخ انہیں کی طرف تھا۔ وہ چاروں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" جعفری غرایا۔ "مسٹر کیو پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب۔"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سبھوں کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ البتہ ڈاکٹر نارنگ کے ہونٹوں پر عجیب طرح کی مسکراہٹ تھی۔ جعفری نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالا اور ایک انسپکٹر کی طرف اچھالتا ہوا بولا۔ "اپنے ڈی۔ آئی۔ جی اور ڈاکٹر نارنگ کے ہاتھوں میں ڈالو.... چلو.... جلدی کرو۔"

انسپکٹر نے طوعاً و کرہاً ایک ہتھکڑی ڈی۔ آئی۔ جی کے اور دوسری ڈاکٹر نارنگ کے ہاتھ میں

ڈال دی۔ دوسرے سب انسپکٹر کا ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا تھا کہ جعفری نے اسے للکارا
"خبردار میں سر سے پیر تک آنکھیں ہی آنکھیں رکھتا ہوں۔"

"یہ کیا لغویت ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھلا کر چیخا۔

"سرکار ناراض نہ ہوں۔" جعفری قدرے جھک کر بولا۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے سر پر تھا
اس نے اپنے بال مٹھی میں جکڑے اور ایک جھرانا سا مارا۔ بالوں کے ساتھ چہرے کی کھال بھی
اترتی چلی گئی اور جب وہ سیدھا ہوا تو ڈی۔ آئی۔ جی اور دونوں انسپکٹر بے ساختہ چیخ پڑے۔ "فریدی۔"

دفعتاً ڈاکٹر نارنگ ڈی۔ آئی۔ جی پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں کے داہنے اور بائیں ہاتھ ایک ساتھ
جکڑے ہوئے تھے اور دوسرے دائیں بائیں آزاد تھے۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آ رہے۔ قبل
اس کے کہ وہ لوگ سنبھلتے ڈاکٹر نارنگ اٹھ کر بھاگا۔ پتہ نہیں اس نے کس طرح اپنا ہاتھ ہتھکڑی
سے نکال لیا تھا۔ ہتھکڑی بدستور بند تھی۔ فریدی ڈاکٹر نارنگ کے پیچھے دوڑا۔ اس کے پیچھے
تینوں بھی بھاگے۔ وہ سارے کمروں میں ناچتے پھر رہے تھے اور ڈاکٹر نارنگ کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"میں بھی شاید پاگل ہو گیا ہوں۔" فریدی نے کہا اور ایک سمت دوڑنے لگا۔ ایک کمرے میں
پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے رکا۔ یہاں ایک میز الٹی پڑی تھی غالباً وہ دیوار سے لگی رہی ہوگی۔

"یہ ہتھکڑی لو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اپنے ہاتھ میں جھولتی ہوئی ہتھکڑی کی طرف دیکھ کر
کہا۔ ایک انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ہتھکڑی نکال دی۔

فریدی دیوار سے لگے ہوئے ایک ایک ریک پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ دفعتاً ریک اپنی جگہ
کھسک کر ایک طرف ہو گیا۔ سامنے دروازہ تھا وہ چاروں دیوانہ وار اندر گھسے۔

"بڑا غلط طریقہ تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بڑبڑا رہا تھا۔

"جناب والا۔" فریدی نے مڑے بغیر کہا۔ "آپ محاصرہ کر کے تو اُسے پکڑ ہی نہیں سکتے
تھے۔ اس عمارت کے نیچے سرنگوں اور تہہ خانوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ گھبرائیے نہیں! میں جانتا
ہوں کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔"

وہ ایک کشادہ سرنگ میں دوڑ رہے تھے۔ اُن میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن ا
کے دم گھٹ رہے تھے۔ سرنگ تاریک اور متعفن تھا۔

"لیکن سنو تو سہی۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہانپتا ہوا بولا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"ہاٹم روڈ پر نکلیں گے۔ موٹروں کے کارخانہ کے پاس۔ گھبرائیے نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ
ہیں گیا ہوگا۔ موٹروں کا کارخانہ اسی کا ہے۔ اس نے وہاں سے ایک موٹر لی ہوگی اور سیدھا ساگر
ن گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ مسٹر کیو ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اس سرنگ میں دوڑتے وقت بھی نہیں۔" فریدی کے لہجے میں تمسخر تھا۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔

"آخر اتنا اُدھم مچانے کی کیا ضرورت تھی۔" ایک انسپکٹر بولا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔" فریدی بولا۔ "ذرا رفتار اور تیز کیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد انہیں روشنی دکھائی دی۔ پھر تین زینوں پر نظر پڑی دوسرے لمحے میں وہ باہر
ایک بڑا سا پتھر ایک طرف پڑا تھا جو غالباً ڈاکٹر نارنگ کے نکلنے سے پہلے سرنگ کے دہانے پر
ارہا ہوگا۔ چاروں طرف کروندے کی کانٹے دار اور بے ترتیب جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔
ں نے بروقت تمام راستہ بنایا اور باہر نکلے۔ سڑک زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے جنرل
رگیراج تک آئے۔ کم از کم ڈی۔ آئی۔ جی کے لئے تو یہ نئی اطلاع تھی کہ وہ گیراج ڈاکٹر نارنگ
ی ملکیت تھا۔ گیراج کا منتظم باہر ہی مل گیا۔

"ڈاکٹر صاحب آئے تھے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"تنہا ہی تھے۔" فریدی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ گیراج کا منتظم دونوں انسپکٹروں کو
ت سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹیاں لگا رکھی تھیں۔ منتظم نے
ب میں سر ہلا دیا۔

"اُف فوہ۔" فریدی نے بے چینی سے کہا۔ "انہیں منع کیا گیا تھا کہ تنہا باہر نہ نکلیں۔ کتنا
رہ ہے ان کے لئے.... کدھر گئے۔"

"ایک کار لے کر اُدھر گئے ہیں۔" منتظم نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"کوئی اور گاڑی فالتو ہے۔"

"جی ہاں ہے۔"

"فون بھی ہے یہاں.... اچھا ذرا گاڑی جلدی سے نکلوائیے۔ ان کی جان کو خطرہ ہے۔"

فریدی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگا۔

"فون ہے! آئیے۔" منتظم گھبرا گیا تھا۔ فریدی نے فون پر ہاتھ ڈالا۔

"ہیلو.... کوتوالی.... ڈی۔ آئی۔ جی آف انٹیلی جنس اسپیکنگ.... ساگر مینشن کا محاصرہ فور
کرلیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ آدمیوں سمیت.... فوراً.... جلدی۔"

ریسیور رکھ کر فریدی باہر بھاگا۔ کار باہر کھڑی تھی۔ اس نے جھپٹ کر اسٹیئرنگ سنبھالا ا
اس کے ساتھی بھی بیٹھ گئے۔ کار تیزی سے بیلی روڈ کی طرف مڑی اور دونوں انسپکٹروں کے
ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

لاشوں کی بارش

"اُف فوہ! کتنا بے وقوف بنے ہیں ہم لوگ.... اس کی گرفتاری کے بعد بھی شاید کسی
مشکل ہی سے یقین آئے کہ وہ خود ہی مسٹر کیو ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میرے پاس ثبوتوں کا انبار عظیم ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"حمید کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں! ہوگا کہیں۔" فریدی بولا۔ "اس بار میں نے انہیں بھی دھوکے میں رکھا۔
جنہیں خود ہی کام پر لگایا تھا۔" ایک لمحے کے لئے خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔

"حمید تک کو اس کا علم نہیں کہ مسٹر کیو کون ہے۔ وہ اب بھی جعفری کی تلاش میں ہوگا۔"

"لیکن.... کیوں؟"

"اطمینان سے عرض کروں گا۔ فی الحال تو میں بھی امید و بیم کی حالت میں ہوں۔"

"اگر نکل گیا تو بہت بُرا ہوگا۔"

"ساگر مینشن کے علاوہ اور کہیں نہیں جاسکتا۔" فریدی نے کہا۔

"یقین کی کوئی وجہ۔"

"ہیڈ کوارٹر ہی ہے پانچ دنوں سے متواتر میں اسی چکر میں رہا ہوں اور یقین واثق ہو جانے
اُن اقدام کا فیصلہ کیا تھا۔ اُف فوہ! آج تو یہ فاصلہ کسی طرح کم ہی نہیں ہو رہا ہے۔"

"دیکھو رفتار کم کرو۔ ہم شہر کے آباد حصے میں داخل ہو رہے ہیں۔"

"غالباً پولیس اب تک وہاں پہنچ گئی ہوگی۔" فریدی نے رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم نے فون پر! اُف فوہ.... بڑی غلطی کی۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے چینی سے پیشانی
رگڑنے لگا۔

"جی.... کیسی غلطی۔"

"تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ نارنگ ہی مسٹر کیو ہے۔ اگر وہ انہیں دھوکہ دے کر نکل گیا تو۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر وہاں پولیس پہنچ بھی گئی ہوگی تو بھی شاید ہی عمارت میں داخل ہو سکی ہو۔"

"کیوں؟"

"وہاں مسٹر کیو کے ساتھ ستر آدمی رہتے ہیں اور ڈاکٹر نارنگ کا ذہنی توازن فی الحال بگڑ گیا
ہے ورنہ وہ اس طرح نہ بھاگتا۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنا محتاط آدمی تھا۔ خود اس کے آدمیوں کو اس کا علم
نہیں کہ مسٹر کیو کون ہے۔ اس نے ہر طرح اپنی مضبوطی کر رکھی تھی۔ اگر وہ اس طرح نہ بھاگتا تو
اسے مجرم ثابت کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجاتا اور میں نے یہ ڈرامائی انداز محض اس لئے
اختیار کیا تھا کہ اسے اچانک ذہنی طور پر انتشار میں مبتلا کردوں اور وہ گرفتاری کے وقت ردعمل
کے طور پر کوئی اضطراری حرکت کر بیٹھے مگر مجھے اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ بند ہتھکڑی سے
ہاتھ نکال لے گا۔"

"واقعی تم اس سے بھی زیادہ بھیانک ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اگر
خدانخواستہ کہیں تم بھی غیر قانونی راستوں پر نکل گئے ہوتے تو ہم لوگوں کے لئے ایک مستقل درد
سر ہو جاتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ دفعتاً اس نے کار کی رفتار بالکل کم کردی اور ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر
آہستہ سے بولا۔ "سن رہے ہیں آپ۔"

"ارے! یہ تو مشین گنوں کی آوازیں ہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اچھل کر کہا۔

"وہ دیکھئے۔" فریدی نے سامنے اشارہ کیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور ساگر مینشن سے
چاروں طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ پولیس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے کار بیک کی۔ اگر وہ دو ڈھائی سو گز اور آگے بڑھ گئے ہوتے تو کار
گولیوں کی زد پر آجاتی۔ فریدی نے کار کو اگلی گلی میں موڑ دیا۔ ساگر مینشن مقابل سمت کی لائن میں

تھی۔ گلی کے اندر سہمے ہوئے آدمیوں کا ہجوم تھا اور پولیس والے بھی سراسیمگی کا شکار ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ فریدی کار روک کر کود پڑا۔ وہ سب بھی اترے، اور بھیڑ میں گھستے چلے گئے۔

آگے چل کر ایس۔ پی سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہ ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف جھپٹا۔

"ہمارے آنے سے قبل ہی گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میرے خدا نہ جانے کتنی لاشیں ساگر مینشن کے سامنے پڑی ہیں.... اور.... آئیے میرے ساتھ۔"

ایس۔ پی انہیں لے کر ایک عمارت میں داخل ہو گیا۔ اوپری منزل پر پہنچ کر اُس نے ایک کمرے کے روشندان کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سب روشندانوں سے جھانکنے لگے۔ یہ عمارت ٹھیک ساگر مینشن کے سامنے تھی اور یہ لوگ اس کے عقبی راستے سے داخل ہوئے تھے۔

روشندانوں سے آنکھیں لگاتے ہی فریدی اور اس کے ساتھیوں کے منہ سے بیک وقت "ارے" نکل گیا۔ گولیاں ساگر مینشن کے اُن نلوں سے نکل رہی تھیں جو غالباً بارش کا پانی نکلنے کے لئے لگائے گئے تھے۔ ایک ایک فٹ باہر نکلے ہوئے نل جن کا جھکاؤ غالباً پچھتر ڈگری کے زاویئے سے سڑک کی طرف تھا۔

"ایسے ہی نل۔" ایس۔ پی بولا۔ "پوری عمارت میں چاروں طرف لگے ہوئے ہیں۔ غالباً چوتھی سمت بھی گولیاں برس رہی ہوں گی۔"

ساگر مینشن کے ٹھیک نیچے فٹ پاتھ پر لاشوں کے ڈھیر تھے۔

"مگر وہ لاشیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ تو گولیوں کی زد میں نہیں۔ وہاں ان کا ڈھیر کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اور.... اُف۔" عمارت کا ایک مکین آگے بڑھ کر ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھ سے پوچھئے.... میرے خدا.... میرے حواس درست نہیں۔ وہ لاشیں ساگر مینشن ہی سے گری ہیں۔ لاشوں کا آبشار.... خدا کی قسم.... لاشوں کا آبشار۔ وہ اس طرح گر رہی تھیں جیسے بارش ہو رہی ہو۔ سب سے پہلے لاشیں گریں اور پھر.... ان نلوں سے گولیاں نکلنے لگیں۔ میرا بھائی.... ہائے کہیں وہ بھی.... نہ مارا گیا ہو.... میرے خدا.... اس کا کچھ پتہ نہیں۔"

وہ خاموش ہو کر الٹے پاؤں دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ گولیاں برابر سے جارہی تھیں۔

فریدی نے ایک بار پھر فٹ پاتھوں پر پڑی ہوئی لاشوں کی طرف دیکھا اور نیچے اُتر آیا۔

"تو اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اب کیا کیا جائے۔" ڈی۔ آئی۔ جی پاگلوں کی طرح آنکھیں نکال کر بولا۔

"فون.... یہاں اس عمارت میں کوئی فون ہے۔" فریدی ایس۔ پی کی طرف مڑا۔

"وہ تو ہوگا ہی! یہ بتائیے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"مسٹر کیو۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "وہ اس عمارت میں موجود ہے۔"

ایسا معلوم ہوا جیسے ایس پی پر بم گر پڑا ہو۔ وہ حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑے کھڑا رہا۔

"کیوں بھئی! فون ہے یہاں۔" فریدی ایک آدمی کی طرف مڑا جو غالباً اسی عمارت کا کوئی فرد تھا۔

"جی ہاں! آئیے میرے ساتھ۔"

وہ دونوں تیزی سے اترے۔ دوسرے لمحے میں فریدی کی انگلی ٹیلی فون کے ڈائیل پر چل رہی تھی۔ اُس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ "ہیلو.... ہیلو۔"

جواب میں ایک خوفزدہ سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر نارنگ سے کہو۔" فریدی گرجا۔ "کب تک گولیاں چلیں گی۔ ساگر مینشن کا ایک نفس زندہ نہ بچے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ ساگر مینشن ایک سیدھی سادی سی عمارت ہے۔"

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔" گھٹی گھٹی سی آواز آئی۔ "مجھے بچاؤ.... میں ایک کمرے میں پھنسی پڑی ہوں۔ دروازے پر ایک بڑی وزنی الماری آگری ہے۔ میں اُسے ہٹا نہیں پا رہی ہوں۔ مجھے بچائیے۔"

"تم کون ہو؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک بے بس لڑکی۔ اسے نہیں معلوم کہ میں زندہ بچ گئی ہوں۔ ورنہ وہ مجھے بھی نہ چھوڑے گا.... بچاؤ۔"

"کیا وہ تنہا ہے۔"

"ہاں.... اس نے سبھوں کو مار ڈالا ہے اور اب ایک مرکزی مشین پر بیٹھا ساری مشین گنوں کو کنٹرول کر رہا ہے۔ خدارا کسی طرح آؤ۔ وہ پاگل ہو گیا ہے میں نہیں جانتی کہ اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔"

"وہ.... وہی تمہارا مسٹر کیو ہے۔ تم کنول تو نہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... آپ کون ہیں.... کہاں سے بول رہے ہیں۔"

"فریدی.... چپ چاپ پڑی رہو۔ وہ کس کمرے میں ہے۔"

"لائبریری کے قریب والے میں جس میں مشینیں فٹ ہیں۔ فریدی صاحب خدا کے لئے مجھے بچائیے۔ اس نے سب کو مار ڈالا نادرہ.... کرنل کی بہن کو بھی۔"

"لیکن.... اس نے تنہا.... ان سبھوں کو کس طرح مار ڈالا۔"

"اُوہ.... بڑے خوفناک طریقے سے۔ اس نے عمارت میں داخل ہوتے ہی سبھوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ مسٹر کیو کا حکم ہے کہ تم سب اوپر چلو۔ پھر اس نے ان سبھوں کو اوپری منزل پر لے جا کر چھت کے سرے پر کھڑا کیا۔ خدا کی پناہ میں بھی انہیں میں تھی۔ پھر اچانک اس نے ایک برین گن اٹھائی اور گولیاں برسانے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں خون تھا اور وہ اندھا ہو رہا تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح نکل گئی اور اب میں اس کمرے میں۔ پھنسی ہوئی گولیوں کی آوازیں سن رہی ہوں۔ خدا کے لئے جلد پہنچئے۔"

"اچھا لڑکی۔" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "چپ چاپ پڑی رہو۔ میں آ رہا ہوں۔" وہ ریسیور رکھ کر جانے کے لئے مڑا۔

ڈی۔ آئی۔ جی وغیرہ بھی اُسی کمرے میں آ گئے تھے۔

"کیسے جاؤ گے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جس طرح بھی بن پڑے گا۔ جانا تو ہے ہی۔ وہ تنہا ہے اور ایک مشین کے ذریعہ ان بندوقوں کو کنٹرول کر رہا ہے۔"

"نہیں.... اس حالت میں.... بھلا میں کیسے جانے دوں گا۔ اب میرے خیال سے اسے تھکنے ہی دو۔ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں اور اب کسی کے مرنے کا امکان نہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"وہاں ایک زندگی خطرے میں ہے۔ ایک ایسی لڑکی جس سے ہمیں تھوڑی بہت مدد بھی ملی ہے۔ میں اُسے اس کے رحم و کرم پر کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔"

"پاگل نہ بنو۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔

"میں آپ کا حکم نہ ماننے پر مجبور ہوں۔" فریدی نے پلٹ کر اُسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی پاگل کی ویران آنکھیں رہی ہوں۔ بے حس اور خوفناک۔ فریدی ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھا۔ لیکن ایس۔ پی دروازے میں حائل ہو گیا تھا۔

"براہِ کرم ہٹ جائیے۔ وہاں تک پہنچنا کچھ مشکل کام نہیں۔ تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کس کمرے میں ہے۔ عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔ وہ بس اندھوں اور پاگلوں کی طرح گولیاں برسا رہا ہے۔"

"لیکن جاؤ گے کس طرح۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے چینی سے بولا۔

"وہ سارے نل دو دو فٹ کے فاصلے پر لگے ہوئے ہیں۔ اگر میں کسی دو نلوں کے درمیانی فاصلے کو ذہن میں رکھ کر چلوں تو گولیوں سے بچ سکتا ہوں۔"

"خطرناک! انتہائی خطرناک.... ہرگز نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی چیخ کر بولا۔

لیکن اتنی دیر میں فریدی ایس۔ پی کو دھکا دے کر باہر نکل چکا تھا۔

"پکڑو.... اسے پکڑو.... پاگل.... سور" ڈی۔ آئی۔ جی بے تابانہ اس کے پیچھے دوڑا لیکن فریدی گلی میں بھرے ہوئے آدمیوں کی بھیڑ میں غائب ہو چکا تھا۔

وہ لوگ پھر کھڑکیوں کے قریب آ گئے اور پھر انہوں نے فریدی کو نیچے فٹ پاتھ پر دیکھا۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر گولیاں گر گر کر گرد و غبار اڑا رہی تھیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اوپر سے اسے پھر آواز دی لیکن اس نے سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کی نظریں پائپ پر جمی ہوئی تھیں اور پھر وہ چل پڑا لوگ چیخنے لگے۔ پھر اس نے اتنی تیزی سے سڑک پار کی جیسے بجلی چمک گئی ہو۔ دوسرے فٹ پاتھ پر پہنچ کر وہ مڑا اور ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔

"ہے کوئی اس کی ٹکر کا۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنس پڑا۔ یہ ہنسی عجیب قسم کی تھی۔ کچھ گلوگیر سی جس میں شاید کچھ آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔ حقیقتاً اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"زندہ باد بیٹے! زندہ باد۔" وہ ہاتھ مل کر بڑبڑایا۔

فریدی نے نچلے سارے دروازوں پر نظریں دوڑائیں لیکن سب کے سب بند تھے۔ تیسری منزل کی ایک کھڑکی کھلی نظر آ رہی تھی اور اسی سے ملا ہوا ایک موٹا سا پائپ تھا جو نیچے تک چلا آیا

تھا۔ فریدی نے اپنے جوتے اتارے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال کر پتلون کی جیب میں ڈالا اور
کوٹ بھی اتار کر وہیں فٹ پاتھ پر پھینکا۔ اب وہ اسی پائپ کو پکڑ کر اوپر چڑھ رہا تھا۔

اسے بد قسمتی ہی کہنا چاہئے کہ جب وہ اوپر پہنچ کر کھڑکی میں داخل ہو رہا تھا تو ریوالور اس کی
جیب سے نکل کر نیچے فٹ پاتھ پر جا پڑا۔ فریدی نے جھک کر دیکھا اور پھر بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا
"اونہہ! جہنم میں جائے۔"

کمرہ خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ اس لئے وہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر
بہ آسانی نقل و حرکت کر رہا تھا۔

عمارت کا پورا نقشہ اس کے ذہن میں تھا۔ وہ دوسری منزل پر اتر آیا۔ مشین گنیں اب تک
چل رہی تھیں۔ لائبریری کے قریب پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے رکا پھر آہستہ آہستہ اس کمرے
کی طرف بڑھا جس کا پتہ کنول نے دیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نارنگ کی پشت دروازے کی
طرف تھی اور وہ مجنونانہ انداز میں ایک پہیے کو تیزی سے گھمائے جا رہا تھا۔ فریدی پنجوں کے بل
چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور پھر یکلخت ڈاکٹر نارنگ پر ٹوٹ پڑا۔ ڈاکٹر نارنگ کسی زخمی سانپ کی
طرح پلٹا اور پہیہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دونوں گتھ گئے تھے۔ ڈاکٹر نارنگ کسی پاگل کتے کی
طرح فریدی کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ ایک تو ویسے ہی کافی طاقتور تھا اور پھر اس وقت کا کیا پوچھنا دوسرے
ہی لمحے فریدی کی قوت جواب دینے لگی۔ گولیوں کی آواز بند ہو گئی تھیں۔ فریدی نے اپنی پوری
قوت سے نارنگ کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

"خبردار نارنگ۔" دفعتاً دروازے کی طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "الگ ہٹو ورنہ گولی
ماردوں گی۔"

کنول دروازے میں ریوالور لئے کھڑی تھی۔ نارنگ کے حلق سے عجیب طرح کی ڈراؤنی
آواز نکلی اور فریدی کو بس اتنا محسوس ہو سکا جیسے وہ بھی نارنگ ہی سے لپٹا ہوا کوئی فٹ اچھل گیا
ہو۔ پھر اس نے کنول کی گھٹی گھٹی سی چیخ سنی۔ نارنگ ایک ہاتھ سے فریدی سے نپٹ رہا تھا اور
دوسرے سے اس نے کنول کو دبوچ رکھا تھا۔ کنول کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جا پڑا۔ وہ کنول
کو بُری طرح دبا رہا تھا اور کنول کے حلق سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔
فریدی نے بائیں ہاتھ سے ڈاکٹر نارنگ کی ناک دبا کر ایک زور دار جھٹکا دیا اور اس کا سر اس کی

بغل کے نیچے آ گیا۔ فریدی کی گرفت سخت ہوتی گئی۔ داہنے ہاتھ سے وہ کنول کو الگ کرنے
کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے جھلا کر نارنگ کی گدی پر ایک گھونسہ
رسید کر دیا۔ اس نے کنول کو چھوڑ دیا اور وہ بے جان سی فرش پر آ رہی۔ ڈاکٹر نارنگ فریدی کی
گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی کا دوسرا گھونسہ اس کے پیٹ پر پڑا اور وہ بلبلا
کر دوہرا ہو گیا۔ اس کا سر فریدی کی گرفت سے نکل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا تیسرا گھونسہ
اس کی ناک پر پڑا اور وہ کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا کر چت ہو گیا۔

دوسرے لمحے میں فریدی اس کے سینے پر سوار تھا اور اس کے نہ رکنے والے ہاتھ نارنگ کے
چہرے پر گھونسوں کی بارش کر رہے تھے۔

پولیس آ گئی۔ ڈی۔ آئی۔ جی ساتھ تھا۔ فریدی نارنگ کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ نارنگ بے
ہوش تھا۔ فریدی کسی شرابی کی طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ قمیض تار تار ہو گئی تھی۔ بال بکھرے تھے۔
چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے سہارا دینا چاہا لیکن وہ جھپٹ کر
کنول کے پاس پہنچا جو بے حس و حرکت فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

"یہ ابھی زندہ ہے۔" فریدی پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔ "جلدی کرو۔ اسے ہسپتال
لے جاؤ۔ جلدی.... نبض کمزور چل رہی ہے۔"

بے ہوش نارنگ کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ اسے اٹھانے سے پہلے کنول کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

فریدی نے فاتحانہ انداز سے نارنگ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل
گئی جو اس کے چہرے سے بہے ہوئے خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی اسے سہارا دیئے ہوئے اپنے رومال سے اسکے چہرے کا خون خشک کر رہا تھا۔

"اُسے ہسپتال بھجوا دیا۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں! ہاں.... تم مطمئن رہو۔ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔"

"درندہ۔" فریدی نے نارنگ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور ایک ہاتھی سے بھی زیادہ طاقتور! پتہ
نہیں اور کون کون سی حیوانی قوتیں رکھتا ہے۔ ایک زہریلے سانپ کی طرح ہپنوٹائیز بھی کر سکتا
ہے۔ کرنل کی بہن کو اس نے ہپناٹزم ہی کے اثر میں لے رکھا تھا اور وہ رائفل بھی یہیں کہیں
ہوگی۔ وہ بے چاری لڑکی.... اس کی لاش بھی یہیں کہیں ہوگی۔"

"اچھا! اب تم چلو یہاں سے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"اوپری منزل پر کچھ لاشیں ضرور ہوں گی۔"

"اوہ.... چھوڑو.... سب دیکھ لیا جائے گا.... چلو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "مگر نہیں پچھلی طرف سے چلیں گے۔ سڑک پر مجمع تمہیں اور مجرم کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہے۔"

وہ دونوں پچھلے دروازے سے نکل کر دوسری سڑک پر پہنچے۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ایک سب انسپکٹر سے کار لانے کے لئے کہا۔

"میں شاید ننگے پیر ہوں۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اور میرے جسم پر چیتھڑے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارا کوٹ اور جوتے نہ جانے کہاں ہوں گے۔ ریوالور تو اٹھا لیا گیا تھا لیکن اُن کی طرف دھیان نہیں گیا۔"

اس سڑک اور ساگر مینشن سے ایک سو پچیس لاشیں اٹھائی گئیں۔ شہر میں ایک بار پھر خوف وہراس پھیل گیا تھا۔ لوگوں کو اس کی خوشی تو ضرور تھی کہ ایک اتنا خوفناک مجرم گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی وہ دل گرفتہ بھی تھے کہ ایک دن میں ایک سو پچیس جانیں چلی گئیں۔ زیادہ تر لوگوں نے پہلے اسے افواہ ہی تصور کیا کہ مسٹر کیو ڈاکٹر نارنگ تھا۔ لیکن پھر یقین تو کرنا ہی پڑا۔ سرجنٹ حمید اور ناگر نے طالوت حبشی اور نادرہ کی لاشیں شناخت کیں۔

مسٹر کیو عدالت میں

محکمہ سراغ رسانی کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہر کے سارے بڑے حکام موجود تھے۔ انور اور رشیدہ کو پہلی صف میں جگہ ملی تھی۔ سرجنٹ حمید ناک بھوں چڑھائے پھٹا پھٹا پھر رہا تھا۔ فریدی کی تقریر کے دوران میں ایک مرتبہ بھی اس نے ہال میں قدم رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ کیس کی تمہید کے بعد فریدی ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر مجمع پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر بولا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسٹر کیو کی شخصیت بڑے عجیب طریقے پر پردہ راز میں تھی۔ مجھے پہلے ہی سے علم تھا کہ سیکرٹ سروس کے پانچ آدمی اس نام کو استعمال کر رہے ہیں۔ میں ان کے ٹھکانے سے واقف نہیں تھا۔ لیکن اس اطلاع کے بعد اُن کے متعلق چھان بین کرنا ضروری

ہو گیا۔ بہر حال مختصراً یہ کہ میں نے ان کے ٹھکانے کا پتہ تو لگا لیا لیکن نہ تو ان کے ٹرانسمیٹر کا سراغ ملا اور نہ خود ان کا۔ کافی غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ انہیں شاید مجرموں نے ختم ہی کر دیا۔ لیکن سیکرٹ سروس کا ہیڈ کوارٹر برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ وہ نہ صرف موجود ہیں بلکہ اپنی تنخواہیں بھی لے رہے ہیں۔ بات عجیب تھی۔ مگر میں اپنے ہی نظریئے پر جما رہا۔ آخر آج ڈاکٹر نارنگ نے اس بات کا اعتراف کر ہی لیا کہ اس نے ان پانچوں کو ختم کر کے ان کی چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک طرف وہ انہیں اپنے جرائم کا بھی آلہ کار بناتا رہا اور دوسری طرف سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر سے بھی رابطہ قائم رکھا حتیٰ کہ ان پانچوں کی تنخواہیں تک حاصل کرتا رہا۔ اس طرح وہ حکومت کے اہم رازوں میں بھی دخیل ہوتا گیا۔

"لیکن اس کا مقصد کیا تھا....؟" کسی نے سوال کیا۔

"مقصد.... اس نے اپنے خلاف لگائے ہوئے الزامات کا اعتراف کر لیا ہے لیکن.... مقصد کے متعلق کہتا ہے کہ اس کا اظہار عدالت ہی میں کرے گا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے بے چینی سے پوچھا۔

"میرا خیال! میرا خیال یہ ہے کہ ان کے سارے جرائم کے پس منظر میں کوئی اہم تنظیم نہیں تھی۔ اگر اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا تو میدان سیاست کے بہترین کھلاڑیوں کو اپنے بس میں کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس کے برعکس اس کے آدمیوں میں سبھی قانون کے مجرم نظر آتے ہیں۔ معمولی چور اُچکے، قاتل، سازشی اور قانوناً ناجائز اشیاء کی تجارت کرنے والے۔ بہر حال میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب کچھ محض دہشت اور انتشار پھیلانے کے لئے تھا اور وہ بھی قطعی بلا مقصد! میں اسے ایک طرح کا جنون ہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ ڈاکٹر نارنگ کسی خطرناک کومپلکس کا شکار ہے۔"

"خیر یہ بات بھی کھل ہی جائے گی۔ تم اپنا بیان جاری رکھو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اس کے ساتھی ناگر کی مصنوعی خودکشی کے متعلق تو بتا ہی چکا ہوں۔ اگر ایسا نہ کرتا تو ڈاکٹر نارنگ اُسے کسی حال میں بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ اس کا طریقہ شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ اگر وہ اپنے کسی ساتھی کے متعلق یہ محسوس کر لیتا تھا کہ وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جائے گا تو وہ اسے زندہ ہی نہیں چھوڑتا تھا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ مسٹر کیو کا نام بھی پردہ راز ہی میں رہے۔ بہر حال میری

احتیاط سے اتنا تو ہوا کہ ناگر بچ گیا۔ لیکن مسٹر کیو کو اس کی خود کشی پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس لئے اس نے خود ہی اپنا نام اپنے ہی ذریعہ سے ظاہر کر دیا۔ اس میں بھی اس کی ایک گہری چال تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خود ہر طرح کے شبہات سے بالاتر رہے۔ چونکہ سب سے پہلے اس کا دیہی بنگلہ محکمہ سراغ رسانی کے ایک فرد سرجنٹ حمید کو مشتبہ معلوم ہوا تھا اس لئے اس نے ہر طرح سے اپنی صفائی ضروری سمجھی اور میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر حمید کو اس بنگلے میں وہ حادثہ نہ پیش آیا ہوتا تو ہم آج بھی ان سارے جرائم کی روح رواں سے ناواقف ہوتے۔ ڈاکٹر نارنگ نے اپنے ساتھیوں کی اس حماقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اتنے پاپڑ بیلے کہ اس سے غلطیاں ہی سرزد ہوتی چلی گئیں اور نتیجے کے طور پر اسے قانون کی گرفت میں آجانا پڑا..... ہاں تو..... کرنل فرید کے سیکریٹری ساجد اور نارنگ کے ساتھی ناگر کے بیان سے مجھے اس کے طریقہ کار کا علم ہوا۔ جو بڑا عجیب تھا۔ وہ ایسے مجرموں کو بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل کر لیتا تھا جن کے جرائم سے پولیس بھی لاعلم ہوتی تھی اور اس کے لئے وہ سیکرٹ سروس والوں کا ٹرانسمیٹر استعمال کرتا تھا۔ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں کے لئے بھی معمہ بنا ہوا تھا۔ اس نے یہ چیز بھی ان کے ذہن نشین کرا دی تھی کہ اگر ان میں سے کسی۔۔ نے بھی مسٹر کیو کی شخصیت کا راز معلوم کرنے کی کوشش کی تو ختم کر دیا جائے گا اور اس نے کئی ... یوں کے ساتھ یہی برتاؤ بھی کیا۔ صرف ساجد ہی ایسا تھا جو بچ گیا۔ وہ بھی اگر پاگل خانے کی ر... ہ لیتا تو اس کی زندگی بھی ناممکن تھی۔"

"بھئی..... وہ جعفری والا واقعہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"اسی کی طرف آرہا ہوں۔" فریدی نے مسکراتے ہوئے تقریر جاری رکھی۔ جب مجھ پر اور حمید پر حملہ ہوا تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ روپوش ہو جائیں۔ مجھ سے دراصل ایک زبردست غلطی ہوئی تھی۔ اس مائیکروفون والے واقعے میں بھی مجھے رازداری ہی برتنی چاہئے تھی۔ بہرحال مجھ پر وہ حملہ ڈاکٹر نارنگ کی جھلاہٹ ہی کا نتیجہ تھا۔ اس طرح میں نے اس کا ایک محیر العقول حربہ قطعی بیکار کر دیا تھا۔"

"وہ اڑنے والی رائفل کہاں ہے۔" متعدد آوازیں آئیں۔

"ابھی تک نہیں برآمد ہو سکی۔ ڈاکٹر نارنگ نے ابھی تک اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ بہرحال میں اپنی روپوشی کے لئے کسی اچھی سی جگہ کی تلاش میں تھا اسی دوران میں میں نے فیصلہ

یا کہ ایسی صورت میں کسی ایک جگہ رہنا ٹھیک نہیں تھا ابھی میں شہر ہی تک محدود تھا کہ ساجد اور ر کے تجربات کا علم ہوا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسٹر کیو پر ہاتھ ڈالنے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی مجرموں کا رول ادا کر کے اس تک پہنچوں۔ کچھ ایسے جرائم کروں جو مسٹر کیو کو پنی طرف متوجہ کر لیں اور وہ مجھے بھی بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل ہونے پر مجبور ے۔ میں اسی اُدھیڑ بن میں مصروف ایک شام راجروپ نگر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں یک کار الٹی ہوئی کار پر نظر پڑی۔ وہ غالباً ایک درخت سے ٹکرا کر الٹی تھی۔ وہ سڑک عموماً ویران رہتی ہے۔ اس لئے شاید ابھی تک کسی نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ بہرحال اس کار میں ھے جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری دکھائی دیا جو بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے راب کی بو آرہی تھی۔ بس اسی وقت اچانک میری اسکیم مرتب ہو گئی۔ جعفری دیکھنے میں خاصا ڑانا معلوم ہوتا ہے اور کچھ خبطی سا بھی ہے۔ شہر میں نہیں رہتا۔ دیہاتوں اور غیر آباد مقامات اس نے چھوٹے چھوٹے مکانات بنوا رکھے ہیں۔ انہیں میں اس کا قیام رہتا ہے۔ میری اس کی ہی رسمی سی ملاقات تھی۔ میں نے سوچا اس سے کام لینا زیادہ مناسب رہے گا۔ میں نے اسے الٹی ئی کار سے نکال کر اپنی گاڑی میں ڈالا اور راجروپ نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں میں نے عفری کو اپنے ایک دوست ڈاکٹر شوکت کے سپرد کیا اور اسے ساری باتیں سمجھا دیں۔ مجھے توقع ی تھی کہ جعفری کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا اور یہی ہوا۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر وکت ہی کا مہمان رہا۔ بہرحال اس کے دفتر میں کسی کو میرے متعلق ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوا اور ھیان ہی کیوں دیتا۔ دفتر والے تو اس سے لرزتے ہی رہا کرتے تھے..... پھر میں نے رشیدہ کو اس ے دفتر میں جگہ دی۔ شروع ہی سے ارادہ تھا کہ اپنے جرائم کے ذریعہ رشیدہ ہی کو بناؤں گا۔ اسے سا ذرہ برابر بھی علم نہ تھا کہ وہ فریدی جس نے اسے وہاں ملازمت کرنے کی ترغیب دی ہے۔ بہ ہی جعفری بھی ہے۔ اس طرح اس کے دل میں بناوٹ نہیں ہونے پائی..... جس دن دفتر کی اشی ہوئی اسی دن میرا نام مسٹر کیو کی لسٹ میں آگیا۔ اس کے آدمی میرے متعلق اور زیادہ علومات فراہم کرنے کی کوشش کرتے رہے..... اس کے گروہ کی ایک لڑکی کنول نے اس کا پتہ الیا تھا کہ اس تلاشی میں رشیدہ ہی کا ہاتھ تھا۔ بہرحال میں رشیدہ کو لے اڑا۔ مسٹر کیو کا کوئی آدمی ہری کار کا تعاقب کر رہا تھا میں نے اس کا ایک ٹائر پھاڑ دیا۔ محض اسے یہ باور کرانے کے لئے کہ

میں اُسے پولیس کا کوئی آدمی سمجھا ہوں۔ جس مکان میں رشیدہ کو لے گیا تھا وہ جعفری ہی کا ہے اور ایک غیر آباد مقام پر واقع ہے۔ میں نے کئی دنوں سے وہیں بودوباش اختیار کر رکھی تھی اور برابر یہ محسوس کرتا رہا تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ لیکن میں بظاہر بے پروا نظر آتا رہا.... ہاں، تو جب میں رشیدہ کو باندھ رہا تھا تو ہم پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی فلیش کیمرے کی ہے۔ اس پر میں نے چیخ چلا کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ کسی پولیس والے کی حرکت تھی۔ میں نے عمداً رشیدہ سے ساری گفتگو اونچی آواز میں کی تھی۔ لیکن اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے مسٹر کیو کے آدمی نہ اٹھالے جائیں۔ کیونکہ انہیں کسی ایسے آدمی کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو فریدی کا پتہ اور نشان جانتا ہو.... دوسرے دن صبح ہی میں نے رشیدہ کو بے ہوش کر کے ایک ٹرک میں ڈالا اور اس کے اوپر پیال لاد دیا۔ اس طرح اسے بھی راجروپ نگر پہنچایا اس وقت میں جعفری کی شکل میں نہیں تھا۔ نگرانی کرنے والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اس لئے میدان صاف تھا.... دوسرے دن آفس میں مجھے وہی تصویر ملی جو میں نے بعد میں انور کو بھیج دی تھی۔ تصویر کے ساتھ ہی مسٹر کیو کا ایک دھمکی آمیز خط بھی تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر میں اس کے گروہ میں نہ شامل ہوا اور اس کے احکامات کی تعمیل نہ کی تو وہ تصویر پولیس کے حوالے کر دی جائے گی۔ میرا جواب اس نے ایک ویران جگہ پر مانگا تھا۔ میں نے جواب لکھ کر وہاں رکھ دیا۔ خط و کتابت جاری رہی۔ جس کے ذریعہ اس نے مجھے کئی جرائم کی ترغیب دی۔ بہر حال میں پیغام رسانی کے طریقے کا راز جاننے کا کوشاں رہا۔ پھر مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس کے خطوط کئی ہاتھوں سے گذرتے ہوئے مجھ تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح وہ خط بھی کئی ہاتھوں سے گذرتا ہوا ساگر مینشن تک پہنچا تھا اور پھر وہاں سے اسے کوئی نامہ بر کبوتر ڈاکٹر نارنگ تک پہنچا دیتا تھا اور ڈاکٹر نارنگ کا ٹائپ کیا ہوا خط کبوتر ہی کے ذریعے ساگر مینشن تک پہنچتا تھا۔ مجھے کئی دنوں تک ان کبوتروں کا تعاقب کرنا پڑا تب جا کر یہ راز کھلا کہ وہ ڈاکٹر نارنگ کی کوٹھی پر اترتے ہیں۔ پھر میں نے اپنی کئی راتیں چوروں کی طرح ساگر مینشن اور نارنگ کی کوٹھی کی تلاشی لینے میں صرف کیں اور جب مکمل طور پر اس بات کا یقین ہو گیا کہ اصل مجرم نارنگ ہی ہے تو میں نے وہ تصویر انور کو بھیج دی۔ جب جعفری کے دفتر کی تلاشی ہو رہی تھی تو اس وقت میں سڑک ہی پر موجود تھا۔ لیکن دوسرے بھیس میں۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی واپسی پر میں نے انہیں ڈاکٹر

ارنگ کی طرف سے فون کیا.... اور پھر جو کچھ بھی ہوا آپ جانتے ہی ہیں۔"

تمام واقعات صاف ہو چکے تھے لیکن لوگ نارنگ کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھے۔ جس ن عدالت میں ڈاکٹر نارنگ کا بیان ہونے والا تھا کہیں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ صرف ؤاص ہی کا داخلہ ہو سکا تھا۔ عوام سڑک پر اور عدالت کے صحن میں بھرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ارنگ نے بڑی شرافت سے استدعا کی تھی کہ باہر والوں تک اس کی آواز پہنچنے کے لئے مائیکرو ون کا انتظام کیا جائے۔ پہلے اس کی یہ درخواست مسترد کر دی گئی لیکن جب اُس نے اس بات کا یقین دلایا کہ ملک کے مفاد کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گا تو درخواست منظور کر لی گئی اس نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ کوئی ایسی بات شروع کرے تو مائیکروفون کا سلسلہ منقطع بھی کیا جا سکتا ہے.... بڑی عجیب درخواست تھی۔

نارنگ قیدیوں کے کپڑے پہنے ہوئے کٹہرے میں بیٹھا تھا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ہ پہلے سے بھی زیادہ تندرست نظر آرہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک ظر آرہی تھی۔ جب وہ اپنا بیان دینے کے لئے کھڑا ہوا تو عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ پھر حلف دینے ا رسم شروع ہونے والی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کسی موہوم ہستی کو درمیان میں لانے ا ضرورت نہیں میں جو کچھ بھی کہوں گا سچ ہی کہوں گا۔ البتہ میں بہتے ہوئے خون کی قسم کھا سکتا ں۔ کیونکہ خون ریزی ہی میرا مذہب رہا ہے۔ لوگ میرے جرائم کا مقصد جاننے کے لئے بے ب ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جو مقصد کسی مذہب کا ہو سکتا ہے وہی میری خونریزی کا بھی تھا۔ ہب انفرادی اور اجتماعی سکون کا ذریعہ ہے اور میں صرف انفرادیت میں یقین رکھتا ہوں محض سالئے کہ اجتماعی زندگی نے مجھے حرامی قرار دیا تھا۔

حرامی! ہاں میں حرامی ہوں.... میری سنجیدگی پر کئی منہ حیرت سے کھل گئے ہیں۔ کچھ مسکرا ی رہے ہیں اور آنریبل چیف جسٹس یہ سوچ رہے ہیں کہ شاید اب میں پاگل پن کا ڈھونگ چانے جا رہا ہوں۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالوں گا اور پھر اس وقت تک پھانسی سے بچا رہوں گا جب ب مجھے پاگل خانے میں قیام کرنا پڑے گا.... نہیں میں باہوش و حواس کہہ رہا ہوں کہ میں حرامی ں۔ میں اپنی ماں کی شادی کے ٹھیک پانچویں مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ اس سانحے پر اس نے تو دکشی کر لی تھی لیکن وہ شخص جس سے اُس کی شادی ہوئی تھی.... میں اس کا تذکرہ اتنے عامیانہ

انداز میں کر کے اس کی توہین کر رہا ہوں.... وہ دنیا کا عظیم ترین شخص تھا میں تو اُسے خدا کہنے
کے لئے تیار ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بیٹے کی طرح پالا اور پھر دوسری شادی نہ کی.... ہوش
سنبھالنے پر مجھے یہ سمجھایا گیا کہ حرامی کہتے کسے ہیں.... میری ماں کا شوہر اس پر جھنجھلاتا اور اپنی
بوٹیاں نوچتا۔ گاؤں بھر سے اس نے دشمنی مول لے لی لیکن پھر بھی وہ میرے لئے دوسروں سے
لڑتا رہا۔ عورتیں اپنے بچوں کو میرے ساتھ کھیلنے سے روکتی تھیں میں بچپن ہی سے بڑا حساس
تھا۔ مجھ پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ کچھ اور بڑا ہوا تو سوچنے لگا کہ آخر حرامی ہونے میں میرا اپنا کیا
قصور ہے۔ میرے پالنے والے نے تنگ آ کر مجھے شہر کے ایک ہوسٹل میں بھیج دیا۔ بچپن ہی سے
ذہین تھا۔ لکھنے پڑھنے میں دل زیادہ لگتا تھا.... میں تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن
وہاں بھی مشکل سے ایک ہی سال سکون سے گزار پایا۔ دوسرے سال اسی ہوسٹل میں میرے
گاؤں کے دو ایک لڑکے اور بھی آ گئے۔ مجھے پھر وہی آوازیں سنائی دینے لگیں....“ ڈاکٹر نارنگ
ایک لحظہ کے لئے رکا۔ عدالت میں سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ چند لمحے مجمعے کو گھورتا رہا پھر گرج کر بولا۔
”مجھے بتاؤ میں کیا کرتا.... مجھے جواب دو؟ اگر کوئی مادر زاد لنگڑا ہو تو لوگوں کو اس سے ہمدردی
ہوتی ہے۔ مادر زاد اندھے ہندوؤں میں سورداس اور مسلمانوں میں حافظ کہلاتے ہیں.... لیکن
میں.... کیا میں بذات خود ایک بہت بڑی مجبوری.... نہیں تھا، کیا میں ایک بیماری کی طرح نہیں
پیدا ہوا تھا۔ اگر میں شاستر پڑھ لیتا تب بھی حرامی ہی رہتا۔ اگر قرآن بھی حفظ کر لیتا تو لوگ مجھے
حافظ کہتے ہوئے ہچکچاتے۔ آخر کیوں! کیا میں بھی ایک لنگڑے یا اندھے کی طرح اپنی پیدائش کے
معاملے میں بے بس نہیں تھا.... زانی اور زانیہ اگر تائب ہو جائیں تو خدا ان کے گناہ معاف کر دیتا
ہے لیکن میں تمہارے خدا سے پوچھتا ہوں کہ آخر اس نے حرامی کو کیوں اپنے بندوں کے رحم
کرم پر چھوڑ دیا ہے.... وہ جس کا میں نطفہ ہوں وہ اگر تائب ہو کر مولوی یا پنڈت ہو گیا ہو گا تو
لوگ اس کے قدم چوم رہے ہوں گے اور وہ بہشت یا سورگ کی آس لگائے بیٹھا ہو گا....
لیکن.... میں.... میں کس طرح خود کو بدل سکتا ہوں۔ میں حرامی ہوں۔ کوئی عادت نہیں ہوں
کہ بدل جاؤں.... میں ماضی.... حال.... اور مستقبل تینوں سے محروم ہوں۔ حال محض اس
لئے کامیاب رہا کہ میں خود کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر واقعی کوئی دوسری زندگی بھی ہے
تو.... میں اس سے بھی مایوس ہوں کیونکہ بعض مذاہب حرامی کو ہر حال میں جہنمی قرار دیتے ہیں

بتے ہیں کہ حرامی ہر حال میں مرنے سے قبل خود کو جہنم کا مستحق بنا لیتا ہے چلئے حرامی کو راہِ مستقیم
ے بھی محروم کر دیا گیا۔ پھر آخر کیا کرے کہاں جائے۔ بتاؤ نا.... بولو.... جواب دو۔“
ڈاکٹر نارنگ خاموش ہو کر مجمع کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا تھا۔
”کوئی نہیں بولے گا۔“ اس نے زہر خند کے ساتھ تقریر پھر شروع کر دی۔ ”میں بہت
گے بڑھ آیا۔ لوگ یہ جاننے کے لئے بیتاب ہوں گے کہ ایک حرامی ایم۔ پی کیسے بن گیا۔ اسے
حق کس طرح مل گیا۔ میں انہیں مایوس نہ کروں گا۔ ہاں تو میں اس ہوسٹل سے فرار ہو گیا اور یہ
یہ کر لیا کہ کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں مجھے کوئی جانتا نہ ہو۔ میں اس میں آج تک کامیاب رہا۔
ں نے گھٹیا سے گھٹیا مزدوریاں کیں مگر تعلیم نہ چھوڑی۔ سیاست میں ایم۔ اے کرنے کے بعد
با قاعدہ طور پر میدان سیاست میں اتر آیا لیکن وہ حرامی والا کومپلکس اب بھی مجھے بے چین کئے
ئے تھا۔ مجھے آدمی سے نفرت تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں حرامی
ں تو ساری عظمت آن کی آن میں ڈھیر ہو جائے گی۔ جھنجھلاہٹ نے میری خون کی پیاس بڑھا
ی۔ کسی بھی آدمی کو بے بس کر کے مجھے سچی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ میں ایک ایسے مبارک
ت کے خواب دیکھا کرتا تھا جب ایک ایسی قوت میرے ہاتھوں میں ہو کہ لوگ اس کے آگے
ے بس ہو کر رہ جائیں۔ مجھے اقتدار کی خواہش نہیں تھی۔ میں تو لوگوں کو خوفزدہ دیکھنا چاہتا تھا۔
نیوں کی کراہیں اور مرنے والوں کی ہچکیاں سننا چاہتا تھا.... میں حرامی تھا اسلئے خود کو جہنم کا
تحق بنا رہا تھا.... جہنم....!“
نارنگ نے رک کر قہقہہ لگایا۔ ”جہنم.... کیا شہر اس دوران میں جہنم نہیں تھا کیا میں اس
م کا مستحق ہرگز نہ بنتا۔ میرا خیال ہے کہ دنیا کے نیک اور شریف آدمیوں میں کم از کم پانچ
مدی حرامی ضرور ہوں گے لیکن وہ اس لئے قابل نفرت نہیں ہیں کہ ان کی ماؤں نے انہیں یہ
بتایا ہوگا کہ وہ حرامی ہیں۔ لہٰذا وہ سو فیصدی بہشت کے مستحق ہیں۔“
ڈاکٹر نارنگ کی آواز دھیمی پڑ گئی اور وہ مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا
، اور ابھی میں بعض مضحکہ خیز قسم کے فیصلے سنوں گا۔“
”آرڈر.... آرڈر....!“ جج میز پر ہاتھ مار کر بولا۔
”میں اب بھی وقت کا سب سے بڑا آرڈر ہوں۔“ ڈاکٹر نارنگ نے قہقہہ لگایا۔ ”اس مقدمے

کے دوران میں میں نے کئی بار عدالت کی توہین کی ہے۔ اس لئے پھانسی کے ساتھ توہین عدالت کے سلسلے میں چھ ماہ کی سزا ضرور رکھی گئی ہوگی۔ لہٰذا میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ پھانسی کے بعد ہی مجھے چھ ماہ کی سزائے قید دی جائے۔"

حاضرین کے قہقہے کسی طرح رک نہ سکے۔

عدالت نے پھر میز پر موگری بجانی شروع کردی۔

عدالت برخواست ہونے پر فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ حمید کے چھیڑنے پر آہستہ سے بولا۔

"اگر یہ غلط راستے پر نہ نکل گیا ہوتا تو بڑا عظیم آدمی ہوتا۔"

"اونہہ...!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "کنول کا کیا رہا۔"

"وہ اور ناگر سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے ہیں! ظاہر ہے کہ بری ہو جائیں گے۔"

"وہ رائفل نہ جانے کیا ہوئی۔"

"کیا تم پچھلی کاروائیوں کے دوران سوتے رہے ہو۔ اُس نے اسے اسی وقت تباہ کر دیا تھا جب میں نے مائیکروفون کے امتناع کے لئے آرڈر نکلوائے تھے۔"

ڈاکٹر نارنگ کی پھانسی کا منظر بھی عجیب تھا جنہوں نے اسے اس وقت دیکھا تھا ان کا بیان ہے کہ وہ گوشت و پوست کا آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف یا اضمحلال کی جگہ شگفتگی تھی۔ جب اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی تو مسکرا کر بولا۔ "پوچھنے سے کیا فائدہ جبکہ پوری ہی نہ کی جاسکے۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جتنے بھی موجود ہیں انہیں بڑے بے دردی سے قتل کردوں۔ آخری خواہش پوچھنے کا ڈھکوسلہ بھی عجیب ہے! اچھا خیر چلو! اگر پوچھنا ہی ہے تو ایک بڑی معمولی سی خواہش پوری کردو۔ میرے مرنے سے پہلے یہی کہہ دو کہ ڈاکٹر نارنگ حرامی نہیں ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے کھڑا اس مجمعے کو دیکھتا رہا جسے گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا اور بلا تکان پھانسی کے تختے پر چڑھ گیا۔

ختم شد